کٹی پتنگ

گلشن نندہ



KATI PATANG

NOVEL

GULSHAN NANDA

قیمت ـــــ تین روپے

(۱)

تھوڑی سی اور ..... صرف دو گھونٹ !"

"اوں ہوں — زیادہ نہ ستاؤ بنواری .....!"

"ضد نہ کرو ..... شبنم ..... دیکھو تو گلے کی تمام رگیں سوکھ رہی ہیں — پورے بدن میں ..... ایک کھلبلی سی مچ رہی ہے۔"

"آگ کی تمنا کرو گے تو ایسا ہی ہو گا ..... میں چلی۔"

"شبو — میری شبو ! روٹھ گئیں کیا ؟"

"جب تم اپنی شبنم کو آگ کے قریب رکھو گے ۔ تو وہ مٹ جائے گی۔ فنا ہو جائے گی —"

شبنم کی شاعرانہ بات پر بنواری ہنسنے لگا۔ اس نے اسے کھینچ کر پھر بستر میں ڈال لیا۔ اس کے بدن کو اپنی انگلیوں سے گدگدانے لگا۔ وہ پھُس پھُسی ہنسی کے ساتھ بستر میں مچل کر رہ گئی — اور اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑانے کے لیئے اس نے بنواری کی ننگی پیٹھ پر دانت گاڑ دیئے — بنواری کی ہنسی ایک کراہ میں بدل کر رہ گئی۔

کمرے کے اندھیرے گوشے میں سے آتی ہوئی ان پھُس پھُسی آوازوں کو اچانک کسی آہٹ نے کاٹ دیا۔ اُکھڑے ہوئے سانس

چند لمحوں کے لیے رُک گئے۔ کسی کے بوجھل قدم لکڑی کا زینہ طے کرتے ہوئے اس کمرے کی طرف آرہے تھے۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ بنواری اور شبنم کے جسموں کو اچانک جیسے کسی برقی تار نے چھو لیا۔ وہ تڑپ کر ایک دوسرے کے اور قریب ہو گئے۔ شبنم نے اُکھڑی آواز میں بنواری سے پوچھا:

"اتنی رات گئے — کون ہوگا؟"

دستک دوبارہ ہوئی —

بنواری نے بتی روشن کر دی۔ کراؤن ہوٹل کا بوسیدہ اور غلیظ کمرہ چمک اٹھا۔ شبنم اچھل کر الگ ہو گئی۔ اپنے اترے ہوئے کپڑوں سے اپنے ننگے بدن کو ڈھانپتی ہوئی بالکونی میں کھلنے والے دروازے کے ساتھ چپک کر جا کھڑی ہوئی اور تیزی سے دروازے میں ٹنگے پردے کو کھینچ کر اپنے آپ کو چھپا لیا۔

بنواری نے شراب کی خالی بوتل کو، جس میں چند قطرے ابھی تک موجود تھے۔ پاؤں سے دھکیل کر چارپائی کے نیچے کر دیا۔ گھبرا کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور بستر سے اُٹھ کر اسے کھولنے کے لیے بڑھا۔ ایک بار پلٹ کر اس نے اس غلیظ پردے کی طرف دیکھ لیا جس کے پیچھے شبنم چھپی کھڑی تھی۔ اور پھر کانپتے ہاتھوں سے اس نے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی اس کے منہ سے ایک دبی سی چیخ نکل گئی۔ چہرے کا رنگ اُڑ گیا — اس کے سامنے دوشالہ اوڑھے انجنا کھڑی تھی۔ بنواری کے پاؤں جیسے زمین میں دھنس کر رہ گئے۔ وہ اپنے

اکھڑے ہوئے سانس میں ابھی اس سے کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ انجنا کمرے کے اندر چلی آئی اور بولی۔

"میں آگئی ہوں بنواری!"

انجنا نے ایک طرف اپنا اٹیچی رکھا اور پلٹ کر دروازے کے کواڑ بند کر دیئے — بنواری پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"لیکن تمہاری تو آج شادی ہونے والی تھی؟" — بنواری نے سوال کیا۔

"ہونے والی تھی — لیکن ہوئی نہیں۔"

"کیوں —؟"

"میں نے لوک لاج کے سارے بندھن توڑ دیئے ہیں۔"

"کیسے .....؟"

"لگن منڈپ میں بیٹھنے سے پہلے ہی میں گھر سے بھاگ آئی۔"

"یہ اچھا نہیں کیا تم نے — انجو!"

"اور کوئی راستہ بھی تو نہ تھا — اپنی محبت کی لو کو بچانے کا۔"

"بزدل اکثر جذبات کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"یہ تم کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو — پہلے تو تم کبھی ایسی باتیں نہیں کرتے تھے۔" انجنا نے کندھوں پر سے دوشالہ اتار کر ایک طرف رکھ دیا، اور اس کے قریب چلی آئی۔ جوں ہی اس کی نظر میز پر رکھے شراب کے ایک خالی گلاس پر پڑی، بنواری نے اس کی نظروں کو بھانپتے ہوئے فوراً کہا۔

"بیٹھا پی رہا تھا — اپنا غم مٹانے کے لیے۔"

"اب تو میں آگئی ہوں بنواری ۔۔۔ اب تمہیں ان جھوٹے سہاروں کی ضرورت نہیں پڑے گی ۔ میں دوں گی تمہیں سہارا۔ اپنی اِن باہنوں کا۔ اب میں تمہارے مدتوں کے انتظار کی بے چینی کو گلے لگاؤں گی۔"

"لیکن انجو ۔ یہ زندگی کی حقیقت نہیں ۔ ایک جنون ہے ۔ میری مجبوریوں کا مذاق نہ اُڑاؤ ۔ اور واپس چلی جاؤ۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو ۔۔۔؟"

"ہاں انجو! ۔ اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے ۔ تمہاری عزت اور میری مجبوریاں زندگی کے ایک ہی دوراہے پر کھڑی ہیں ۔ اب ان کا امتحان نہ لو۔"

"میں اُن مجبوریوں کو بھی گلے لگاؤں گی بنواری ۔۔۔ جس حال میں رکھو گے ۔ اسی میں رہوں گی ۔ ہم نے تو جینا محبت سے سیکھا ہے ۔ اُسی کو ٹھکرا دیا تو میری عزت اور تمہاری مجبوریاں موت کی پرچھائیاں بن کر رہ جائیں گی"۔

بنواری نے پلٹ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا ۔ ان شربتی آنکھوں میں خوف کی جگہ سینکڑوں ستارے جھلملا رہے تھے ۔ وہ لوک لاج کو نظر انداز کر کے ایک درخشاں مستقبل کی امید کے ساتھ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی ۔ آج وہ اُن نظروں کا سامنا نہ کر سکا ۔ اس نے رُخ بدل لیا ۔ جھک کر وہ بوتل نکالی جس میں ابھی تک چند گھونٹ شراب باقی تھی ۔ وہ شراب اس نے خالی گلاس میں ڈالی اور ایک ہی سانس میں اسے گلے سے نیچے اُتار گیا۔

انجنا اس کی خاموشی کو سمجھ نہ سکی ۔ اُس نے اس کے کندھے کا سہارا

لینے کی کوشش کی تو بنواری نے پلٹ کر اس کی گال پر چٹکی لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کتنی بھولی ہو تم ———!"

انجنا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے اپنے مہندی رچے ہاتھوں کو اس کے سامنے پھیلا دیا اور بولی ـ" بنواری ——— یہ دیکھو ـ میرے ہاتھوں کی مہندی ـ جو ہماری تقدیر کی لکیروں کو نہ مٹا سکی۔"

" لیکن اب یہ تمہاری آرزوؤں اور آشاؤں کو ضرور مٹا دے گی انجو!"

" بنواری ....!"

" مجھے امید نہیں تھی انجو کہ تم میرے مذاق کو اتنی سنجیدگی سے لوگی۔ مجھے بغیر زندگی کا وہ قدم اٹھا لوگی ——— جو تمہیں کہیں کا نہیں رہنے دے گا۔"

" سچ مچ ——— آج تم بہک گئے ہو ـ تم نے زیادہ پی لی ہے۔" اس نے بنواری کے ہاتھوں سے خالی گلاس لے لیا اور اسے اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے پھر بولی۔" میری محبت کا امتحان نہ لو بنواری ——— مجھے اپنی مضبوط بانہوں کا سہارا دو ـ اب مجھ میں بحث کی طاقت نہیں رہی ——— دیکھو تو بنواری ——— کپکپاہٹ نے میرے سارے بدن کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔" اور اس نے بنواری کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

بنواری نے اس کی باہوں کو گلے سے ہٹا کر جھٹک دیا اور بولا:

"لوٹ جاؤ انجو! ——— جس محبت کا نام لے کر تم میرا بوجھ بننا چاہتی ہو ـ میں ابھی اس کے قابل نہیں ——— اگر تمہیں محبت کا پاس ہوتا ـ تو تم سگائی سے پہلے ہی اپنے ماموں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیتیں۔"

"تم تو جانتے ہو — میں نے کئی بار کوشش کی لیکن مجھ میں ہمت نہ ہوئی۔"

"تو آج گھر سے بھاگ کر تم نے کونسی ان کی عزت افزائی کی ہے اس سے تو بہتر تھا کہ انہیں صاف اپنا فیصلہ سنا دیتیں۔ بھری برادری میں اپنی محبت کا اعلان کر دیتیں۔"

"اس سے بڑی رسوائی ہوتی۔"

"ماموں کے گھرانے کی نا! تمہاری محبت کی تو نہیں۔"

"تو اب کیا فیصلہ ہے تمہارا — ؟"

"چپ چاپ گھر لوٹ جاؤ — کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس حرکت سے ماموں تمہیں تمہاری جائداد سے محروم کر دیں — تمہارے وہ حقوق چھین لیں، جو ہماری نئی زندگی کی بنیاد بن سکتے ہیں۔"

"او — سمجھی — تمہیں میری محبت سے زیادہ میری دولت کا خیال ہے۔" انجنا نے یہ کہتے ہوئے فوراً رخ بدل لیا۔ اور محبت کے دائرے سے نکل کر زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"نہیں انجو — مجھے غلط نہ سمجھو! میں واقعی زیادہ پینے کی وجہ سے بہک گیا ہوں۔ میرا مطلب تمہاری دولت سے ہرگز نہ تھا۔ بلکہ تمہارے حقوق سے تھا۔ اپنے حق کے لیے لڑنا ہر کسی کا فرض ہے — ایسا تو نہیں انجو! تمہارے ماموں تمہارا بیاہ رچا کر .... تمہاری جائداد ہضم کرنے کی فکر میں ہوں۔"

وہ کہے جا رہا تھا۔ لیکن انجنا کی پریشان نگاہیں کسی دوسری طرف ہی لگی ہوئی تھیں۔ وہ پردے کے پیچھے چھپی لڑکی کے سفید

پیروں کا جائزہ لے رہی تھی۔ جو پردے میں پوری طرح سے چھپائے نہ جا سکے تھے۔ اور پھر وہ آہستہ آہستہ اس پردے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

بنواری نے ابھی اپنی باتوں کا سلسلہ ختم نہیں کیا تھا کہ وہ انجنا کا ارادہ بھانپ گیا۔ اس نے اس کی نگاہوں کی برق دیکھ لی تھی جو تھوڑی ہی دیر میں سب کچھ جلا کر راکھ کر دینے والی تھی۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ انجنا نے لپک کر اس پردے کو کھینچ لیا۔ نیم برہنہ شبنم کو وہاں کھڑی دیکھ کر اس کے دل کو زبردست دھچکا لگا۔ لمحہ بھر کے لیے اُسے محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں کوئی بھونچال آگیا ہو۔ ادھر شبنم پانی پانی ہو گئی۔ اور اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔

انجنا نے وہی نظریں اُس سے ہٹا کر بنواری پر لگا دیں۔ جو بُت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن انجنا نے اُس پر گالیوں کی بوچھار کر دی۔ بالآخر اس کے بپھرے ہوئے سانسوں نے صرف اتنا کہا۔

"کاش تمہارے چہرے کا یہ نقاب ایک دن پہلے ہٹ جاتا"

اور وہ تڑپ کر باہر جانے کے لئے پلٹی۔ بنواری نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے شانہ جھٹک دیا اور تیز تیز قدموں سے زینہ اُتر گئی۔ اُسے پکڑنے کے لیے اُس نے ہاتھ پھیلایا۔ اُسے بار بار پکارا۔ لیکن وہ نہیں رُکی۔

بنواری کے پاؤں تلے کی زمین کھسک گئی۔ وہ سنجیدہ ہو گیا اور رینگتا ہوا سا کھڑکی کے پاس جا رکا۔ اس نے کواڑ کھول کر نیچے جھانکا۔ انجنا ٹیکسی میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔

اچانک اس نے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔ یہ شبنم تھی۔ جس نے بنواری کے قریب آکر اس کے مُردہ بدن میں پھر سے جان ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے الماری میں سے شراب کی دوسری بوتل نکالی اور ایک پیگ گلاس میں اُنڈیل کر اُسے پیش کیا۔ بنواری نے نگاہ پھیر کر شبنم کی طرف دیکھا۔ جس کے لبوں پر شوخ مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"لے لو۔۔۔ دو گھونٹ۔۔ پہلا نشہ تو سب ہوا ہو گیا ہو گا۔"

بنواری نے مُسکرا کر اس کے گال پر ایک چٹکی لے لی۔ اور دوسرے ہی لمحے گلاس میں چھلکتی ہوئی شراب کو حلق میں اُنڈیل لیا۔

"تو آج سے اپنی ڈائری میں سے اس کا نام نکال دو۔ شبنم نے گلاس میں دوسرا پیگ بنا کر بنواری کو دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں شبنو۔ اِس کا میری زندگی سے نکل جانا اِتنا آسان نہیں۔"

"بس ایک ہی بات کی کمی ہے تم میں بنواری ۔۔۔ تم کبھی اپنی ہار نہیں مانتے۔ پیسہ پیسہ۔۔ کیا کرو گے یہ سب پیسہ۔۔ بے چاری محبت کا سہارا لینے آئی تھی۔ تم نے اُسے ٹھکرا دیا۔۔۔ ایک روز تم بھی پچھتاؤ گے، جب تمہیں تمہاری جوانی دغا دے جائے گی۔۔ سمجھے! تب بھی محبت ہی تمہارا ساتھ دے گی۔"

"شبنو!۔۔" وہ زور سے چلّایا اور اس نے شراب کا بھرا گلاس دیوار پہ دے مارا۔۔۔۔ شیشہ چُور چُور ہو گیا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح آج بنواری کے ارادے چُور چُور ہو گئے تھے۔۔۔ اس دھماکے کے بعد کمرے میں پھر سنّاٹا چھا گیا۔ لیکن اس سنّاٹے نے بنواری کے

دل ودماغ میں ایک ہیجان برپا کر دیا۔
بنواری حقیقت کا سامنا نہ کر سکا۔ شبنم چپ چاپ اندھیرے میں کھسک کر ایک کونے میں جا دبکی اور وہ کھڑکی کے پاس کھڑا دور فیکٹری کی اس چمنی کو دیکھتا رہا جس میں سے سیاہ دھواں نکل کر شفاف آسمان کو کثیف کر رہا تھا۔

(۲)

سردار جی! — ذرا جلدی ...... اور تیز ..... میں آپ کو... انعام دوں گی ......"
انجنا کی بوکھلائی اور بھری ہوئی آواز نے بار بار ان الفاظ کو دہرانا شروع کر دیا۔ جوں جوں یہ الفاظ سردار جی کے کانوں میں گونجتے وہ ٹیکسی کی رفتار اور بڑھا دیتے — اور لمحہ بھر کے لیے انجنا کے دل کی تیز دھڑکن کچھ دیر کے لیے اس تیز رفتار میں گم ہو کر رہ جاتی۔
اسے اپنے گھر پہنچنے کی بے حد جلدی تھی۔ اس کی نگاہیں پتھریلی سڑک پر لگی ہوئی تھیں۔ جیسے ٹیکسی بڑی تیزی سے چیرتی چلی جا رہی تھی — انجنا کو پورا یقین تھا کہ وہ لگن منڈپ میں شادی کی گھڑی سے پہلے پہنچ جائے گی — اور یوں اپنے ماموں کی عزت پر داغ نہ آنے دے گی —
سردار جی نے ٹیکسی کی رفتار اور تیز کر دی۔ جیسے وہ بنا بتائے ہی لڑکی کے جذبات کو سمجھ گئے تھے اور اس کی کامیابی کا سہرا اپنے

سر لینا چاہتے تھے۔ وہ سامنے لگے آئینے میں سے بار بار جھانک کر انجنا کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ جس پر ہر لمحہ ایک رنگ آتا تھا، دوسرا جاتا تھا۔ اس کے چہرے کی گھبراہٹ کے پیچھے نہ جانے کتنی امیدیں اور حسرتیں پنہاں تھیں۔

اچانک ٹیکسی میں جیسے زلزلہ آگیا۔ وہ سڑک کے بیچوں بیچ بری طرح اچھلنے لگی۔ سردار جی نے بڑی مشکل سے اس کی رفتار پر قابو پایا لیکن اس سے پہلے کہ انجنا اس گڑبڑی کے بارے میں ان سے کچھ پوچھتی ٹیکسی سڑک سے اُتر کر اور ایک پیڑ سے ٹکرا کر رک گئی۔ جھٹکا کھا کر جب انجنا سنبھلی تو ٹیکسی ڈرائیور کی بات نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ ٹیکسی کا پہیہ بالکل بیٹھ چکا تھا۔ اور انجن سے بھاپ نکل نکل کر اِدھر اُدھر بکھر رہی تھی۔

"کتنی دیر لگے گی سردار جی؟"

"کم سے کم آدھ گھنٹہ۔"

"آپ نے تو میرا سب کچھ ختم کر دیا۔"

"واہگورو کی مرضی۔ بی بی۔ تیری بات وچ آ کر تو میں نے اپنی ٹیکسی دا ستیاناس کر لیا ہے۔"

انجنا نے سردار جی سے زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور چپ چاپ سڑک کے کنارے والی پلیا پر بیٹھ گئی۔ سردار جی پہیہ بدلنے لگے۔ اور وہ بیٹھے بیٹھے ویران سڑک کا راستہ ناپتی رہی۔ اس کی زندگی میں اچانک ایک طوفان آگیا تھا۔ ہونی جو بھی رنگ لانے والی تھی، اس کی ذمہ دار وہ خود تھی۔ آج اگر وہ ماموں کی

بات مان کر اپنی جھوٹی محبت کو قربان کر دیتی، تو اسے امتحان کی اس کڑی گھڑی میں سے نہ گزرنا پڑتا۔ وہ ایک انوکھی کشمکش میں مبتلا تھی اس کی ناسمجھی نے اس کی زندگی کو ایک عجیب راستے پر لا کھڑا کیا تھا۔

اب صرف ایک ہلکی سی امید رہ گئی تھی کہ شاید اس کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے۔ اور اس کے لئے وہ دل ہی دل میں بھگوان سے پرارتھنا کر رہی تھی۔ اور اسے پورا یقین تھا۔ کہ وہ اس کے ناکردہ گناہ کی اتنی بڑی سزا نہیں دے گا۔

لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس کی قسمت اور ہمت دونوں نے منزل پر لا کر اُسے دھوکا دے دیا۔ اس کی اُمیدوں پر بدبختی کے سائے پڑ گئے۔ وہ جب گھر کے صدر دروازے تک پہنچی تو شادی کے چراغ بُجھ چکے تھے۔ لگن منڈپ کی بنیادیں اُکھڑ چکی تھیں۔ ہَوَن کنڈ کی راکھ اپنے دامن میں وہ انگارے چھپائے ہوئے تھی۔ جس نے اس کی زندگی کو ہمیشہ کے لئے سلگا کر راکھ کر دیا تھا۔ اس کا بھرا ہوا سانس وہیں رُک گیا۔ اور وہ ایک ہارے ہوئے کھلاڑی کی طرح شادی کے اس منڈپ کو دیکھنے لگی، جہاں سے اس کی آئی ہوئی بارات واپس جا چکی تھی۔ اُس نے اپنی بربادی پر چیخنا چاہا۔ لیکن اس کا گلا رندھ چکا تھا۔

گھر کی خاموشی اور چاروں طرف چھائے ہوئے اندھیرے نے ماحول کو بھیانک بنا رکھا تھا۔ وہ حویلی جوگنگا پور کی سب سے اونچی حویلی تھی۔ اُس کے پُرکھوں کی عزت کے جھنڈے گڑے

رہتے تھے۔ آج اس کی دیواریں گرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

اندھیرے میں ٹٹولتی ہوئی انجنا اس زینے کی طرف بڑھی۔ جو پچھواڑے سے اس کی خوابگاہ تک جاتا تھا۔ اس نے پاؤں کی جوتی اتار کر ایک طرف پھینک دی اور چپ چاپ سرکتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف ہو گئی۔

اس کے کمرے میں بھی اندھیرا تھا اس لئے اسے روشن کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آہستہ سے کواڑ سرکا کر وہ اندر داخل ہوئی اور دروازہ بھیڑ کر وہ پلٹی ہی تھی کہ اس کے رندھے ہوئے گلے سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

سامنے پرکھوں کی پرانی کرسی پہ اس کا ماموں بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آج شفقت کی جگہ خون اتر آیا تھا۔ اور وہ آنکھیں جیسے پتھرا کر رہ گئی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کا ماموں اپنی بھانجی پر گرج کر برس پڑتا، انجنا اس کے قدموں پر گر پڑی۔ اور رو رو کر گڑگڑانے لگی۔

"مجھے معاف کر دو ماموں۔ مجھے معاف کر دو۔ میری معمولی سی غلطی کی تمہیں اتنی بڑی سزا ملے گی۔ یہ مجھے معلوم نہ تھا۔ تم میرا گلا گھونٹ دو ماموں۔ میرا گلا گھونٹ دو۔ اپنی بہن کی نشانی کو اپنے ہاتھوں سے مٹا دو۔ جلا کر راکھ کر دو اسے۔ جس نے تمہارے بڑھاپے میں تمہیں ایسا دکھ پہنچایا ہے......"

اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لیکن پھر اچانک ہی اس کی آواز رک گئی۔ گلا خشک ہو گیا۔ وہ اپنے لڑکھڑاتے قدموں پر کھڑی ہو گئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر ماموں کی سرخ آنکھوں میں جھانکا وہ غضبناک آنکھیں اب بھی پتھرائی ہوئی تھیں۔

وہ ہمیشہ کے لیے پتھرا چکی تھیں۔ اُس کی زبان ہمیشہ کے لیے تالو سے چپک گئی تھی۔ اور اس کے زرد اور مردہ ہونٹوں پر بس ایک آواز مرتسم تھی۔

"انجو! — میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

انجنا کے مُنہ سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی — اس کی چیخ سُن کر گھر دہل اُٹھا۔ شادی کے موقع پر آئے ہوئے تمام رشتہ دار جاگ اُٹھے۔ ایک ایک کر کے سبھی اندھیرے کمروں میں اُجالا ہو گیا۔ ایک شور سا کانوں میں سنسنانے لگا۔ ہر کوئی تیزی سے زینہ چڑھ رہا تھا — ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے ہوا کے جھونکوں نے ہر کسی کے کان میں یہ خبر ڈال دی تھی کہ لالہ راج کشن یہ دُنیا چھوڑ چکے ہیں۔

انجنا ڈر گئی۔ اُسے محسوس ہوا جیسے وہ اپنے ماموں کی قاتل ہو۔ اور وہ قدم جو تیزی سے زینہ طے کر رہے تھے، اُسے روندنے کے لئے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ اُن لوگوں کا سامنا نہ کر سکتی تھی۔ اُس نے جھپٹ کر پچھلے دروازے کے کواڑ کھول دیئے — اور انہیں اندھیروں میں کھو گئی جن کا سہارا لے کر وہ اپنی خوابگاہ تک آئی تھی۔

ایک دھڑاکے کے ساتھ کواڑ اندر کی طرف کھلے۔ گھر میں آئے ہوئے مہمان اور ناطے دار تیزی سے لالہ راج کشن کی طرف بڑھے اور اُنہیں مردہ پا کر ان کی چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ گھر میں ایک کُہرام سا مچ گیا۔

انجنا کو محسوس ہوا جیسے اس کی دُنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اندھیرا چھا گیا ہو۔ وہ اچانک پھسل کر ایک ایسی گہری کھائی میں جا گری تھی۔ جس کی گہرائیوں کا اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ وہ اپنی

سسکیوں کو ساڑھی کے آنچل سے روکے اُنھیں اندھیروں میں چھپی رہی اور ان لوگوں کے سامنے آنے کی ہمت نہ کرسکی۔ اس کے کانوں میں ان لوگوں کی وہ آوازیں آ آ کر ٹکرا رہی تھیں۔ جو اُسے بُری طرح کوس رہی تھیں۔ اسے ماموں کی موت کا اور اس گھرانے کے نام کو ہمیشہ کے لیے ڈبو دینے کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھیں۔

انجنا کچھ دیر تک ان لوگوں کی باتیں اور رونے دھونے کی چیخ و پکار سُنتی رہی۔ پھر نہ جانے کیا فیصلہ کر کے وہ اُنہیں اندھیروں میں سمٹی ہوئی زینہ سے نیچے اُتر گئی۔ اس کے قدم بوجھل ہوتے جا رہے تھے۔ دم ٹوٹتا جا رہا تھا۔ لیکن وہ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ان سب سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ دور بہت دور سینکڑوں ہزاروں میل دُور ۔۔۔ ایک ایسی جگہ جہاں اس کو کوئی پہچان نہ سکے۔ جہاں وہ ہر کسی کے لیے ایک اجنبی ہو۔ لوگوں کے طعن و تشنیع اس کے کانوں کو نہ چھید سکیں۔

وہ بڑھتی گئی سنسان اور خاموش گلیوں میں ان ویران راستوں پر جن کی کوئی منزل نہ تھی۔ وہ اُس آبادی سے دُور ہو جانا چاہتی تھی جہاں سے اُسے ابھی تک نفرت کی بو آ رہی تھی۔ جہاں اُسے محبت میں دھوکہ ہوا تھا اور جہاں پل بھر میں اس کی دُنیا برباد ہو گئی تھی۔

جب وہ گنگا پور کے چھوٹے سے سٹیشن پر آئی۔ تو اگلی گاڑی آنے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ رات سیاہ اور بھیانک تھی۔ ریلوے پلیٹ فارم پر سناٹا تھا۔ ریلوے کے کارکنوں کے سوا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ چپ چاپ ایک کونے میں پڑے بنچ پر جا بیٹھی۔

رات کی اس خاموشی کو چیر رہی تھی تو بس ایک آواز۔ پرانے انجن کی جو کچھ فاصلے پر شنٹ کر رہا تھا۔ اور دھیرے دھیرے پٹری پر کھڑے مال گاڑی کے خالی ڈبوں کو دھکیل کر ایک جانب لگا رہا تھا۔ جیسے ہی کسی خالی ڈبے کو دھکا لگتا، وہ پٹری پر رینگتا ہوا دور تک چلا جاتا۔ انجنا اپنے آپ کو بھی کچھ دیر کے لیے اس خالی ڈبے کی مانند محسوس کرنے لگی، جسے تقدیر نے شنٹ کرتے ہوئے زندگی کی پٹری پر دھکیل دیا تھا۔

یہ سوچتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن وہ پی گئی۔ سرد ہوا سے بچنے کے لیے اس نے آنچل سے اپنے سر کو ڈھک لیا۔ تبھی اس نے دیکھا کہ پاس ہی بتی کے ستون کا سہارا لیے کوئی کھڑا بیڑی کے کش لگا رہا تھا اور گھور گھور کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس اجنبی نے بیڑی کا ایک لمبا کش کھینچا اور بیڑی کو ایک طرف پھینک کر کہہ اٹھا۔

"تم انجو ہو نا؟ — لالہ راج کشن کی بھانجی — جس کی ڈیوڑھی سے بارات لوٹ گئی۔"

انجنا کو لگا جیسے اس نے ایک زہریلا نشتر اس کے دل کی گہرائیوں میں اتار دیا ہو۔ اس کے دل میں پھر سے ایک طوفان کھڑا ہوا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس شخص کا منہ نوچ کر آنکھیں باہر نکال لیتی۔ جو اسے پہچان کر یہ نعرے کسنے کی جرأت کر رہا تھا — لیکن وہ ضبط کر کے رہ گئی۔ اس نے وہ بنچ چھوڑ دیا اور اس طرف بڑھی جدھر بجلی کی کئی بتیاں ایک ساتھ جگمگا رہی تھیں۔ وہ شخص

پھس پھسی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں داخل ہونے سے پہلے اس نے پلٹ کر چور نگاہوں سے دیکھا۔ وہ ابھی تک وہاں کھڑا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انجنا نے ویٹنگ روم کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

کمرہ خالی تھا۔ لیکن ایک لمبی چوڑی ریلوے کرسی پر ایک ننھا سا بچہ پڑا اچلا رہا تھا۔ اس ننھی سی جان کو وہاں دیکھ کر پہلے تو انجنا کا دل دھک سے رہ گیا لیکن پھر وہ سنبھل کر کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ یہ سب دیکھ کر گھبرا گئی۔ اپنی پریشان نظروں سے اس نے ایک بار غور سے بچے کو دیکھا اور پھر کسی آہٹ کو سن کر ٹھٹھک گئی۔

انجنا نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے باتھ روم کے دروازے سے کوئی لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک برتن تھا جس میں سے گرم پانی اپنی بھاپ چھوڑ رہا تھا۔ دونوں لمحہ بھر کے لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں اور پھر اس لڑکی نے جیسے چلا کر پکارا۔ "انجو!"

انجنا بھی جو ابھی تک اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ "پونم" کہہ کر اس کی جانب بڑھی۔ پونم نے ہاتھ کا برتن ایک طرف رکھ دیا اور لپک کر انجنا کو باہوں میں لے لیا۔

اُن پرانی سہیلیوں کے ملن کو ننھے بچے کی چلاہٹ نے جھنجوڑا۔ پونم انجو سے الگ ہو کر بچے کے لئے دودھ بنانے لگی۔ انجنا بھی اس کے پاس آگئی اور بڑے غور سے ننھے کو دیکھتے ہوئے بولی:۔

"یہ کس کا ہے؟"

"ہٹ۔ بے ایمان کہیں کی۔۔ یہ بھی پوچھنے کی بات ہے کیا؟"

"کہاں ہیں اس کے ڈیڈی..... ؟" انجنا نے فوراً دوسرا سوال کر دیا۔

پونم نے یہ سوال سُنا تو سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ اس کی چمکتی آنکھوں میں جیسے کوئی ستارہ ٹوٹ پڑا۔ آنسو پلکوں سے ڈھلک کر گالوں پر پھسل گئے۔ انجنا بُت بنی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اداس غمگین چہرہ، سفید سادہ لباس۔ اُلجھے بال۔ نہ سیندور نہ سنگار!

وہ ایک طرح سے چلا اٹھی۔

"نہیں۔ پُونم..... نہیں"

"انجو! یہ حقیقت ہے تمہاری پونم اب بیوہ ہے"

"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟"

"جیپ گاڑی کے حادثے میں وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے"

پونم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ اور دودھ بوتل میں ڈال کر بچے کو پلانے لگی۔ چلاتا ہوا ننھا بچہ چپ ہو گیا۔ اور جلدی جلدی نپل کو چوسنے لگا۔ انجنا پر جیسے ایک نیا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا وہ اپنے آپ میں نہ رہی۔ پونم کی غمناک زندگی کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے اپنے تمام دکھ درد بھول گئے۔ اس خاموشی میں بھی بس اسی انجن کی آواز حائل ہو رہی تھی، جو ابھی تک خالی ڈبوں کو دھکے لگا رہا تھا۔

"اب کہاں جا رہی ہو؟" انجنا نے پوچھا۔

"نینی تال اپنے سسرال..... دوپہر کی گاڑی سے یہاں پہنچی تھی"

"تمہیں وہاں سے کوئی لینے نہیں آیا؟"

"نہیں ——— اور آتا بھی کیسے تھا"

"کیوں ؟"

"وہ اپنے ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اس بڑھاپے میں ان لوگوں کا سفر کرنا بہت مشکل ہے۔"

"کیسے لوگ ہیں ؟"

"میں کیا جانوں ۔۔۔ میں نے تو ابھی انہیں دیکھا تک نہیں۔"

"کیوں ؟"

وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے بچے کے منہ سے بوتل نکال لی۔ وہ پیٹ بھر جانے کے بعد سو گیا تھا۔ پونم نے کمبل سے اس کے نازک جسم کو ڈھک دیا۔ اور چپ چاپ انجنا کے برابر آ بیٹھی۔

"تم نے بتایا نہیں ۔۔ پونم ۔" انجنا نے اپنا سوال دہرایا۔

"جب سے انھوں نے مجھ سے شادی کی، وہ گھر نہیں گئے۔"

"کیوں ؟"

"اُن کے پتا جی اس شادی پر راضی نہ تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے سے صاف کہہ دیا تھا کہ اُسے دونوں میں سے ایک کو چننا ہوگا۔ اپنے پتا کو یا اپنی محبت کو۔"

"تب !"

"انھوں نے پونم کو چن لیا۔ اور وہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔"

یہ سن کر انجنا کے دل کو ایک چوٹ لگی ۔۔ اُس نے پیار کی اس جیت کے سامنے اپنی ہار کو محسوس کیا۔ ایک اس کا چاہنے والا تھا جس نے اسے راستے کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ وہ گم سم کھڑی اپنی زندگی کے ۔۔۔۔ بارے میں سوچتی رہی۔ اسے

خاموش دیکھ کر پونم نے اس کی شادی کے بارے میں سوال پوچھ لیا۔ جسے سن کر وہ کپکپا گئی۔ جواب دینے کے بجائے اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ پونم نے اپنا سوال پھر دہرایا ــــ

"بتاؤ نا! انجو! کب ہے تمہارا بیاہ؟ ــــ سنا تھا جلدی ہونے والا ہے۔"

"ہو چکا!"

"کب ــــ؟" پونم چونک اٹھی۔

"دو روز پہلے ــــ"

"لیکن تم......؟"

"گھر سے ڈولی نہ اٹھ سکی۔ بارات لوٹ گئی۔" سسکتی آواز میں وہ کہہ اٹھی۔

اب کے پونم کے دل کو دھچکا لگا۔ لمحہ بھر کے لیے تو اسے ایسے لگا۔ جیسے اس کی سہیلی اس سے مذاق کر رہی ہو۔ لیکن پھر اس کی پلکوں پر آئے آنسوؤں کو دیکھ کر پونم کا شک یقین میں بدل گیا۔ خیال نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔

اس نے بڑھ کر انجنا کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اس کا دل ہلکا کرنے کے لیے کہا کہ وہ پورا قصہ سنائے۔ انجنا نے پوری داستان بے کم و کاست کہہ سنائی۔

انجنا کے غم نے پونم کو اور بھی اداس کر دیا۔ وہ کہانیاں اور قصے جو وہ اکثر کتابوں میں پڑھا کرتی تھیں آج حقیقت کا رنگ لئے ان کی اپنی زندگیوں کو رنگے ہوئے تھے۔ پونم نے اسے دلاسا دیا اور بولی:۔

"اب کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"یہاں سے کہیں دور — جہاں مجھے کوئی نہ جانے — کوئی اپنا نہ ہو — جہاں میں نئی زندگی شروع کر سکوں۔"

"عورت کی زندگی کو تو مرد کا سہارا چاہیئے — اُس ناؤ کی کیا منزل جس کا کوئی کھیونے والا ہی نہ ہو۔"

لیکن اب مجھے مَردوں سے نفرت سی ہو گئی ہے — مَیں نے جیون بھر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

پُونم کے زرد ہونٹوں پر پھیکی سی مُسکراہٹ اُبھری۔ جیسے اُسے ان لڑکھڑاتے ارادوں پر کوئی یقین نہ تھا۔ یہ پرچھائیوں کی طرح اُبھر کر مٹ جانے والے تھے۔ وہ بولی:

"ایک بات کہوں۔"

"ہوں۔"

"مانو گی ... ؟"

"کہو ......"

"تم میرے ساتھ نینی تال چلو۔"

انجنا پُونم کی بات سُن کر اس کی جانب حیران نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی۔ پُونم نے پھر وہی بات دہرائی تو انجنا نے صاف انکار کر دیا۔ پُونم نے ہمدردی جتاتے ہوئے اُسے سمجھایا۔

"پاگل نہ بن — اتنی بڑی دُنیا میں اکیلی کہاں بھٹکے گی۔"

"کہیں بھی لیکن کسی کا بوجھ نہ بنوں گی۔"

"میں کوئی پرائی ہوں۔ میری اچھی بہن مان جا — میری بوجھل زندگی

بھی تمہارا ساتھ پانے سے کٹ جائے گی اور تو بھی نیا جیون اپنا سکے گی۔"

"تمہارے سسرال والے کیا سوچیں گے؟"

"کہدوں گی میری چھوٹی بہن ہے اس دنیا میں ہمارا اور کوئی نہیں' اسی لیے اسے اپنے ساتھ لے آئی ہوں۔"

"نہیں پونم! نہیں۔ نہ جانے وہ کیا سمجھیں۔ ابھی تو تم بھی اس گھر میں اجنبی ہو گی۔"

تجھے ان باتوں سے کیا۔؟ میں جو ہوں۔ اپنے لئے نہیں تو کم از کم میرے لئے انجان لوگ۔ انجان جگہ۔۔۔ دونوں مل کر رہیں گی تو کٹ جائے گی یہ زندگی۔"

اس سے پہلے کہ انجنا پونم کی بات کا کوئی جواب دے۔ پونم نے منہ پر انگلی رکھ کر اس کا منھ بند کر دیا۔ ان دونوں کی اونچی آوازوں کی وجہ سے بچہ نیند سے جاگ گیا تھا۔ پونم نے بڑھ کر اسے گود میں لے لیا اور باہوں کے جھولے میں جھلانے لگی۔

ادھر انجنا کے دل و دماغ میں ایک الجھن سی پیدا ہو گئی تھی۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں کے سائے اس کے ذہن میں منڈلانے لگے تھے۔ لیکن وہ خاموشی سے پونم اور اس کے بچے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر جب دونوں کی نظریں ملیں تو اس نے قدرے مسکرا کر پوچھا:

"کیا نام ہے ننھے کا؟"

"راجیو۔۔۔۔۔۔"

خوبصورت اور نازک بچے کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے اُس کے دماغ نے دوسری باتیں سوچنا بند کر دیا۔

(۳)

گاڑی پوری تیز رفتار سے بڑھتی جا رہی تھی۔ فرسٹ کلاس کے ایک سنسان ڈبے میں انجنا اور پونم آمنے سامنے کی سیٹوں پر بیٹھی تھیں۔ راجیو سیٹ کے کونے میں لیٹا سو رہا تھا۔ پونم کسی میگزین کے مطالعہ میں محو تھی اور انجنا چپ سادھے کھڑکی میں سے باہر کے اندھیروں کا جائزہ لے رہی تھی۔ جو تیز رفتار گاڑی کی مخالف سمت میں دور بھاگے چلے جا رہے تھے۔ گاڑی کی گڑگڑاہٹ جیسے چاروں طرف چھائے ہوئے سناٹے کے پرخچے اڑا رہی تھی۔

بالآخر انجنا نے اپنی سہیلی کا ساتھ دینا مان لیا تھا اور آج اس کی چھوٹی بہن بن کر اس کے سسرال جا رہی تھی۔ ایک نئی زندگی شروع کرنے۔ ایک نئی دنیا بسانے۔ اس کی زندگی یکایک اس طرح درہم برہم ہو جائیگی، یہ بات اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

اچانک ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے دیکھا، پونم اس سے پوچھ رہی تھی ——

"کیا سوچ رہی ہو انجو؟"

"یہی کہ کل تک جو زندگی تھی —— آج راستے بن کر رہ گئی ہے۔"

"تو ان راستوں پر چلنے سے ڈرتی کیوں ہو؟ جبکہ میں تمہاری ہمسفر ہوں؟"

"ہاں پونم! اگر آج تم نہ مل جاتیں مجھے —— تو نہ جانے میری منزل

کہاں اور کیا ہوتی؟"

"یہ سب قسمت کی باتیں ہیں......"

"قسمت کی بھی تم نے خوب کہی — جانتی ہو ماموں نے مجھ سے کیا کہا تھا؟"

"کیا —؟"

"بیاہ شادی سب سنجوگ کی بات ہے۔ ہونی کو تو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ میں تو سپنے میں بھی یہ نہ سوچ سکتا تھا کہ میری قسمت میں اتنا اچھا بر لکھا ہو گا......"

"تب......؟"

"تب میرے ذہن میں ایک اور دھن سوار تھی۔ اور وہ تھی بنواری کی محبت — میں اُس کے پیچھے دوڑی — ایک سراب کے پیچھے۔ آخر دھوکا کھا کر جب اپنے سنجوگ کا دامن تھامنے کے لیے لوٹ رہی تھی۔ تو میرے دل میں ایک یقین سا تھا۔ جو مجھے اُس طرف بڑی تیزی سے کھینچے لیے جا رہا تھا۔ مجھے ماموں کی یہ بات سچی معلوم ہوتی تھی کہ میرا سنجوگ اسی سے بندھا ہے جس سے انھوں نے طے کیا ہے۔"

یہ کہتے کہتے وہ رُک گئی۔ اس کا سانس تیز ہو گیا — پونم ٹکٹکی باندھے اس کی جانب دیکھے جا رہی تھی —

— دو ایک لمحہ کے بعد انجنا نے پھر کہنا شروع کیا۔

"لیکن وہ سنجوگ جب ٹوٹ گیا — تو ان دقیانوسی عقیدوں پر سے میرا وشواس اُٹھ گیا۔ مجھے ماموں کی کہی ہوئی بات ایک فریب نظر آنے لگی۔"

"یہ دوش تمہارا نہیں ـــ اُس گھڑی کا ہے، جس نے تمہاری تقدیر کی راہوں کو بدل کر رکھ دیا ہے"!

انجنا کے لبوں پر پھر تالا لگ گیا۔ پونم نے اس کے دل کے درد کو سمجھنے کی کوشش کی اور رازجویانہ لہجے میں استفسار کیا۔

"لڑکا کیسا تھا ـــ ؟"

"میں نے دیکھا نہیں ـــ بنواری کی لگن میں، میں اُسے دیکھنے کی بات سوچ بھی نہ سکتی تھی لیکن نہ جانے کن جذبات میں آکر میں نے کب اور کیسے ماموں سے ہاں کہہ دی"!

"بےچارا وہ لڑکا کیا سوچتا ہوگا ـــ تم کیسی لڑکی ہو ـــ جس نے شادی کے روز گھر سے بھاگ کر اس کی زندگی میں ایک الجھاؤ پیدا کر دیا"

انجنا پھر خاموش ہو گئی۔ اسے بھی چند لمحوں کے لیے اس اجنبی سے ہمدردی سی ہو گئی، جو اس سے بچھڑ کر نہ جانے کہاں جا چکا تھا۔

"کیا نام تھا اس کا ـــ ؟" پونم نے اُسے زیادہ دیر تک سنجیدہ نہ رہنے دیا۔ انجنا اُس کے اس سوال پر چونک پڑی۔ اس کا تمام بدن لرز کر رہ گیا۔ پونم نے سنجیدہ ماحول میں شگفتگی لانے کے لئے اس سے مسکرا کر کہا:

"اری شرماتی کیوں ہے ؟ اپنے پتی کا نام نہیں لیا جاتا۔ اس کا نام لینے میں کیا برائی ہے، جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے ؟"

"کمل موہن ......!" وہ زبان کو دانتوں میں دبا کر آہستگی سے بولی ۔ اور اُس نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔

پونم نے اُس کے زخموں کو زیادہ کریدنا نہ چاہا ـــ وہ سمٹ کر بیٹھ گئی اور پھر میگزین کے مطالعے میں کھو گئی۔ گاڑی کی گڑگڑاہٹ

اور انجن کی چیخ سے فضا میں اضطراب کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

یکایک ایک دھماکا ہوا ــــ رات کی تاریکیاں لرز اٹھیں، پونم اور انجنا کو ایسا محسوس ہوا جیسے بھونچال آگیا ہو۔

پونم ہیر چیخ اٹھی وہ جھپاک سے اپنے بچے کی طرف لپکی اور اسے اپنی باہوں میں اُٹھا لیا۔ دونوں سہیلیاں ایک دوسری کو تھامنے کا قصد کیا ہی چاہتی تھیں کہ ان کے منہ سے ایک ساتھ چیخیں نکل گئیں، اس کے بعد انھیں معلوم نہیں کہ کیا ہوا .... اُنہیں ایسا لگا جیسے وہ نامعلوم تاریکی میں ڈوب گئی ہوں۔

ریل گاڑی اچانک پٹری سے اتر گئی تھی۔ ڈبے ایک ایک کر کے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے، انجن زمین میں دھنس گیا تھا ــــ اور رات کی بھیانک تیرگی سے معمور اس جنگل کے ویرانوں میں محشر بپا ہو گیا تھا مسافروں میں افراتفری مچ گئی تھی ــــ ہر کوئی ایک دوسرے سے بچھڑ کر رہ گیا ــــ کسی کا کوئی سہارا رہا ــــ نہ کوئی کسی کا ہمسفر ــــ بس ایک خدا کا نام تھا ــــ جو دلخراش چیخ و پکار اور آہ و بکا کرتے ہوئے مسافروں کے لبوں پر تھا۔

زخموں سے نڈھال کوئی کراہ رہا تھا، کوئی سسک رہا تھا، کوئی خون سے لت پت تھا ــــ کوئی بیہوش ــــ کوئی جاں بہ لب ــــ کوئی جاں بحق ــــ

ریل گاڑی کے اس حادثہ کے کوئی تین دن بعد انجنا نے بڑی مشکل سے اپنی سہیلی کا پتہ لگایا ــــ قسمت نے انجنا کو زندگی بخش دی تھی، اسے معمولی سی خراشیں آگئی تھیں۔ ہوش سنبھلتے ہی اس نے

پونم کو تلاش کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے اپنی زندگی ـــ اپنے دُکھ درد کی پرواہ نہ تھی ـــ پونم کو ڈھونڈنے کے سوا اُسے کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ کافی دنوں تک وہ بھٹکتی رہی۔

آخر ایک امدادی کیمپ میں انجنا کو ایک رجسٹر پر پونم کا نام ملا۔ وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی ـــ لیکن گرد و نواح کا نقشہ دیکھ کر اس کے لیے ہوش و خرد سے کام لینے کا پہلو نکل آیا۔ وہ فوراً زخمیوں کے عارضی ہسپتال میں جا گھسی اور اس کی نظریں چاروں طرف پونم کی تلاش کرنے لگیں۔ زخمیوں کی آہ و زاری یا ان کی ناگفتہ بہ حالت اس کی ہمت کو پست نہ کر سکیں۔ اس رنج و غم کے ماحول میں امید کی ایک کرن غموں کے گھپ اندھیرے کے درمیان اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔ وہ پونم اور اس کے بچے کو دیکھنے کے لیے بیقرار تھی۔

اس کی متجسس نگاہیں اُن تمام زخمیوں کو ٹٹول رہی تھیں۔ جن میں اس کی پونم چھپی بیٹھی تھی۔ وہ مریضوں کی چارپائیوں کی قطار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی گئی۔

ایک مریض کے بستر کے قریب پہنچ کر وہ اچانک رک گئی جیسے اُسے سیاہ بدلیوں میں پونم کا چاند نظر آگیا ہو۔ وہ اُس مریض کو دیکھنے لگی جس کی چارپائی کے برابر بستر پر راجیو پڑا ہوا تھا۔ پونم کو دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکل ہی جاتی لیکن اسے اپنی آنکھوں پر جیسے یقین نہ آیا اور اس کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

وہ پونم کی چارپائی کے قریب جانے کے لیے ڈرتے ڈرتے آگے

بڑھی۔ جسے ڈاکٹروں نے گھیر رکھا تھا۔ پونم درد سے کراہ رہی تھی۔ دو تین نرسیں اُسے ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھیں۔ پونم سر سے پاؤں تک کچلی جا چکی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ چکی تھیں ـــ اس کا چہرہ بھیانک ہو چکا تھا۔ اور تمام بدن پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ نیم بیہوشی کی حالت میں چلا چلا کر کہہ رہی تھی۔

"مجھے مرنے.... دو...... میں اب جینا نہیں چاہتی....."

ڈاکٹروں نے زبردستی سے اسے انجیکشن دے دیا۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کی چارپائی کی دائیں طرف وہ سازو سامان رکھا ہوا تھا، جس کے ذریعے اس کے جسم میں خون اور گلوکوز پہنچایا جا رہا تھا۔ انجنا دھیرے دھیرے آگے بڑھتی بڑھتی اس کے بہت قریب پہنچ گئی۔ اور غور سے پونم کے چاند کو دیکھنے لگی۔ جس سے قدرت نے ایک بہت بڑا مذاق کیا تھا۔ ایک ایسا مذاق جو اس کی زندگی کو تہ و بالا کر کے رکھ دینے والا تھا۔

"آپ......؟" ڈاکٹر نے رُخ پلٹتے ہی انجنا سے پوچھا۔ جو حیرت اور مایوسی سے زخمی پونم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹھٹھک گئی اور فوراً کہہ اٹھی:

"جی! ـــ میں.... میں اس کے ساتھ ہوں ـــ یہ پونم ہے۔"

"او ـــ اچھا ہوا آپ آ گئیں۔ ان کے قریب کسی نہ کسی کا ہونا بہت ضروری ہے۔"

"کیسی طبیعت ہے، اب اس کی؟"

"خطرے سے خالی نہیں ـــ تھوڑی دیر پہلے ہی انہوں نے زہر کھانے کی کوشش کی تھی!"

ڈاکٹر کی یہ بات سنتے ہی انجنا کے دل کو دھچکا لگا وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ ڈاکٹر نے ملتجیانہ انداز میں اُس سے کہا۔ کہ وہ ایک پل کے لئے بھی۔ اُسے چھوڑ کر کہیں نہ جائے۔

اتنے میں ایک نرس بھاگتی ہوئی ڈاکٹر کے پاس آئی اور اُسے کسی اور مریض کی طرف کھینچ لے گئی، جس کی حالت اچانک بگڑ گئی تھی۔ ڈاکٹر چلا گیا لیکن انجنا کو ایک انوکھی الجھن میں ڈال گیا۔ وہ خواب میں بھی نہ سوچ سکتی تھی کہ کبھی پونم کی ایسی حالت ہو جائے گی کہ وہ زہر کھانے کی کوشش کرے گی۔

انجنا کا دل بھر آیا — لیکن وہ مجبور تھی۔ اس کے بس میں کچھ نہ تھا۔ وہ اس کی اس دردبھری اور لرزہ خیز حالت کو دیکھ کر چیخ اٹھتی — لیکن مریضوں کی روح فرسا ہائے توبہ سے ماحول پہلے ہی سے اس قدر اندوہناک تھا کہ وہ اسے اور زیادہ اندوہناک نہیں بنانا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس کے دل کی ہوک لبوں پر نہ آئی اور اس کے اپنے ہی سانسوں میں دب کر رہ گئی۔

پونم سے نگاہیں ہٹا کر انجنا نے اُس معصوم بچے کی طرف دیکھا جو آرام سے سویا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر ایک بھی خراش نہ آئی تھی شاید اُسے بچاتے بچاتے پونم اپنا سب کچھ کھو بیٹھی تھی۔

انجنا خاموشی سے پونم کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ جوں جوں شیشے کی بوتل سے گلوکوز ٹپک ٹپک کر اس کی رگوں میں سما رہا تھا۔ انجنا کو اس کی زندگی کی امید ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اس کی بگڑی ہوئی صورت کو دیکھ کر اس کا دل دہل گیا تھا۔ اس کی ساری آرزوئیں مٹ

گئیں تھیں۔ اور اسے عورت ذات پر ترس آرہا تھا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ عورت ٹھیک اس کشتی کی طرح ہے۔ جو طوفان کے تھپیڑوں سے ہچکولے کھاتی رہتی ہے۔ اگر بدبختی سے اس کا ملاح پتوار چھوڑ کر اسے بھنور میں اکیلا چھوڑ دے تو وہ کہیں کی نہیں رہتی۔

اچانک پونم کو کچھ ہوش آگیا۔ اس کے خشک اور زرد ہونٹ پھڑپھڑائے وہ اپنے بچے کو یاد کر رہی تھی۔ وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں کچھ ایسی باتیں بڑبڑا رہی تھی جو سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اب وہ ڈاکٹر کو پکارنے لگی۔ انجنا نے جھک کر اس کی بات سمجھنے کی کوشش کی۔ پونم کہہ رہی تھی۔

"ڈاکٹر ــــ بچے کے دودھ کا وقت ہو گیا ہے ــــ مجھے اٹھنے دو تم نے میرے کندھوں کو اتنے زور سے کیوں پکڑ رکھا ہے ــــ اتنا بوجھ میرے سر پر نہ رکھو ــــ ڈاکٹر! میں اس کے تلے دبی جا رہی ہوں"۔

اس کی آواز میں لرزش تھی ــــ سانس رک رک کر چل رہا تھا۔ زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ چلا اٹھی ــــ اس کی چیخ میں ایک درد تھا جو فضا میں بجلی کی لہر کی طرح دوڑ گیا۔ نرس نے لپک کر جھٹ پٹ خون کی نلی اتار دی۔

"ننھا سو رہا ہے۔ پونم ــــ" انجنا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

پونم ایک دم چپ ہو گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ اور اپنے چہرے پر بندھی ہوئی پٹیوں میں سے جھانک کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دو چار لمحے وہ یوں ہی خاموشی سے دیکھتی رہی پھر استغنارانہ لہجے میں بول اٹھی ــــ:

"کون.....؟"

"انجو — تمہاری سہیلی پونم......"

وہ پھر چپ ہو گئی۔ انجنا نے اپنی بات کو دُہرایا۔

"ہاں میں ہوں۔ پُونم! تمہاری سہیلی — راجیو سو رہا ہے۔"

پونم نے بمشکل اپنا کمزور ہاتھ اٹھایا۔ جیسے انجنا کی آواز نے اس کی مُردہ رگوں میں دم بھر کے لیے روح پھونک دی ہو۔ انجنا نے لپک کر اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور آہستہ آہستہ اُسے دبانے لگی۔ اس شفقت آمیز لمس سے پونم کے ہاتھوں میں کچھ اور گرمی آگئی۔ اس کا تمام بدن کانپنے لگا اُدھر اس کے مُنہ سے نکلا۔

"میں اب زندہ — نہیں ہوں — انجو"

"چھی، چھی — ایسی بات کیوں کہتی ہو تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی"

"کس کے لئے؟...... زندگی تو پہلے ہی بوجھ بن گئی تھی میرے لئے جب میں چنگی بھلی تھی اور اب تو یہ جسم بھی ایک بوجھ بن گیا ہے۔ اس بوجھ کو کون اُٹھائے گا؟"

"میں...... میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہاری چھوٹی بہن"

انجنا نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ پونم کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے اور اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے منجدھار میں ڈوبتے ڈوبتے اسے کسی تنکے کا سہارا مل گیا ہو۔ وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہہ اُٹھی۔

"میرے نصیب جاگ اُٹھے انجنا! تو مل گئی مجھے — اب میری تمام مشکلیں حل ہو گئی ہیں"

انجنا کی سمجھ میں اس کی بات تو نہ آئی پھر بھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا،

"تمہیں ایک سہارے کی تلاش ہے نا" ۔ پونم نے پھر کہا

اس کا یہ جملہ سُن کر انجنا چونک گئی ۔ اس نے حیرت سے اُن ہونٹوں کی طرف دیکھا جن کی زردی بہ قدرے لالی آ گئی تھی ۔ جیسے مایوسی اچانک امید میں بدل گئی ہو وہ پونم کی ان اکھڑی اکھڑی باتوں کو سمجھنے کے لئے اس کے ذرا اور بھی قریب ہو گئی ۔

"جانتی ہو نا ــــ اس دنیا میں جینا کتنا کٹھن ہے" پونم نے کہا ۔

"ہوں ..... "

"خاص طور پر ایک لڑکی کے لیے جس کا کوئی پاسبان نہ ہو"

مجھے کسی پاسبان کی ضرورت نہیں رہی پونم ــــ مجھے مردوں سے نفرت ہو چکی ہے ــــ تمہارا ساتھ مل گیا ہے ، اسی سہارے جیون گذر جائے گا ــــ میں بھی اس ننھے بچّے کی مسکراہٹ کے سہارے جی لوں گی"

"اور میں ..... مر گئی تو"

"چھی ــــ بھگوان کے لیے ایسا مت سوچو"

پونم نے انجنا کی آواز سُنی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی ۔ انجنا کو محسوس ہوا جیسے سپید کفن سے ڈھکے ہوئے مردے کے نیلے ہونٹوں سے اچانک مسکراہٹ پھوٹ پڑی ہو ۔ وہ چپ چاپ رہی ۔ پونم نے پھر کہنا شروع کیا ــــ

"سچائی سے کون منہ پھیر سکتا ہے ۔ کتنا خوبصورت اتفاق ہے انجو! تمہیں ایک سہارے کی تلاش ہے اور مجھے ایک ایسی زندگی کا جو اپنا ہو ــــ جو میرے بچے کو اپنا سکے ــــ

"یہ سب کیا کہہ رہی ہو؟"

"وہی جو مجھے کہنا چاہیے — انجو! مجھے وچن دو — کہ تم میرے بچے کو اپنا لوگی — اُسے ماں کا پیار دو گی۔"

"دل مت چھوڑو پونم! — میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہاری بہن ہوں — میں تم دونوں کی دیکھ بھال میں ہی اپنا جیون گذار دوں گی۔"

"سچ —"

"ہاں پونم!"

"جانتی ہو انجو.... میرے سسرال والوں نے اب تک میری صورت نہیں دیکھی۔"

"جانتی ہوں" — انجنا اُس کے دل کی تہ تک پہنچ گئی پھر بھی انجان سی بن کر کہہ اٹھی۔ "بے چارے نہ جانے تمہارے لئے کتنا تڑپ رہے ہوں گے۔"

"تم ایک کام کرو۔"

"کیا — ؟"

"وہاں جا کر میری جگہ لے لو۔"

"پونم!" — یہ کہتے ہی وہ دل تھام کر رہ گئی۔ اسے محسوس ہوا۔ جیسے پونم نے یک لخت اس کے سر پر ہتھوڑا دے مارا ہو — وہ ایک دم گم سم ہو گئی۔ چند لمحے تک تکلیف دہ خاموشی طاری رہی۔ آخر پونم نے پھر مہرِ سکوت توڑ دی۔

"اسی میں تمہاری بھلائی ہے — انجو! تمہیں سہارا مل جائے گا اور مجھے بچے کی ماں —"

"پونم.....؟"

"ہاں ـــ انجو ـــ میرے سسرال والے مجھے۔ اس حالت میں دیکھیں گے تو نفرت سے مُنہ موڑ لیں گے ـــ جوان بیٹے کی موت کے صدمے کے بعد جب انہیں میرا یہ صدمہ پہنچا، تو نہ جانے کیا ہو جائے گا۔

"نہیں پونم ..... تم ٹھیک ہو جاؤ گی ـــ"

"یہ چھوٹی تسلی ہے ـــ وعدہ کرو۔ انجو۔ کہ تم انہیں اس بڑھاپے میں یہ دوسرا صدمہ نہ پہنچنے دو گی۔ وعدہ کرو ـــ کہ راجیو کو تم اپنا بیٹا سمجھ کر پالو گی ـــ یہ میری امانت ہو گی۔ تمہارے پاس! ..... تم میرے لیے پونم بن جاؤ گی۔"

"پونم....."

پونم کمزوری کی اس حالت میں یہ سب کہتے کہتے جذبات میں بہہ گئی، اُس کا سانس گلے میں اٹکنے لگا۔ زبان لڑکھڑانے لگی۔ اور اس پر پھر بیہوشی طاری ہو گئی۔ انجنا نے اُسے دو چار بار پکارا۔ لیکن آگے سے کوئی جواب نہ ملا۔ جوں ہی اس نے پونم کے مُنہ سے جھاگ نکلتے دیکھا وہ ڈر گئی پونم کا سانس رُک رُک کر چل رہا تھا۔ وہ اُس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو بھانپ گئی۔ اور چلا کر ڈاکٹر کو بلانے کے لیے دوڑی۔ قریب کھڑی نرس نے اسے گھبراہٹ میں دیکھا تو مدد کے لیے بڑھی۔

ڈاکٹر کے ساتھ انجنا جب پونم کے پاس لوٹی تو پونم اس دُنیا سے جا چکی تھی۔ ڈاکٹر نے بڑی آہستگی سے اس کی کھلی آنکھوں کو بند کر دیا۔ انجنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ چند دنوں کی رفاقت پونم کو اس کے اتنا قریب لے آئی تھی۔ کہ اس کے انتقال سے انجنا کے دل پر

اس کی اپنی بدبختی سے زیادہ شاق گزر رہا تھا۔

ایک غمناک شور اور ڈاکٹروں اور نرسوں کی بھاگ دوڑ سے راجیو کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ماں کے لیے چلانے لگا۔ جب ہسپتال کے دوسرے لوگ پونم کی موت پر آنسو بہا رہے تھے، انجنا ایک طرف کھڑی اس بچے کی چلچلاہٹ سن رہی تھی پھر یکایک اس کی نگاہ راجیو سے ہٹ کر پونم کی طرف چلی گئی اسے آخری بار دیکھنے کے لیے۔ انجنا کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے پونم کے نیلے ہونٹوں سے اب بھی یہ الفاظ نکل رہے ہوں۔

"یہ چھوٹی تسلی ہے ـــــ وعدہ کرو۔ انجو! تم راجیو کو اپنا لوگی؛ تم میرے لیے پونم بن جاؤ گی ـــــ یہ میری امانت ہوگی"۔ تمہارے پاس ..... تمہیں ایک سہارا چاہیئے اور اسے ممتا۔ کہو، کہو۔ وچن دو۔"

انجنا نے اپنے کان بند کر لیے۔ پونم کی وہ پکار یکایک بند ہو گئی لیکن بچے کے رونے کی آواز ابھی تک اس کے کانوں کو چھید رہی تھی۔ وہ اس کی تاب نہ لا سکی۔ عورت کا کومل دل پگھل گیا۔ اس کے اندر دبی ہوئی ممتا مچل اٹھی۔ وہ بے چین ہو گئی اپنے دل کو سکون دینے کے لیے وہ راجیو کی طرف بڑھی اور پھر اس نے لپک کر اپنی پونم کی آخری نشانی کو اٹھا کر اپنے کلیجے سے لگا لیا۔

اس کی بے چینیوں کو قدرے سکون مل گیا۔ شعلوں کی طرح بھڑکتے ہوئے ارمان اچانک ٹھنڈے پڑ گئے۔ وہ اس بچے کے بدن کی گرمی کا احساس کر کے کچھ لمحوں کے لیے پونم کی سرد موت کو بھول گئی۔

انجنا کے دل میں جینے کی تمنا پھر سے جاگ اٹھی۔ صدمے پر صدمے برداشت کرتے ہوئے۔ اب اس کے آنسو خشک ہوئے جا رہے تھے۔

اس نے دل ہی دل میں اپنی سہیلی کی امانت کو پالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں انجو کا منحوس جامہ اتار کر پونم کا بھیس رچانے کی ہمت پیدا ہو گئی۔ ماضی کے رنج و غم کو بھول کر وہ آنے والے سنہری مستقبل کا قیاس کرنے لگی۔

اچانک اُسے کسی کارکن کی آواز نے چونکا دیا۔ جو اُس سے پوچھ رہا تھا۔

"اِن کا نام پونم ہی تھا نا؟"

"جی ـــ!"

"اِن سے آپ کا رشتہ؟"

"میری بڑی بہن تھی۔"

"اور یہ بچّہ......؟"

"اب میرے پاس رہے گا۔"

"آپ کو یہاں سے کہاں جانا ہے؟"

"نینی تال"

"کب؟"

"موقع ملتے ہی......"

"اِس موت کی اطلاع....."

"میں دے دوں گی ـــ اپنے لوگوں کو.....!"

"ان کے پتی کا نام.....؟"

"چندر شیکھر....."

"آپ کا پتہ......؟"

"معرفت ـــ لالہ جگن ناتھ.... سولہ۔ لیک ویو.... نینی تال...."

"تھینک یو۔"

وہ کارکن پوچھتا چھ کرکے چلا گیا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑی اُس لیک ویو کا تصور کرنے لگی، جسے اُس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُسے یہ سب کچھ کرنے کی ہمت اگر کوئی دلا رہی تھی تو وہ تھی پونم کی آخری تمنا۔ اور اس بچّے کا پیار جو اس کے سینے سے چپکا اس کے بلاؤز پر لگے بٹن سے کھیل رہا تھا۔

(۴)

بے موسم کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ بادلوں کے دھندلکے میں سے لگاتار ٹپ ٹپ بوندیں برس رہی تھیں اور کہرے نے شام کے شگفتہ چہرے پر اپنی سیاہ نقاب ڈالنا شروع کر دی تھی۔

انجنا اس بھیگے موسم میں ایک پرائیویٹ ٹیکسی میں بیٹھی پونم کے سسرال جا رہی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار نینی تال جا رہی تھی۔ نئی جگہ، نئے لوگ انجانا ماحول، اور ایک انوکھی زندگی۔ اِن سب کا تصور کرکے اس کا دل بیٹھ سا جاتا۔ خوف سے اس کی نسیں تن جاتیں۔ لیکن نہ جانے کون سی کشش تھی جو اِسے اس نئی منزل کی جانب لیے جا رہی تھی۔

کولتار کی بھیگی ہوئی سڑک پر جب کبھی ٹیکسی کا پہیہ کسی گڈھے پر اچھلتا تو وہ اپنی نیم محویت میں ہڑبڑا کر رہ جاتی اور راجیو کو مضبوطی سے اپنی باہوں میں لے لیتی۔ اُس کے خیالات اُن بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح ہی تھوڑی دیر کے لئے منتشر ہو جاتے۔

اُس نے راجیو کو سردی سے بچانے کے لئے اپنے گرم دوشالے سے اچھی طرح ڈھک لیا۔ اور ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا:

"ابھی کتنا راستہ اور ہے ــــ بھائی؟"

"بس سترہ اٹھارہ میل ہیں میم ـ صاحب!"

"اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے پہنچا دو گے نا ــــ"

"اللہ نے چاہا تو ضرور ــــ"

وُہ چُپ ہو گئی۔ اور پھر سے اپنے آپ میں کھو گئی۔ پونم تو اب اِس دُنیا میں نہ رہی تھی۔ لیکن اُس کی پرچھائیوں نے انجنا کو گھیر رکھا تھا۔ یہ بچہ! اس کا سامان۔ اس کے زیورات اور اس کی تمام نشانیاں ہسپتال کے کارکنوں نے بٹور کر اُس کے حوالے کر دی تھیں۔ اس کے بدلے میں اس نے پونم کے نام سے ایک قانونی گارنٹی بانڈ بھر کر ان کو دیا تھا۔ وہ جوں جوں اس راستے پر بڑھ رہی تھی اس کا ماضی اسے چھوڑ کر اس گھر میں گُم ہوتا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ انجو سے پونم بن چکی تھی۔

پونم کے بیگ میں اس کے پتی کی تصویر اور سسرال والوں کے کئی خطوط تھے۔ جن کو پڑھ کر وہ ان سب کے کرداروں کو سمجھنے لگ گئی تھی لیکن پھر بھی وقت اسے کسی نامعلوم خوف سے آگاہ کرتا چلا جا رہا تھا۔

دو چار میل سفر کے اور کم ہو گئے۔ اچانک راجیو کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ بھوک سے بلکنے لگا۔ کوشش کرنے پر بھی رانی کھیت میں انجو کو دودھ کا ڈبہ نہ ملا تھا۔ اب پھر وہ اس کی بھوک سے پریشان ہو گئی۔ رانی کھیت میں تو اس نے بچے کو برانڈی کے چند قطرے پلا کر سلا دیا تھا۔ لیکن اب اس کی چلاہٹ اسے پھر پریشان کرنے لگی۔ اس نے

اسے چپ کرانے کی بہتیری کوشش کی۔ لیکن وہ چُپ نہ ہوا۔

"شاید بھوک لگی ہے۔ میم صاحب اسے"۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا:

"جانتی ہوں لیکن کیا کروں؟"

"ماں کا دودھ بالکل نہیں پیتا کیا؟"

"نہیں ـــ" اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ سُن سی ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ اس "نہیں" کے پیچھے ایک گہرا راز تھا۔ اب وہ اس ڈرائیور سے گھبرانے لگی۔ کہیں وہ اس سے کوئی دوسرا اناپ شناپ سوال نہ کر بیٹھے۔ اس کی نگاہوں سے بچنے کے لئے وہ بچے کو چُپ کرانے کی ایک اور ناکام کوشش کرنے لگی۔

بارش ختم ہو چکی تھی۔ انجنا نے ٹیکسی روکنے کے لئے کہا۔ ڈرائیور نے فوراً بریک لگا دیئے اور ٹیکسی کو سڑک کے کنارے روک دیا۔ انجنا نے دبی زبان میں ڈرائیور سے التجا کی۔ کہ وہ اس کی مدد کرے۔ اور سامنے کے ٹی سٹال سے تھوڑا سا دودھ لا دے ـــ ڈرائیور ٹیکسی سے اتر کر ٹی سٹال کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو! ـــ"

انجنا کی باریک آواز سُن کر وہ رُک گیا۔ اس نے پلٹ کر انجنا کی طرف دیکھا۔ انجنا اپنے بیگ میں سے پیسے نکال کر اسے دینے لگی۔ جوں ہی وہ بیگ کھلا ٹیکسی ڈرائیور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے بیگ میں رکھے ہوئے نوٹوں کے ایک پلندے اور زیورات کی ایک جھلک دیکھی۔ اور پھر دس کا ایک نوٹ تھامے ٹی سٹال کی طرف چل پڑا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دودھ لے آیا۔ انجنا نے دودھ کے چند گھونٹ بچے کے منہ میں ڈالے، وہ واقعی بھوک سے بلک رہا تھا۔ دودھ پیتے ہی اسے جیسے چین آ گیا۔ اور پھر وہ انجنا کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بجلی بن کر اس کے دل پر کوندی۔ اسے پھر پونم کی یاد آ گئی۔ کتنی مشابہ تھی۔ اس بچے اور اس کی ماں کے ہونٹوں کی مسکراہٹ، یہ دیکھ کر وہ تڑپ اٹھی۔

کچھ دیر کے بعد ٹیکسی پھر اسی سڑک پر بھاگی جا رہی تھی۔ راجیو گاڑی کے ہچکولوں کی وجہ سے انجنا کی گود میں سو گیا تھا۔ اور وہ چپ چاپ بیٹھی باہر کی خنکی کا احساس کر رہی تھی۔ بھیگا موسم اور اس پر ڈھلتی ہوئی شام، انجنا کو کچھ دیر کے لیے غموں سے الگ لے گئے۔

ٹیکسی ڈرائیور اب سامنے کی کھلی سڑک کو نہ دیکھ رہا تھا بلکہ اس کی نگاہیں سامنے لگے آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ غور سے انجنا کے چہرے کا عکسی مطالعہ کر رہا تھا۔ ڈھلتی شام ۔۔۔ دور تک کسی بشر کا گذر نہیں۔ اکیلی عورت ۔۔۔ اور اس پر بیگ میں نقدی اور زیورات۔ ڈرائیور کے دماغ میں یہ بات بار بار چکر لگانے لگی۔ اور اس کی شرافت کو بار بار پراگندہ کرنے لگی۔ وہ محنت کے ٹھیکروں پر اس دولت کو ترجیح دینے لگا۔ انجنا کے بیگ میں رکھے ہوئے زیورات اس کی نیت کو داغنے لگے۔

اچانک اس نے ٹیکسی کو بڑی سڑک سے اتار کر ایک کچی سڑک پر ڈال دیا۔ یہ راستہ جنگل کے کسی راستے سے جا کر ملتا تھا۔ سڑک بدلتے ہی گاڑی اچھلی۔ اور انجنا نے حیرت زدہ نظروں سے اس راستے کی طرف دیکھا جو لحظہ بہ لحظہ گھنے جنگل میں بدلتا جا رہا تھا۔ یہ منظر پہلے تو اسے

انوکھا معلوم ہوا، پھر خوف پیدا کرنے لگا اور اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ اُس نے نہ جانتے ہوئے بھی ایسا محسوس کیا۔ جیسے وہ کسی غلط راستے پر لے جائی جا رہی ہے، یا کسی نے یکایک اس کی زندگی کے راستوں کو بدل دیا ہے۔

"ڈرائیور..... یہ کہاں جا رہے ہو؟" اس نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"نینی تال، میم صاحب!"

"وہاں تو وہ کھلی سڑک جاتی ہے"!

"یہ راستہ بھی وہیں جا نکلتا ہے۔ چھوٹا ہے۔ جلدی پہنچا دے گا۔"

"لیکن......"

"گھبرایئے نہیں ــــ میم صاحب! کچا راستہ ہے۔ لیکن فاصلہ آدھا رہ جائے گا۔ موسم اور شام کا وقت دیکھئے ــــ اندھیرا ہو جانے سے پہلے ہی ہم منزل پر پہونچ جائیں گے۔"

ڈرائیور نے یوں تو اُسے مطمئن کر دیا۔ لیکن انجنا کے دل کا خوف کم نہ ہوا وہ راستے کے گرد و نواح میں پھیلا گھنا جنگل دیکھ کر ڈرنے لگی۔ اُڑتے ہوئے بادل جب پیڑوں کو چھوتے ہوئے نکل جاتے تو ماحول کو زیادہ بھیانک بنا جاتے۔ جب اس کا اندیشہ حد سے بڑھنے لگا تو وہ چلّا اُٹھی۔

"ڈرائیور ــــ گاڑی روکو ــــ"

ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی۔ انجنا کو اس کے ارادوں پر شبہ گزرا اور اس کی نیت میں کھوٹ دکھائی دیا۔ اس نے ڈرائیور کا شانہ پکڑا اور جھنجھوڑ کر اسے گاڑی

روکنے کا حکم دیا۔ وہ اس پر بھی خاموش رہا اور اس نے ٹیکسی کی رفتار اور بڑھا دی۔

انجنا نے تب اس کی صورت کو سامنے لگے آئینے میں دیکھا۔ اس کے بھدّے اور کھلے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ آنکھوں کی پتلیوں میں خون اتر آیا تھا۔ ایک انسان شیطان کا روپ دھارن کر رہا تھا۔ انجنا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ راجیو کو سینے سے لگایا اور دونوں طرف کے گھنے پھیلے ہوئے جنگل کو دیکھتے ہوئے وہ پھر چلائی ——

"ڈرائیور گاڑی روک لو — میں نے کہا روک لو — ورنہ میں دروازہ کھول کر کود جاؤں گی"

لیکن ڈرائیور کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ جانتا تھا وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ بچے کو لے کر اس گاڑی سے کبھی نہیں کود سکتی۔ اس لئے جب گاڑی کو نہ روکا تو انجنا نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ لیکن اس کی چلاہٹ گھنے پیڑوں میں دبک کر رہ گئی۔

انجنا کو کسی نئے خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے اپنی ساڑھی کا آنچل ٹیکسی کی کھڑکی سے باہر نکال دیا اور زور زور سے چلانے لگی۔ وہ بےچاری بے بس اور مجبور اس سنسان کے جنگل سے نکل جانا چاہتی تھی۔ لیکن آبادی سے میلوں دور کوئی ہوتا تو اس کی آہ و زاری کو سن کر اس کی مدد کو آتا۔

یکایک وہ چونکنی ہو گئی۔ سامنے سے ایک جیپ گاڑی چلی آ رہی تھی۔ اس نے فوراً ہاتھ باہر نکال کر آنچل ہوا میں لہرانا شروع کر دیا۔

اور چلا چلا کر اپنی آواز کو اس تک پہنچانے کی کوشش کرنے لگی۔ ڈرائیور نے جب اس جیپ گاڑی کو دیکھا، تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی اور پھرتی سے کنارا کاٹ کر جیپ کے پاس سے نکل گیا۔

جیپ گاڑی جو ٹیکسی کی رفتار دیکھ کر پہلے ہی کنارے پر رک گئی تھی۔ انجنا کی چلاہٹ کو سن کر آگے نہ بڑھی۔ جیپ گاڑی میں بیٹھے نوجوان نے پھر اس آواز کو سنا جو دور تک گونجتی چلی گئی تھی۔ ساڑھی کا آنچل، جوان لڑکی کی آواز جنگل کا سنسان راستہ ان سب چیزوں نے مل کر اس نوجوان کے شبہ کو یقین میں بدل دیا۔

نوجوان نے یہ سب دیکھا، یہ سب سنا اور تیزی سے جیپ گاڑی کا رخ پلٹ کر اس ٹیکسی کا پیچھا کرنے لگا تھوڑی دیر میں وہ ٹیکسی بہت دور نکل گئی تھی۔ لیکن نوجوان نے جیپ گاڑی کو پوری اسپیڈ پر ڈالدیا اور پھر منٹوں میں اسے جا گھیرا۔

ڈرائیور نے تیزی سے ٹیکسی کو جنگل کی ایک دوسری سڑک پر ڈال دیا۔ لیکن چند قدم کے فاصلے پر ہی ٹیکسی گڑھے میں دھنس گئی۔ ڈرائیور مجبور ہو گیا وہ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنی سیٹ سے باہر اچھلا اور اس نے انجنا کے ہاتھ سے بیگ چھین لیا۔ اور اس سے پہلے کہ نوجوان جیپ گاڑی سے باہر آتا۔ ٹیکسی ڈرائیور دوڑتا ہوا گھنے جنگل میں گھس گیا۔ اس نوجوان نے جیب سے پستول نکالا اور بھاگتے ہوئے ڈرائیور کی ٹانگ پر گولی چلادی۔ گولی لگتے ہی اس کی چیخ نکلی۔ ہاتھ سے بیگ چھوٹ کر زمین پر گر پڑا، لیکن وہ اسی زخمی حالت میں بھاگتا چلا گیا

اور دیکھتے ہی دیکھتے کہرے سے ڈھکے ہوئے جنگل میں غائب ہو گیا۔
نوجوان نے کافی دور تک اس کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا پھر تنہا لڑکی کا خیال آتے ہی وہ رک گیا اور واپس لوٹ آیا۔ راستے میں اس نے زمین پر گرا ہوا وہ بیگ اٹھا لیا۔ اور آتے ہی اسے انجنا کو پیش کر دیا۔

شاید یہ آپ کا ہے —" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔
انجنا نے کانپتے ہاتھوں سے اس بیگ کو پکڑ لیا اور اس کے تھرتھراتے ہونٹوں سے آواز پیدا ہوئی " جی ہاں شکریہ!"
نوجوان نے دیکھا کہ وہ اس سرد شام میں بھی پسینہ سے شرابور ہو چکی تھی۔ گھبراہٹ سے اس کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا۔ فضا کی خنکی سے اس کے ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔
"کہاں جا رہی تھیں آپ؟..."
"نینی تال —"
"یہ سڑک تو جنگل کے راستے کاٹھ گودام کو جاتی ہے"
یہ سن کر ایک ہچکی سی انجنا کی زبان پر آ کر رک گئی۔ اور وہ بچے کو گود میں اٹھا کر مایوس کن نظروں سے اس نوجوان کی طرف دیکھنے لگی۔
"نینی تال کتنی دور ہے اب —؟"
"یہاں سے دس میل ہے۔ لیکن آپ جا نہ سکیں گی"
"کیوں؟" انجنا نے مضطرب ہو کر پوچھا۔
"بارش زیادہ ہونے سے پہاڑی نالے بہہ نکلتے ہیں تو راستہ

گھنٹوں تک بند ہو جاتا ہے۔"

یہ سن کر اس کے منہ سے ہلکی سی 'اُف' نکل گئی۔ وہ ایک ایسے راہی کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ جو اپنا راستہ بھول گیا ہو۔ اور اسے اپنی منزل کا کوئی پتہ نہ ہو۔ نوجوان نے اس کی گھبراہٹ کو دیکھتے ہوئے کہا:۔

"آپ چاہیں تو چند گھنٹے میرے ہاں رک سکتی ہیں؟"

انجنا نے تشویشناک نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو نوجوان ہڑبڑا کر بولا۔

"جی، میرے ہاں سے میرا مطلب ہے میرے گھر۔ لگ بھگ دو میل ہوگا یہاں سے۔"

"آپ .....؟"

"میں اس حلقے کا فارسٹ آفیسر ہوں اور میرا نام کمل ہے۔"

اس کا نام سنتے ہی انجنا نے اپنی نگاہیں اوپر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ کمل اس کی خاموشی اور دماغی الجھن کا احساس کرتے ہوئے پھر بولا: "گھبرائیے نہیں۔ آپ کو نینی تال تک خیریت سے پہنچا دیا جائے گا۔ سب انتظام ہو جائے گا۔ آئیے۔ کہیں بچے کو سردی نہ لگ جائے۔"

انجنا انکار نہ کر سکی۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ کمل نے جوں ہی ٹیکسی کا دروازہ کھولا۔ انجنا بچے کو حفاظت سے تھامے نیچے اُتر آئی۔ اور کمل کا اشارہ پا کر جیپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ کمل نے ٹیکسی سے اس کا سامان نکال لیا اور اٹھا کر جیپ گاڑی میں رکھ دیا۔

جوں ہی کمل سٹیرنگ پر بیٹھا انجنا نے پوچھا۔

"اس ایجنسی کا کیا ہو گا؟"

"میں نے گاڑی کی چابی لے لی ہے ــــ جاتے ہی پولیس چوکی میں اطلاع کر دوں گا۔"

"پولیس .....؟" انجنا کانپ اٹھی۔

"آپ تو ڈر گئیں ــــ!"

"نہیں تو ...... میرا مطلب ہے بیکار آپ کو تکلیف ہو گی۔"

"تکلیف کیسی ــــ؟ اطلاع دینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ میری گولی سے وہ زخمی ہو گیا ہے۔"

وہ چپ ہو گئی۔ اس نے زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ وقت کے ہر لمحے سے ڈر رہی تھی۔ نہ جانے اس کے نصیب میں اور کیا لکھا ہوا۔ اس کی زندگی سے شاید کوئی اور کھیل کھیلنے جا رہی تھی۔

جب گاڑی روانہ ہو گئی اور وہ چپ چاپ پھر سے اُن گھنے پیڑوں کی طرف دیکھنے لگی جن سے دُھند چھٹ کر بادلوں میں سمانے جا رہی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُس کے خوف زدہ دل کی دھڑکن آہستہ آہستہ دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔

(۵)

"معلوم ہوتا ہے آپ کو کہیں دیکھا ہے ــــ میں نے ....."

کمل نے انگیٹھی میں ایندھن ڈالتے ہوئے کہا اور پھر پلٹ کر انجنا کی طرف دیکھنے لگا۔ جو آرام کرسی پر بیٹھی آگ تاپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ انجنا اس استفسار سے سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھی اور ٹھٹھرتی

آواز میں بولی۔

"جی نہیں — میں نے تو آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا نام بتایا ہے آپ نے اپنا؟"

"پونم.....!" انجنا نے آہستگی سے جواب دیا۔

"کہاں رہتی ہیں آپ، نینی تال میں؟"

"میں پہلی بار جا رہی ہوں — نینی تال۔"

"اور اسی لیے آپ نے اکیلے ہی ٹیکسی سے یہ راستہ طے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یاد رکھیے یہ جنگل بہت ہی خطرناک ہیں۔"

"وہ میری غلطی تھی — یہ تو بھگوان نے میری پکار سن لی جو آپ مدد کو آ پہنچے۔ اگر آپ نہ آتے...... تو......"

"تو آپ اپنا سب کچھ کھو بیٹھتیں — یہ روپیہ — یہ زیور — اور اپنے آپ کو بھی —"

کمل یہ کہتے کہتے پل بھر کے لیے خاموش ہو گیا اور انجنا کی موٹی موٹی آنکھوں میں جھانکنے لگا، جن میں انگیٹھی کے انگاروں کا عکس لرزاں تھا۔ کمل نے بات پوری کرتے ہوئے کہا:

"یہاں کے لوگ صرف چار پیسوں کے لالچ میں کسی کی زندگی لینے سے بھی نہیں چوکتے۔"

"آپ یہاں کب سے ہیں؟" انجنا نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے پوچھا:۔

"چھ مہینے سے۔ اپنی نوکری بھی بس اتنی ہی پرانی ہے۔"

انجنا پھر خاموش ہو گئی — باہر زوروں کا طوفان تھا۔ بارش تھی

کہ لگاتار برسے جا رہی تھی۔" ہر لحظہ اس کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ انجنا کو رات مجبوراً کمل کے ہاں رکنا پڑا جس نے سویرا ہوتے ہی اُسے منزل پر پہنچانے کا وچن دیدیا تھا۔ راجیو اس کی خوابگاہ میں لحاف کی گرمی میں چپ چاپ سو رہا تھا۔

"نینی تال میں کون رہتا ہے آپ کا؟" کمل نے کچھ دیر کے بعد پھر مہر سکوت توڑا۔ انجنا ہچکچا گئی۔ اپنے تذبذب پر قابو پاتے ہوئے بولی:

"سسرال ـــ"

"کون لوگ ہیں وہ؟"

"وہاں کے ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر لالہ جگن ناتھ"

"کیا لالہ جگن ناتھ، لیک ویو والے؟"

"جی ـــ آپ نے ان کا نام سن رکھا ہے کیا؟"

"نام ہی نہیں سن رکھا، بلکہ میں انھیں اچھی طرح سے جانتا ہوں لیکن آپ، پونم......؟"

"ان کی بہو"

"شیکھر کی بیوی ـــ" وہ مضطرب لہجہ میں بولا، اور اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ انجنا بھی پونم کے پتی کا نام سن کر چونک گئی۔ لیکن اس نے اپنی گھبراہٹ کو ضبط کر لیا۔ اور ڈبڈبائی سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید کمل کو اس کی بات پر ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں.... میں.... میں ہی شیکھر کی بیوی ہوں"

"لیکن.... لیکن وہ تو گاڑی کے حادثے ـــ"

"زندہ بچ نکلی — کتنی انوکھی بات ہے۔ ہے نا"

"یہ تو خوشی کی بات ہے — یہ جان کر وہ لوگ کتنا خوش ہوں گے؟ آپ نے انھیں خبر نہیں کی کیا؟"

"نہیں — سوچا خواہ مخواہ اِس عمر میں پریشان ہوں گے — خود ہی پہنچ جاؤں گی۔"

"اور ایسا لگ رہا ہے۔ کل کا سویرا ان کی اندھیری زندگی میں اجالا بھر دے گا۔"

انجنا نے غور سے کمل کے چہرے کا جائزہ لیا۔ یہ خبر سنتے ہی اُس کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔ سنجیدگی کھل گئی تھی۔ اس نے دو چار بار نگاہ پھیر کر انجنا کی طرف دیکھا۔ جیسے اُسے ابھی تک یونم کی موجودگی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ انجنا نے اپنا شبہ دور کرنے کے لیے کمل سے پوچھا۔

"آپ میرے سسرال والوں کو کیسے جانتے ہیں؟"

"وہ تو میرا اپنا گھر ہے۔ یعنی میرے ڈیڈی اور لالہ جی منھ بولے بھائی ہیں۔ مجھے یہ نوکری بھی انھیں کی سفارش اور مدد سے ملی ہے۔"

"میں نے تو انہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"آپ دیکھ بھی کیسے سکتی تھیں۔ شادی سے پہلے ہی تو انھوں نے بیٹے کو گھر سے باہر نکال دیا تھا۔ تین برس تک انھوں نے اُس کی صورت نہیں دیکھی۔"

"میری وجہ سے —"

"میں جانتا ہوں — تب میں جرمنی میں پڑھ رہا تھا۔ ورنہ ایسا کبھی نہ ہونے دیتا۔"

"کیا میرا بیاہ؟"

"نہیں ــــ بلکہ شیکھر کا بن باس ــ میں انھیں سمجھا بجھا کر تم لوگوں کا ملاپ کرا دیتا۔ وہ مزاج کے بڑے سخت ہیں ــــ لیکن دل کے دھنی ہیں۔"

"لیکن اب ــــ اب کیا ہوگا؟ ان کا بیٹا تو ہم سب کو اندھیرے میں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

"جوان بیٹے کی موت نے اُن کے سوچنے کا ڈھنگ بدل دیا ہے وہ سنگدل آدمی آج موم ہو چکا ہے ــ ماں تو گویا دیوانی ہو گئی ہے۔"

"مجھے تو ان کے تصور سے بھی ڈر لگتا ہے۔ وہ لوگ سوچتے ہوں گے میں ہی ان کے بیٹے کو نگل گئی۔ ڈائن بن کر کھا گئی۔"

"نہیں ــ بلکہ وہ تو اپنے آپ کو کوس رہے ہیں۔ سوچ رہے ہیں کہ لکشمی جیسی بہو کو ٹھکرانے کا صلہ ملا ہے انہیں۔ بھگوان نے سزا دی ہے اُنہیں۔"

انجنا نے نگاہیں اٹھا کر کمل کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ یہ سب کچھ اس یقین، ذمہ داری اور سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ جیسے وہ اُس گھرانے کا ایک رکن ہو اور ان کے ہر دکھ درد اور الجھن کو سمجھتا ہو۔

وہ پھر اپنے آپ بول اٹھا:

"مجھے پورا وشواس ہے ــ آپ اُن سے ملنے کے بعد اپنے سوچنے کا انداز بدل لیں گی۔ جن لوگوں نے آپ کو کل ٹھکرایا تھا ــــ آج آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ آج اگر آپ ان کی امانت کو لیے، یہاں تک نہ آتیں تو وہ زندہ درگور ہو جاتے۔"

یکا یک بادلوں میں بجلی کوندی اور لرزہ خیز بھیانک کڑک سے

ساری فضا کانپ گئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے بادل پھٹ کر کسی پہاڑ کی چوٹی کو نگل گیا ہو۔ وہ ڈر گئی۔ تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی اور پھر اس خاموشی کو فوراً راجیو کی آواز نے۔

بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے اس کی نیند کھل گئی تھی اس کے رونے کی آواز سن کر انجنا اس خوابگاہ کی جانب بھاگی۔ جہاں وہ سو رہا تھا۔ وہ تیزی سے خواب گاہ میں داخل ہوئی اور راجیو کو اٹھا کر گود میں چھپا لیا۔ انجنا کی گود ملتے ہی راجیو نے رونا کم کر دیا۔ قریب ہی اس کی دودھ کی بوتل رکھی تھی۔ جس میں ابھی تک کچھ گھونٹ دودھ باقی تھا۔ انجنا نے وہ بوتل اٹھا کر اس کے منھ سے لگا دی۔ وہ چسکیاں بھرنے لگا اور چپ ہو گیا۔

انجنا نے محسوس کیا کہ اس خاموشی میں خوف کی وجہ سے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی ہے۔ بادلوں کی گرج ۔۔۔ بارش اور طوفان کا زور سن کر اس کے بدن میں کچھ عجیب سی جھنجھناہٹ ہو رہی تھی۔ اسے یہ سوچ کر جتنی تسلی ہو رہی تھی کہ کمل کے آجانے سے اس کی آبرو بچ گئی ۔۔۔ اتنی ہی اس کی گھبراہٹ اس بات سے بڑھ گئی کہ کمل اس کے سسرال والوں کو اور پونم کے شوہر کو اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن وہ خود اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی تھی کہ شیکھر کی موت ڈلہوزی کی گھاٹیوں میں ہوئی تھی۔ ایک جیپ کے حادثہ سے۔

وہ انہیں خیالوں میں الجھی بیٹھی رہی۔ راجیو دودھ کی چند چسکیاں بھر کر پھر سو گیا ۔۔۔ اچانک ایک آہٹ نے انجنا کو چونکا دیا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا، سامنے اس گھر کا نوکر کھڑا تھا۔

"کھانا تیار ہے بی بی جی"

"کمل بابو کہاں ہیں؟"

"کھانے کی میز پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں"

نوکر چلا گیا۔ لیکن وہ کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکی۔ جن سوالات سے بچنے کے لیے وہ کمرے میں آچھپی تھی وہ اس کے سامنے پھر سے آکھڑے ہوئے تھے۔ لیکن وہ کھانے سے انکار کیسے کر سکتی تھی۔ اس نے بچے کو احتیاط سے بستر پر لٹا دیا اور اسے لحاف اُوڑھا کر باہر چلی آئی۔

نوکر نے ٹھیک کہا تھا۔ کمل کھانے کی میز پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ سر کو دوپٹے سے ڈھانپے میز کے پاس پہنچ گئی۔ کمل نے بڑھ کر اس کے لیے کرسی پیش کر دی۔ اس کے ہونٹوں سے دھیمی سی آواز نکلی، شکریہ۔ اور وہ چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر میں کمل کے نوکر نے میز پر کھانا چن دیا۔ کمل ڈونگا اٹھا کر جیسے ہی انجنا کی پلیٹ میں سبزی ڈالنے لگا، اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اس برتن کو اپنے ہاتھ میں لے کر دونوں پلیٹوں میں کھانا ڈالنے لگی۔

"آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں کیا؟"

"نہیں تو گھر ہے۔ نوکر ہے۔ چاروں طرف بھانت بھانت کے جانور ہیں......"

"میرا مطلب ہے کیا ابھی تک آپ نے گھر نہیں بسایا۔ شادی نہیں کی؟"

شادی کا نام سنتے ہی کمل کے چہرے کی سُرخی زردی میں بدل گئی۔

وہ خاموش ہو گیا اور چپ چاپ کھانا کھانے لگا۔ انجنا کو لگا جیسے اُس نے یہ بات پوچھ کر اس کی توہین کر دی ہو۔ وہ اپنی بات پر پچھتانے لگی۔ اور وہ بھی چپ چاپ آہستہ آہستہ کھانا کھانے لگی۔

"آپ میری بات سے بُرا تو نہیں مان گئے ——؟" کچھ دیر بعد انجنا نے بڑے انکسار کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں تو —— دراصل شادی جیسی چیز سے مجھے نفرت ہے۔ ایسے بندھنوں میں بندھ کر خواہ مخواہ انسان اپنی آزادی کھو بیٹھتا ہے۔ اب آپ ہی سوچیے نا! شادی کر کے آپ نے کونسا سکھ پا لیا۔ بھری جوانی میں بیوہ ہو گئیں —— زندگی بھر ایک بچے کی ذمہ داری۔ دُنیا بھر کے طعنے —— اور —— اور......"

"آپ ٹھہرے مرد —— آپ ایسا سوچ سکتے ہیں۔ لیکن عورت کا جیون ایسے ہی بندھنوں کا مجموعہ ہے —— پیار۔ ممتا —— اور فرض۔ یہ نہ ہوں تو عورت کا جیون کھوکھلا ہو جاتا ہے۔"

کمل نے اس کی بات سنی اور سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ان میں ایک انوکھی چمک پنہاں تھی۔ جس نے اس کی کہی بات کو بے معنی کر دیا تھا اور وہ ایک ہارے ہوئے کھلاڑی کی طرح اس سے زیادہ بحث نہ کر سکا۔

اِدھر انجنا نے یہ بات تو کہہ دی تھی لیکن اس کے دل کے اندر چھپا ہوا جھوٹ پھر سے اُسے ڈرانے لگا تھا۔ وہ چپ چاپ کھانا کھانے میں لگی رہی کبھی کبھی وہ نظریں اٹھا کر اس کھڑکی کی طرف دیکھ لیتی، جس پر برسات کے گرتے چھینٹے ہر دم بڑھتے جا رہے تھے۔

وہ لوگ کھانا کھا چکے۔ رات کافی گزر گئی۔ اب سونے کا وقت ہوا۔ کمل نے اپنی خواب گاہ میں انجنا کا بستر بچھوا دیا اور خود اپنے اسٹڈی روم میں جا سویا — کمل کی چند گھنٹوں کی ملاقات سے وہ بہت متاثر ہوئی تھی اور اپنے آپ کو اس کے قریب سمجھنے لگی تھی۔ اس نئی جگہ پر اُسے نیند تو نہیں آ رہی تھی۔ لیکن دلی سکون سا ضرور مل گیا تھا۔ ایک مدت کے بعد وہ اپنے دل و دماغ میں ایک چین سا محسوس کر رہی تھی۔

یہ چھوٹا سا خوبصورت گھر۔ ہر شئے قرینے سے سجی ہوئی۔ اسے دیکھ کر انجنا خیالوں کے ایک عالم میں کھو گئی اور اسے یاد آیا کہ اس کے سپنوں میں بھی ایک ایسی دُنیا نے جنم لیا تھا جسے عورت کا سورگ کہنا چاہیئے۔ لیکن وہ دنیا معرض حقیقت میں نہ آئی۔ اس کی زندگی میں ایک موقع ایسا ضرور آیا تھا ایسی دنیا کے وجود میں آنے کا۔ مگر وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس دنیا کا معمار اس کا دُولہا۔ اُسے ملنے سے پہلے ہی بچھڑ گیا تھا۔ اس کے بعد انجنا کو اس شیطان کا خیال آیا جس نے پل بھر میں اس کے برسوں کے وشواس کو بھید دیا تھا۔ بنواری نے اس کی زندگی کے رُخ کو ایسا بدل دیا تھا کہ وہ کہیں کی نہ رہی۔ اس تلخ واقعہ کی یاد سے اس کے دل کو دھچکا سا لگا۔ اس کے دل کا درد آنسو کی صورت میں اس کی پلکوں پر آ کر کھڑ اُنے لگا۔

آج وہ جیون کے ساگر پر ہچکولے کھاتی ہوئی ایک ایسی کشتی تھی، جس کی اپنی کوئی منزل نہ تھی۔ بلکہ اس کی تقدیر ان لہروں کے ریلوں میں چھپی ہوئی تھی۔ جو اُسے دھکّے دے کر کسی انجانی منزل کی طرف لے جا رہے تھے۔

رات بیت گئی۔

صبح سورج نکلنے سے پہلے انجنا نینی تال جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی نوکر بچے کے لیے دودھ لے آیا تھا۔ اور اب ناشتہ بنا رہا تھا۔ انجنا نے بچے کو دودھ پلا کر باہر برآمدے میں کھیلنے کے لیے بٹھا دیا اور خود اس بنگلے کے گرد و نواح کا جائزہ لینے لگی۔ جو رات کے بھیانک اندھیروں سے چھٹکارا پاکر اجلا ہو چکا تھا۔

برسات کے بعد مطلع صاف ہو چکا تھا۔ صبح کا سنہری نور عرش تا فرش پھیل گیا تھا اور اس سے بھیگی ہریالی نہایت خوبصورت اور جاذب نظر منظر پیش کر رہی تھی۔

چڑیوں کی چہچہاہٹ نے انجنا کے دل کی بے چین ترنگوں میں بھی امیدوں کی لے بھر دی، اور کل تک جو دنیا اسے سیاہ اور بھیانک لگ رہی تھی۔ آج نہایت دلکش نظر آنے لگی۔

اس کی نگاہیں گھومتی ہوئی اچانک اس گیراج کے پاس جا رکیں جہاں کمل اپنی جیپ گاڑی کے ہڈ کو کھولے گاڑی کا تیل اور پانی چیک کر رہا تھا۔ وہ اسے بت بنی دیکھتی رہی۔ کمل نے ہڈ بند کیا اور نگاہیں اٹھائیں دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کمل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے جلدی سے جیپ گاڑی کا کام ختم کیا اور اپنے ہاتھ پونچھتا ہوا انجنا کی جانب بڑھا۔

"ہیلو — گڈ مارننگ!"

"نمستے......" انجنا نے جھجکتے ہوئے اس کا سواگت کیا۔

"کہیے رات کیسی کٹی —؟"

"جی!" اُس نے چونک کر کہا۔

"میرا مطلب تھا نئی جگہ۔ نیا ماحول، اور نئے لوگ — آپ سو بھی سکیں گیا —؟"

"کچھ وقت سوتے ہیں اور کچھ جاگتے ہیں کٹ گیا۔"

"شاید آندھی طوفان اور برسات کے شور نے سونے نہیں دیا ہو گا۔"

اتنے میں گھر کا نوکر رامو ناشتہ لیے حاضر ہو گیا۔ انجنا نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑا اور کمل کے لیے چائے بنانے لگی۔ وہ قریب کی کرسی کھینچ کر ناشتہ کرنے بیٹھ گیا۔ انجنا نے ناشتہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا جی سویرے سویرے کچھ کھانے کو نہ چاہ رہا تھا۔ کمل نے مجبور کیا تو اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"صرف ایک پیالی چائے پیوں گی آپ کے ساتھ۔"

انجنا نے چائے کا پانی اپنے پیالے میں اُنڈیلا، اور اس میں چینی دودھ ملانے لگی۔

"ایک رات ساتھ کیا رہے لگتا ہے برسوں پرانی ملاقات ہے۔" چائے کی چسکی بھرتے ہوئے کمل نے کہا انجنا کے ہونٹ پیالی کے کنارے سے جیسے چپک کر رہ گئے — اس نے کنکھیوں سے کمل کی جانب دیکھا جو تیزی سے اپنا ناشتہ کھا رہا تھا۔

"سوچتی ہوں، آپ کا یہ احسان کیسے اتاروں گی —؟"

"ایک ڈھنگ ہے" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا —؟" وہ چونک کر بولی۔

"جس گھر میں آپ جا رہی ہیں وہ شیکھر کی موت کے بعد ویران ہو گیا ہے اسے پھر سے آباد کر دینا ۔۔ بھلے ہی اپنی خوشیوں کو کچلنا پڑے۔ لیکن اس گھر کی کھوئی ہوئی بہار کو لوٹا دینا۔ شاید شیکھر کے ماں باپ اسی آرزو میں چند روز اور جی لیں گے۔"

اور انجنا نے دیکھا کہ یہ سب کہتے ہوئے کمل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ جذبات کی رو میں بہہ گیا۔ انجنا نے ایک طرح سے اس بات کا وعدہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو ان سے اتنی ہمدردی ہے ۔۔۔ یہ مجھے معلوم نہ تھا۔" کمل نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے انجنا کی طرف دیکھا۔ وہ ذرا رک کر پھر بولی :۔

" ان کی سیوا تو میرا دھرم ہے ۔۔۔ میری ارادھنا ہے ۔ میں کوشش کروں گی کہ ان کا دل کبھی دکھی نہ ہو ۔۔ اس گھر کی عزت اب میری عزت ہے۔"

انجنا اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔ اور جلدی جلدی چائے پی کر اندر چلی گئی۔ کمل چپ چاپ بیٹھا ناشتہ کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس نے یہ سب کچھ انجنا سے کہہ کر اچھا کیا یا برا۔ لیکن وہ کسی نتیجہ پہ نہ پہنچ سکا۔

انجنا جب کمرے میں پہنچی، اس وقت گھر کا نوکر راجیو کو اٹھائے باغیچہ میں کھڑا تھا۔ اور اسے پالتو کبوتر دکھا رہا تھا۔ وہ بھی کھڑکی کا سہارا لے کر چند لمحوں تک انھیں دیکھنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ اور انہیں آزادی کا سانس لیتے ہوئے

دیکھ کر وہ رشک کرنے لگی۔

وہاں سے ہٹ کر اس نے سامنے کے بک شیلف پر ترتیب سے لگی کتابوں کا جائزہ لیا۔ وہ بک شیلف کے قریب چلی گئی اور آہستہ سے دو چار کتابوں کو نکال کر دیکھنے لگی۔ زیادہ تر کتابیں شاعری کی تھیں۔ اور ہر کتاب پر کمل کا نام لکھا ہوا تھا۔ خرید کا سال اور تاریخ بھی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کمل کو مطالعہ کا کافی پرانا شوق تھا۔

دائیں طرف اچانک کسی سائے کو دیکھ کر وہ جھینپ گئی۔ کمل کھڑا چپ چاپ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انجنا کے ہاتھ میں شاعری کی ایک کتاب دیکھ کر وہ بولا:۔

"آپ بھی شاعری کی دلدادہ ہیں کیا؟"

"جی — ! آپ کا شوق بھی کافی پرانا لگتا ہے"

"کالج کے دنوں میں تھا۔ اب نہیں رہا"

"کیوں؟"

"زندگی کی تلخیوں کا تجربہ جو کر لیا ہے۔ اس کے بعد یہ سب نازک خیالیاں ایک خواب سی معلوم ہونے لگی ہیں"

"یہ آپ کا وہم ہے — زندگی کے تلخ تجربے ہی تو اس میں حقیقت کا رنگ بھرتے ہیں"

"اس حقیقت میں درد اور جلن کے سوا کچھ نہیں"

"جس دل میں درد اور جیون میں جلن نہ ہو — وہ کیا ہوئے؟"

کمل نے نگاہیں اٹھا کر انجنا کی طرف دیکھا، وہ جھینپ گئی۔ اس کی یہ گھبراہٹ دیکھ کر کمل مسکرا دیا۔ انجنا نے فوراً سنبھل کر

دھیمی آواز میں کہا۔

"آئی ایم۔ ساری ۔!"

اس سے پہلے کہ وہ انجنا سے اس سلسلے میں بحث کر سکتا، وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اپنا سامان وغیرہ ٹھیک کرنے لگی۔ کمل نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور اُس کھڑکی کے قریب چلا گیا جہاں سے راجیو نظر آرہا تھا اور جو ابھی تک ان کبوتروں کا کھیل دیکھ رہا تھا۔

(۶)

کمل نے جوں ہی جیب گاڑی کو بیک ویو کے سامنے روکا۔ انجنا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے پھاٹک کے باہر لگی ہوئی تختی کو پڑھا۔ جس پر پونم کے سسر کا نام موٹے الفاظ میں لکھا ہوا تھا کمل نے پہلے اس دروازے کی جانب پھر انجنا کی طرف دیکھا وہ اور بھی گھبرا گئی تھی۔ کمل اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا:

"یہی گھر ہے لالہ جگن ناتھ جی کا۔۔۔ کرسی تو چھن گئی ان کی لیکن لوگ اب تک ان کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں۔"

انجنا نے اثبات کے طور پر سر ہلایا اور پھر سے اس شاندار آہنی پھاٹک کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی بناوٹ اور مضبوطی دیکھ کر اُسے مالک کے کردار کا کچھ کچھ اندازہ ہو گیا۔

کمل نے اُسے وہاں رُکنے کو کہا اور خود پھاٹک کی طرف بڑھا۔ وہ لالہ جی کو اُن کی زندگی کا سب سے انوکھا تحفہ دینا چاہتا تھا۔ اس نے دربان کو پھاٹک کھولنے کا اشارہ ہی کیا تھا کہ اندر سے پالتو کتوں کے بھونکنے کی

آوازیں آئیں۔ ان آوازوں نے انجنا کو خوف زدہ کر دیا۔ لیکن وہ سنبھل گئی نئی جگہ نئے لوگ۔ نہ جانے وہ لوگ اُسے بہو ماننے کو بھی تیار ہوں گے یا نہیں!

پھاٹک کھلا۔ دو کتے اچھلتے ہوئے آگے بڑھے۔ اور پیار سے کمل کی ٹانگوں سے لپٹنے لگے۔ اس نے بھی دونوں کو پیار کیا۔ اور وہ کتے لوٹ گئے ـــــ کمل جیپ گاڑی میں لوٹ آیا اور اسے ڈرائیو کر کے اندر لے گیا۔

جیپ گاڑی پارچ میں جا رکی سامنے ہی برآمدے میں گھر کے مالک لالہ جگن ناتھ آرام کرسی پر بیٹھے دھوپ تاپنے کے ساتھ ساتھ اخبار پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے جب اخبار سے نگاہ ہٹا کر جیپ گاڑی کی طرف دیکھا تو انجنا نے بھی ان کے چہرے کا جائزہ لے لیا۔

"یہی ہیں شیکھر کے بابوجی۔ اس گھر کے مالک!" کمل نے جیپ سے اترتے ہوئے کہا۔

انجنا نے جھٹ سے اپنے سر کو پلّو سے ڈھک لیا اور راجیو کو سینے سے چپکا کر اپنے دل کی گھبراہٹ کم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

لالہ جگن ناتھ نے جیسے ہی کمل کو پہچانا، ان کا سنجیدہ چہرہ چمک اٹھا اور وہ ان لوگوں کا سواگت کرتے ہوئے بولے:

"آؤ ـ آؤ، بیٹے! آج سویرے سویرے یہ سورج اِدھر سے کیسے نکلا۔ کیا ڈیوٹی پر جا رہے ہو؟"

"جی ہاں! ڈیوٹی ہی ایسی تھی کہ صبح سویرے ہی گھر سے نکلنا پڑا۔"

"کدھر کی تیاری ہے ـــ؟"

"کہیں کی نہیں! — بس یہیں آیا تھا۔"
"کسی کام سے — ؟"
"جی — !"
"خیریت تو ہے ......؟" وہ ذرا گھبرا کر بولے۔
"بالکل — ایک خبر لے کر آیا ہوں آپ کے پاس۔ ایک خوشی کی خبر"
"وہ کیا — ؟" انھوں نے بڑی بے صبری سے پوچھا۔
"آپ کی بہو اور پوتا زندہ ہیں۔"
"کمل! ......" ایک کانپتی ہوئی آواز بے اختیار ان کے منھ سے نکلی اور جھٹ سے انھوں نے ہاتھوں میں پکڑا ہوا چشمہ آنکھوں پر لگا لیا اور غور سے کمل کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے کہ کہیں وہ ان سے مذاق تو نہیں کر رہا ہے۔ لیکن کمل کے چہرے پر رقص کرتی ہوئی بے باک خوشی کی لہروں نے انہیں اس بات کا یقین دلا دیا کہ وہ ان سے سچ کہہ رہا ہے۔ چند لمحوں کی پر اشتیاق خاموشی کے بعد انھوں نے خوشی سے لہرا کر پوچھا:
"کہاں ہے میری بہو — کہاں ہے میری پوتم — ؟"
"جیپ گاڑی میں —"
"کمل ...... میرے بچے — کہیں تو مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہا ہے؟" لالہ جگن ناتھ نے اس سے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔ اور اپنا رخ بدل کر اس جیپ گاڑی کی جانب دیکھا۔ جس میں سے انجنا ابھی ابھی باہر نکلی تھی۔ سپید ساڑی میں لپٹی — معصوم جوانی، گود میں بچہ اور اپنے ماتھے پر سنجیدگی کی کئی پرچھائیاں لیے ہوئے وہ آہستہ آہستہ

ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

گٹھیا کے درد کی وجہ سے لالہ جی مجبور تھے۔ وہ اپنی لڑکھڑاتی ٹانگوں پر بڑی مشکل سے کھڑے ہوئے اور اپنی بہو کے سواگت کے لیے دو قدم آگے بڑھے۔ سہارے کے لیے انھوں نے چھڑی کو مضبوطی سے تھام لیا۔ جنوں میں ڈوبے ہوئے اُس چاند کی صورت کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اُنھیں محسوس ہوا جیسے اچانک ان کی اندھیری زندگی کے مطلع پر کوئی روشن ستارہ نمودار ہوگیا ہو۔

انجنا نے جھک کر ان کے پیروں کو چھوا اور انھوں نے بہو کو گلے سے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ ان کی دلی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے انجنا کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ پہلے انھوں نے بہو کی پیشانی کو چوما اور پھر اپنے پوتے راجیو کو۔

لالہ جگن ناتھ جی کے ہاتھوں سے چھڑی نکل گئی۔ انھوں نے پیچھے ہٹ کر کرسی کا سہارا لینا چاہا۔ انجنا نے بڑھ کر انہیں اپنا کندھا دیا۔ اور کمل نے لپک کر انھیں تھاما اور آرام سے دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔ جیسے ہی انھوں نے حسرت بھری نظروں سے اپنے خاندان کی اکلوتی اور آخری نشانی کو دیکھا، انجنا نے بڑھ کر راجیو کو ان کی گود میں ڈال دیا۔ وہ خوشی کے آنسوؤں کو ضبط کر کے بچوں کی طرح توتلی زبان میں راجیو سے باتیں کرنے اور کھیلنے لگے۔

شیکھر کی ماں شانتی جو پوجا کے لیے بھگوان کی مورتی کے سامنے بیٹھی اپنے پاپ پُن کا حساب لگا رہی تھی، گھر میں اچانک چند آوازوں کی بھنک پاکر اسی طرف متوجہ ہوئی۔ اتنے میں گھر کی نوکرانی رمیا نے آکر اسے پونم ہو

کے آنے کی خبر سنائی پھر کیا تھا شانتی خوشی کے مارے بے خود ہو گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے بھگوان نے اس کی بھگتی سے پرسنّ ہو کر اس کی جھولی ورد انوں سے بھر دی تھی۔ فرطِ مسرت سے مغلوب ہو کر وہ بُت سی بن کے رہ گئی۔ آخر نوکرانی رمیا کا سہارا لے کر اٹھی۔ اور بہو کو دیکھنے چلی۔

شانتی جب بہو کے سامنے آئی تو انجنا کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہی پونم کی ساس ہے۔ اس نے شانتی کے پاؤں چھو کر پرنام کیا اور گلے مل کر رو دی۔ شانتی نے بہو سے پیار کرنے کے بعد راجیو کو اپنے شوہر کی گود سے لے لیا اور اسے چومنے چاٹنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار بہتے ہوئے خوشی کے آنسوؤں نے ایک ایسا سماں پیدا کر دیا، جیسے اس کا شیکھر گھر لوٹ آیا ہو۔ اس کے اندھیرے دل میں ممتا کی کرنیں پھوٹ پڑیں۔ نوکرانی رمیا بہو کو اندر لے گئی۔ اور رنگا مالی بہورانی کا سامان لینے کے لیے جیپ گاڑی کی طرف بڑھا۔ لالہ جگن ناتھ۔ اور اُن کی بیوی شانتی بار بار کمل کے سامنے اپنی احسان مندی کا اظہار کرنے لگے۔ انھوں نے یہ جاننے کے لیے کہ انھیں پونم کہاں اور کیسے ملی، کمل پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

انجنا گھر کے صدر ہال کے ایک کونے میں بچھے ہوئے صوفے پر جا بیٹھی۔ رمیا خوشی سے دیوانی ہوئی اس کے گرد طواف سا کر رہی تھی۔ انجنا کے کانوں میں ابھی تک کمل کی آواز سنسنا رہی تھی۔ جو باہر بیٹھا ریل گاڑی کے حادثہ اور اس واقعہ کی لرزہ خیز روداد سنا رہا تھا، جس کی بدولت اسے انجنا ملی تھی۔

انجنا نے دھیرے دھیرے نظریں اٹھا کر گھر کے ماحول کو جانچنا شروع

کردیا۔ وہ جلد از جلد اس نئے ماحول۔ اِن غیر مانوس لوگوں اور اِن کے حالات سے واقف ہوجانا چاہتی تھی۔ ان سے الگ ہوکر رمیّا کا ساتھ اسے اچھا لگا۔ جوں ہی اس نے رمیا کی طرف دوبارہ نظریں اٹھائیں تو اسے اپنے چہرے کی طرف گھور گھور کر دیکھتے ہوئے پایا۔

اس سے انجنا کپکپا اُٹھی۔ رمیا کی سنجیدگی یک لخت مسکراہٹ میں بدل گئی۔ اور وہ اپنی سُریلی آواز میں بولی:

"چھوٹے سرکار نے ٹھیک کہا تھا۔ پونم کا چاند ہے لالہ جی کی بہو۔"

"لیکن اب تو اس چاند میں ایک گہرا داغ ہے۔ وہ اپنے من مندر کے دیوتا کو کھو بیٹھی ہے۔"

"ہاں بی بی جی — آپ سچ کہتی ہیں۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ کسی سے زیادہ موہ ہوجائے تو وہ ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔"

تبھی اُس نے دیکھا۔ انجنا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے وہ اپنے کہے پر پچھتانے لگی۔ اُس نے خواہ مخواہ بہورانی کا دل دکھایا لیکن بہورانی نے اس کی بات کا بُرا نہ مانا۔ بلکہ حقیقت اور سچائی کہنے پر اس کی تعریف کی۔ تھوڑی دیر میں ہی رمیا اس سے گھل مل گئی۔

انجنا نے محسوس کیا۔ رمیا دل کی بڑی صاف ہے اور باتونی بھی۔ اس کی باتوں کو سنتے سنتے انجنا نے پوچھا:

"تمہارے چھوٹے سرکار کا یہاں کوئی فوٹو نہیں ہے کیا؟"

"ہے بی بی جی — لیکن سامنے نہیں رکھی جاتی۔"

"کیوں؟"

"ان کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر ماں جی اور بابو جی رونے لگ

جاتے ہیں۔"

"اوہ......!" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"جی! تبھی تو اُن کی سب تصویروں کو اُنہیں کے کمرے میں رکھ کر اُسے بند کر دیا گیا ہے۔"

انجنا نے گھر کے جغرافیہ کو پھر سے جانچنا شروع کیا۔ اور بولی۔

"کہاں ہے ان کا کمرہ ــــ؟"

"وہ ــــ" رمیا نے انگلی کے اشارے سے اس زینے کی طرف اشارہ کیا جو سیدھا ایک کمرے تک جاتا تھا۔ اس کے دونوں کواڑ بند تھے۔ جیسے وہ کمرہ اپنے میں کوئی گہری اور دردناک داستان چھپائے ہوئے ہو۔

انجنا چند لمحوں تک چپ چاپ اس بند کمرے کی طرف دیکھتی رہی رمیّا نے اس کی خاموشی کو پھر سے جھنجھوڑا۔

"جب سے ان کی بُری خبر ملی ہے۔ نوکروں کے سوا اس کمرے میں کوئی نہیں جاتا۔"

انجنا یہ سُن کر پریشان سی ہو گئی۔ اور اپنا وہ شالہ اتار کر آرام سے بیٹھ گئی۔ اس نے رمیا سے کہا کہ ہوا لگ جانے سے اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگا ہے ــــ کہنے کی دیر تھی کہ رمیا تیزی سے اٹھی۔ اور اس کے لیے چائے بنانے کے لیے رسوئی گھر میں چلی گئی۔

انجنا نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر کمرے میں سجی ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اُس زینے تک چلی گئی۔ جو سیدھا شنکھر کے کمرے کی جانب جا رہا تھا۔ وہ اسکی تصویر

دیکھنے کو بیقرار تھی۔ لیکن اس کی نگاہیں اس کمرے کے بند دروازے سے ٹکرا کر لوٹ آئیں۔ اس میں اوپر کمرے تک جانے کی قطعی ہمت نہ تھی۔

اتنے میں کسی آہٹ نے اسے چونکا دیا۔ وہ فوراً پلٹ پڑی۔ کمل اس حادثہ کا تمام قصہ سنا کر ادھر آ رہا تھا۔

"کیسی لگی، یہ جگہ ــــ یہ لوگ ....؟" کمل نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"دو پل میں کیا کہہ سکتی ہوں ــــ میں نے تو ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ بابوجی اور ماں جی میرا اس آدر سے سواگت کریں گے ...."

"اور یہ رسمی سواگت ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ دل سے تمہیں چاہتے ہیں۔"

اتنے میں شانتی بچے کو اٹھائے اندر چلی آئی۔ کیونکہ بچے نے رونا شروع کر دیا تھا ــــ انجنا نے بڑھ کر بچے کو اپنی باہنوں میں لے لیا ــــ وہ انجنا کے سینے سے لگتے ہی چپ ہو گیا۔

"لو بدمعاش کہیں کا ـ ماں سے ملتے ہی چپ ہو گیا۔" شانتی نے خوشی کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا کس پر گیا ہے؟" کمل نے کہا۔

"اے ہٹ بھی ــــ اچھا بہو۔ اب آرام کر لے۔ بچے کو بھی دودھ پلا لے۔"

"اچھا ماں! اب میں جاتا ہوں۔" کمل نے انجنا کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر ماں کی طرف دیکھا ــــ اور پھر رمیا کی طرف جس نے چائے

کی ٹرے لاکر میز پر رکھ دی تھی۔

"ایک پیالہ چائے تو پیتے جائیں"۔ انجنا نے جھجک کو برقرار رکھتے ہوئے کہا لیکن کمل نے ایک دم جلدی کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔ اس پر شانتی اصرار کرتے ہوئے بولی:۔

"پہلی بار بہو نے کہا ہے۔ پی کر نہ جاؤ گے۔ بیٹے!" اب کمل انکار نہ کر سکا۔ انجنا نے بچے کو رمیا کے ہاتھوں میں دے دیا۔ جو اُسے کمرے میں رکھے ہوئے کھلونوں کی طرف لے گئی۔ اس کے بعد انجنا نے پیالوں میں چائے اُنڈیلنی شروع کر دی۔ ماں اور کمل اس کی طرف بت بنے دیکھنے لگے۔

انجنا نے ایک پیالہ ماں کو اور دوسرا کمل کو پیش کیا۔ ماں نے جیسے ہی رمیا سے بابو جی کے لئے ایک کپ بنانے کو کہا۔ تو انجنا بولی:

"ٹھہریئے۔ میں یہ دے آتی ہوں"۔

انجنا نے اپنے لیے بنایا ہوا پیالہ اٹھایا اور اُسے لیے ہوئے باہر چلی گئی۔ اس کی یہ خلیمی دیکھ کر ماں نے شفقت سے کمل کی طرف دیکھا۔ وہ ماں سے بولا۔

"کتنے بدقسمت تھے آپ لوگ۔ جنہوں نے اس بہو کو ٹھکرا دیا تھا"۔

"کمل۔ ایسا نہ کہو بیٹا۔ ہمیں بہت بڑی سزا مل چکی ہے اس کی"۔

کمل نے ماں کے دل کا درد سمجھا اور چپ ہو گیا۔ شانتی پھر بولی:۔ "شاید بھگوان نے ہماری سن لی ہے۔ جو ہمارے بڑھاپے

کو سہارا بھیج دیا ہے۔

ادھر انجنا چائے کا پیالہ لیے ہوئے بابوجی کے پاس پہنچی وہ اُسے دیکھتے ہی بولے:

"تم نے کیوں کشٹ کیا بیٹی؟"

"یہ تو میرا فرض ہے بابوجی ۔۔۔ آپ کیا جانیں میں کب سے اس موقع کے لیے ترپ رہی تھی۔"

"مجھے اور زیادہ شرمندہ نہ کرو ۔۔۔ بہو! یہ سب میری ناسمجھی کا نتیجہ تھا۔ جو میں نے لکشمی جیسی بہو کو ٹھکرا دیا۔ تم جیسی دیوی کو اپنانے سے انکار کر دیا۔"

"اب ان باتوں کو بھول جائیے بابوجی ۔۔۔ آپ یوں سمجھ لیجیے کہ آپ نے مجھے بہو نہیں مانا تھا ۔۔۔ اور اب بیٹی مان کر اپنی چھتر چھایا میں رکھ لیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ لوٹ گئی۔ لالہ جگن ناتھ کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہہ نکلے۔ اور وہ اپنے دل کے درد کو کم کرنے کیلئے انجنا کے ہاتھ کی بنی چائے کے گھونٹ بھرنے لگے۔

کمل چلا گیا۔ رمیتا بچے کو لئے کھلونوں میں مگن ہو گئی۔ بابوجی پھر سے اخبار پڑھنے لگے، اور ماں اپنی ادھوری پوجا کو پورا کرنے کے لئے پھر سے بھگوان کی مورتی کے سامنے جا بیٹھی ۔۔۔ انجنا نے اطمینان کا ایک سانس لیا۔ اور چپکے چپکے گھر کے چاروں کونوں میں چلنے پھرنے لگی۔ اس نے ایک مدت کے بعد آزادی کا سانس لیا تھا۔ اسے ایک باعزت سہارے کی تلاش تھی اور وہ اس کی پونم نے اپنی موت سے

پہلے اس کی گود میں ڈال دیا تھا۔

انجنا کا سامان نوکروں نے شیکھر کے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔ جو کمرہ ایک مدت سے ویران اور بے رونق تھا۔ وہ پھر سے بسنے جا رہا تھا۔ جس کمرے کے اندھیروں نے گھر کے اجالوں کو نگل رکھا تھا۔ آج اس کے وہ اندھیرے خود بخود سمٹ کر کہیں دور جا چھپے تھے۔

انجنا نہ جانے کیا سوچ کر اس زینے کو طے کر گئی۔ جو اس بند دروازے تک جا کر ختم ہو جاتا تھا۔ اس کو ایسا لگا جیسے واقعی وہ اس گھر کی بہو ہو ــــ ایک عزت دار بڑے گھرانے کی بہو ــــ جو اب بیوہ ہو چکی تھی ــــ اور اس گھر کی عزت اور تمام ذمہ داریوں کا بوجھ قسمت نے اس کے کندھوں پر ڈال دیا تھا۔

وہ بند دروازے کے پاس ٹھٹھک کر رک گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن پہلے سے زیادہ تیز ہو چکی تھی ــــ بدن میں ایک کپکپاہٹ سی پیدا ہو گئی تھی ــــ وہ اس دیوتا کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی، جو کبھی اس کا سرتاج تھا۔ لیکن اس نے کبھی اسے دیکھا نہ تھا۔ وہ اس کی بیوہ تھی۔ لیکن زندگی کی ایک گھڑی بھی اس نے اس کے ساتھ رہ کر نہ گذاری تھی۔ وہ چند لمحوں تک یہی سب سوچتی رہی اور پھر اس نے آہستہ سے وہ کواڑ دھکیل کر کھول دیئے۔

کمرے کے اندر کا منظر سامنے آتے ہی اس کے دل کی دھڑکن پل بھر کے لیے رکی سی گئی ــــ چلتا ہوا سانس رک کر رہ گیا اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اس کمرے کی چیزوں کا جائزہ لینے کی کوشش کرنے لگی ــــ اپنے بوجھل قدم اٹھاتی ہوئی وہ اندر آئی۔ کمرے کی صفائی

آرائش اور ہر چیز کے قرینے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے شیکھر کچھ ہی دیر پہلے وہاں موجود تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کھڑکی کی طرف چلی گئی، جسے تھوڑی ہی دیر پہلے نوکر کھول کر چلا گیا تھا۔

کھڑکی کا سہارا لے کر انجنا نے گرد و نواح کی سرسبز پہاڑیوں پر نظر ڈالی اُن پہاڑیوں میں گھری ہوئی ایک جھیل دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا شفاف جھلملاتا ہوا پانی ایک دل کش منظر پیش کر رہا تھا۔ انجنا نے محسوس کیا جیسے خنک اور لطیف ہوا آ کر اس کے خشک گالوں کو تھپتھپا رہی ہو۔ اس کا گھٹا ہوا سانس پھر سے ہموار ہو گیا

پرندوں کے چہچہے اور آزادانہ پروازیں اسے پر مسرت زندگی کا پیغام دے رہی تھیں۔

یکایک اس کی نگاہیں سامنے رکھے ریڈیو گرام پر ایک فولڈنگ فریم پر جا کر رک گئیں — وہ لپک کر اس طرف بڑھی اور اسے کھول کر دیکھا۔ یہ فوٹو شیکھر کا تھا۔ جو اس نے کبھی اسی جھیل کے کنارے کسی چٹان پر بیٹھ کر اُتروایا تھا۔ خوبرو نوجوان — شگفتہ چہرہ، محبت کی روشنی سے چمکتی ہوئی آنکھیں — اور پیہم مسکراہٹوں سے آباد ہونٹ۔ پھر نہ جانے بھگوان نے اسے کیوں نہ اس دنیا میں جینے کا موقع دیا — یہ سوچتے ہی اسے پونم کا خیال آگیا جو ہجر کی تڑپ سے چھٹکارا پا کر اپنے دیوتا سے جا ملی تھی۔ اس بے چاری کی قسمت کے دردناک کھیل کا تصور کر کے انجنا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے

ایک آہٹ سُن کر اس نے پلٹ کر دیکھا سامنے شانتی کھڑی تھی۔ ماں کو سامنے پا کر وہ جھجک سی گئی۔ اپنے کانپتے ہاتھوں سے

اس نے وہ تصویر دوبارہ ریڈیو گرام پر رکھدی اور ساڑی کے پلّو سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"اور کتنے آنسو بہائے گی اس کی یاد میں بہو — یہاں تو آنکھوں کا پانی ہی سوکھ گیا ہے۔

"یوں ہی ماں جی — اُن کی تصویر دیکھ لی — آنکھیں بھر آئیں۔"

"کوئی عورت ہی دوسری عورت کے دل کا درد پا سکتی ہے بہو! اب اس کی تمام یادوں کو سمیٹ کر الماری میں بند کر دے۔ نہ یہ سامنے ہوں گی نہ تیرا دل دُکھی ہوگا۔"

"نہیں ماں جی — یہی یادیں تو میری زندگی کا سہارا ہیں — انہیں آنکھوں سے اوجھل کر دیا تو میں ایک پل کے لئے بھی نہ جی سکوں گی۔"
انجنا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُس تصویر کو دوبارہ سنبھالا اور آنچل سے صاف کر کے ریڈیو گرام پر رکھ دیا۔

شانتی نے بہو کی آنکھوں میں پختہ ارادوں کو جنم لیتے دیکھا۔ اور اس کو بھگوان کا پرساد دیتے ہوئے بولی:

"بہو سچ مانو — تم آ گئیں تو ہمیں بیٹے کے جانے کا غم بھول گیا ہے۔"

"میں بھی بھگوان سے یہی پرارتھنا کرتی ہوں ماں جی کہ مجھ پر وہ جو کچھ بھی ذمہ داریاں ڈال گئے ہیں، عزّت سے نبھا سکوں۔"

"ان ذمہ داریوں کو بوجھ نہ سمجھنا بہو — ہم تمہیں پھولوں کی طرح اپنے پاس رکھیں گے تو سارے دکھ درد بھول جائے گی۔"

ماں نے اُسے آشیرواد دیا اور چلی گئی۔ انجنا کے دل کا بوجھ

ہلکا ہو گیا۔ وہ خوف جو دن رات اُسے کپکپا رہا تھا۔ اچانک ختم ہو گیا۔ وہ لوگ، جن کا تصور کر کے وہ طرح طرح کے خیالات اور وسوسے دل میں پیدا کر لیتی تھی، اتنے بھلے اور مخلص ہوں گے، ایسا وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی۔

ایکا یک اس کے بدن میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے پھرتی سے اپنے سامان کو کھولا اور ہر شے کو الماری میں قرینے سے رکھنے لگی۔ پونم کے ریشمی جوڑے، اجواب صرف اس کی یاد بن کر رہ گئے تھے، اس احتیاط سے سنبھالنے لگی۔ جیسے وہ سب اسی کے ہوں۔ وہ اپنی دُنیا کو بھول کر پونم بن جانا چاہتی تھی۔ وہ انجنا کی یادوں کو مٹا کر ان یادوں کو اپنانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ جن سے اُس کا کوئی واسطہ نہ تھا۔

اچانک اس کے ہاتھوں میں پونم کا وہ جوڑا اور زیورات آ گئے جو پونم نے اپنی شادی کے موقع پر پہنے تھے۔ وہ سُرخ رنگ کا گوٹے دار عروسی جوڑا ایک دُلہن کی حسرت بن کر رہ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر انجنا کا دل پھر سے دہل گیا۔ حقیقت پھر اس کے سامنے آ گئی۔ وہ حقیقت جو اس کے اپنے بیاہ سے وابستہ تھی۔ وہ جوڑا، جو اس نے دلہن بن کر پہنا تھا اور جو اس کی رسوائی بن کر رہ گیا تھا۔

یہ سوچ کر اس نے اپنا چہرہ اپنے ان ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔ جن پر سے مہندی کا رنگ تو اتر چکا تھا۔ لیکن رسوائی کی یادیں اب تک ان کی لکیروں میں چھپی ہوئی تھیں۔

(۷)

زندگی کے چند روز اور گذر گئے۔ دھیرے دھیرے انجنا کا وجود

مٹتا چلا گیا۔ اور پونم اس گھر میں نکھرتی چلی گئی۔ وہ تھوڑے ہی دنوں میں اُس گھر کے تمام رسم و دستور سیکھ گئی۔ اس کی تمام آرزوئیں اور حسرتیں دب کر رہ گئیں اور وہ شیکھر کی بیوہ بن کر زندگی کے دن گذارنے لگی۔

یہ ایک عجیب اتفاق کی بات تھی کہ جس لڑکی نے زندگی کی بہاروں کو ابھی چھوا بھی نہ تھا۔ اُسے مجبوراً اپنے دل پر پتھر رکھ کر ایک بیوہ کا روپ دھارن کرنا پڑا۔ دنیا والوں کے سامنے اس کی تمام خوشیاں ویران ہو چکی تھیں۔ لیکن اندر ہی اندر وہ خوش تھی۔ اس کے دل کو ایک عجیب سا سکون مل گیا تھا۔ حال کے خوشگوار تصورات نے اس کے ماضی کی پرچھائیوں کو اپنے انبار تلے چھپا دیا تھا۔ اس نے موت میں زندگی کی جھلک دیکھ لی تھی۔

آج اس گھر میں وہ آزادی کا سانس لے رہی تھی۔ اس کی ساس اور سسر پڑوس میں کسی بیمار کی مزاج پرسی کے لیے گئے ہوئے تھے۔ باغیچے کی مخملی گھاس پر وہ بچوں کی طرح ننگے پاؤں کود رہی تھی۔ اپنی آنکھوں پر دوپٹے کی پٹی باندھ کر وہ اپنے راجیو سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ راجیو اُسے الگ چھوڑ کر خود کسی نہ کسی پودے کے پیچھے چھپ جاتا۔ انجانا انجان سی بنی اسے تلاش کرنے کو دوڑتی اور ہر بار وہ جان بوجھ کر اس پودے کو چھوڑ کر دوسرے کسی پودے پر جا ہاتھ رکھتی اور اس کی اوٹ میں جھانکنے لگتی۔ اس پر راجیو اپنے پودے کی اوٹ سے نکل کر خوشی سے تالی پیٹنے لگتا۔ وہ اسی کھیل سے اپنا دل بہلا رہی تھی کہ راجیو پھر کسی پودے کی اوٹ میں چھپ گیا اور وہ اس کی تلاش کے لیے ادھر ادھر بھاگتی یکایک رک گئی۔ ذرا سی دیر میں اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ شرم کے مارے اس کا

سارا بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اُس نے فوراً دوپٹے سے اپنے سینے کو ڈھکا۔ اور کنکھیوں سے اُس شخص کی طرف دیکھا۔ جو نہ جانے کب سے کھڑا ان کا یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔

کمل نے اس کی گھبراہٹ کا اندازہ لگایا۔ اور اس کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے بولا۔

"رک کیوں گئیں آپ۔؟"

"یوں ہی ۔۔۔ پاگل پن سوار ہوا تو را جیو کے ساتھ کھیلنے لگ گئی۔"

"پاگل پن کیوں۔ یہ تو دل کی ترنگ ہے۔ اسے بھلا کون روک سکتا ہے۔"

"یہ بندھن ۔ یہ دُنیا۔ میری قسمت۔۔۔۔۔"

"میں ان دقیانوسی باتوں کو نہیں مانتا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ دل کے جذبات کو کچلنا پاپ ہے۔"

"وہ تو اب اتنے دب گئے ہیں کہ ان کا اُبھرنا ممکن نہیں۔"

"یہ سچ نہیں ہے۔"

کمل کی اس بات پر وہ چونکی ہو گئی اور اس کا ارادہ بھانپنے کے لیے اس نے اپنی نگاہیں کمل کی نظروں سے ملائیں۔ وہ ذرا رک کر پھر بولا:۔

"اگر یہ سچ ہوتا تو آج آپ کے چہرے پر یہ رونق کبھی نہ آتی چنچل من آج پھر سے بچوں کی طرح مچل کر یہ آنکھ مچولی ہرگز نہیں کھیلتا۔"

"سنسار والے تو اسے پاپ کہتے ہیں وہ کسی دکھیاری کے

ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھتے ہی آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں ـــــــ بیوہ سے ہر کوئی ہمدردی کرنا تو جانتا ہے ـــ لیکن اس کے دل کا درد سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔"

وہ چُپ ہو گئی ـــ بیوہ کا لفظ کیا تھا۔ ایک تیر تھا، جو اس کے سینے کو چھید کر دل میں اُتر گیا تھا۔ لیکن وہ بے بس تھی اُسے مجبوراً یہ چبھن برداشت کرنی پڑی۔ جب اس سے کوئی بات نہ بن پڑی تو وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"ایک بات آپ سے کہوں ـــ ؟"

"ہوں ـــ ضرور ـــ !"

"میں آپ سے عمر میں چھوٹی ہوں ـــ بار بار آپ کا مجھے آپ کہنا اچھا نہیں لگتا۔"

"تو کیا کہوں ـــ ؟" کمل نے مسکرا کر پوچھا۔

"پونم..... صرف پونم ـــ"

"عمر سے رشتہ بڑا ہے۔ اور رشتے میں جو بڑا ہو اس کا نام لے کر پکارنا اس کی توہین سمجھا جاتا ہے۔"

"نہیں ـــ بلکہ میں سمجھوں گی۔ آپ نے مجھے صرف رشتے سے نہیں جانا۔ بلکہ ایک ہمدرد کی حیثیت سے پہچانا ہے۔"

"لیکن ......؟"

"دراصل بات یہ ہے۔ کہ جب کبھی آپ مجھے آپ کہہ کر پکارتے ہیں۔ تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ میرے درد کو اُبھار رہے

ہیں۔"

"او ۔۔ یہ بات ہے تو پھر آج سے ہی ہم ۔۔ آپ کو آپ کے نام سے پکارا کریں گے ۔۔ پونم۔"

اس کے ہونٹوں پر پونم کا نام آتے ہی وہ مسکرا دی ۔ جیسے پونم کہہ کر کمل نے اسے اپنے بہت قریب کر لیا ہو۔ دونوں کی باتیں سنتا ہوا راجیو پیڑ کے تنے کے پیچھے چھپ گیا ۔ اور ۔۔ "ممی ۔ ممی" چلا کر اسے پکارنے لگا ۔ انجنا کی نگاہ کمل سے ہٹ کر دوسری طرف چلی گئی اور وہ چپکے چپکے سرکتے ہوئے اُس پیڑ کے پاس جا پہنچی جس کے پیچھے راجیو چھپا کھڑا تھا۔

انجنا نے ایک دم کود کر اُسے پکڑ لیا ۔ اور وہ چلانے لگا ۔ انجنا نے اُسے باہوں میں لے کر سینے سے بھینچ لیا ۔ دونوں کا پیار دیکھ کر کمل نے مسکرا کر راجیو کے گال پر چٹکی لے لی۔

راجیو انجنا کی گود سے اتر کر دور بھاگ گیا۔

"بچپن بھی کتنا انمول ہے ۔ نہ کوئی فکر نہ چنتا ۔ جدھر منہ اٹھایا ۔ چل دیئے۔"

"میرا تو یہ انمول سہارا ہے ۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اگر گاڑی کے حادثے میں اسے کچھ ہو جاتا تو میں ایک پل کے لئے بھی زندہ نہ رہ پاتی۔"

"اور جینا بھی کس کے لئے تھا ۔۔ انسان یا تو اپنے مستقبل کے لئے جیتا ہے ۔ یا اپنے پیار کے لئے۔"

کمل کی اس بات نے اُسے ایک بار پھر پریشان کر دیا ۔ اسے پیار کی یاد دلا کر اس نے اس کے دل کا درد بڑھا دیا ۔ دل کی

گہرائیوں میں دبی محبت کی چنگاری پھر سے اس کے بدن کو پھونکنے لگی۔
اس کی دلی کیفیت کا احساس کرتے ہی کمل نے بات بدل ڈالی اور پوچھنے لگا:۔

"بابو جی کہاں ہیں؟"

"وہ اور ماں جی، پڑوس میں کسی کی مزاج پرسی کو گئے ہیں۔

"ہاں تمہیں ایک بات کہنا تو میں بھول ہی گیا تھا پونم!"

"کیا؟"

"وہ ٹیکسی ڈرائیور پکڑا گیا۔"

"کب ــــ؟"

"دو روز پہلے۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور کا بہروپ بھرے ہوئے تھا۔ اصل میں وہ اس علاقے کا نامی ڈاکو ہے "عبداللہ" جس کی پولیس کو ایک عرصے سے تلاش تھی!"

یہ سُن کر انجانا ڈر سی گئی۔ اس ڈرائیور کا خوفناک چہرہ اس کے سامنے آگیا۔ اور وہ چپ چاپ کھڑی حیرت سے کمل کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ کمل بھی اس کے انداز کو سمجھ نہ سکا بولا:۔

"کیا سوچ رہی ہو ــ؟"

"یہی کہ اگر آپ موقع پر نہ پہنچتے تو نہ جانے کیا ہو جاتا ــ؟"

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر عبداللہ نہ ہوتا ــ تو ہماری ملاقات اس قدر دلچسپ کیسے ہوتی ......!"

"دلچسپ" کے لفظ پر وہ پھر اُسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔ وہ جھینپ گیا ــ اور پھر اپنی صفائی میں یوں کہنے لگا ــ "میرا مطلب اُس

ملاقات سے تھا۔ یہ تو ہو ہی جاتی اِس گھر میں لیکن اس طرح ہم ایک دوسرے کے لیئے اجنبی بن کر رہ جاتے۔"

تبھی گھر کے مالک کی آواز نے کمل کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ پڑوس سے لوٹ آئے تھے۔ کمل آنکھوں کے اشارے سے ہی اپنے دل کی بات انجنا کو سمجھا کر صدر ہال کی جانب روانہ ہو گیا۔ انجنا دیر تک کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ اس کی باتوں میں آج کس قدر کشش تھی۔ جب کبھی کمل اس کے قریب آتا تو نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے اس کی زندگی کا کوئی خلا پُر ہو گیا ہے اور جب وہ چلا جاتا تو پھر سے وہ خلا محسوس ہونے لگتا۔ جو اُسے خواہ مخواہ اُداس کر دیتا۔

'دل چسپی' کا لفظ بار بار اس کے کانوں سے ٹکرانے لگا۔ اُس سے ایک لمحے کے لیئے تو اُس کے دل میں گدگداہٹ ہونے لگتی اور دوسرے ہی لمحے وہ حقیقت کے احساس سے کانپ کر رہ جاتی۔ وہ ایک بیوہ ہے۔ ایک بچے کی ماں! اس کے لئے کسی غیر مرد میں، ذرا سی دلچسپی لینا بھی پاپ ہے۔ پھر اس کی نظریں دُور اس سرسبز گھاس پر دوڑ گئیں۔ جہاں راجیو گھر کے مالی سے کھیل رہا تھا۔ وہ اندر کی طرف بڑھی۔

جوں ہی اس نے پچھواڑے کے دروازے سے نکل کر زینے پر قدم رکھا۔ اس کو بابوجی کی آواز سنائی دی، جو کمل سے کہہ رہے تھے۔

"بہو کا قدم گھر میں کیا پڑا کہ تم نے بھی ہفتے میں دو بار صورت دکھائی شروع کر دی۔ ورنہ ہفتوں سرکار کو فرصت ہی نہیں

ملتی تھی؟"

"نہیں چاچاجی ......"

"ارے سچ کہتے ڈرتا کیوں ہے؟" شانتی بڑبڑائی۔ "گھر میں کوئی بات چیت کرنے والا ہو۔ پوچھنے والا ہو، تو کوئی آئے۔ آپ کے پاس آ کر کیا کرے۔ روزانہ اخبار کی خبروں کے سوا آپ کے پاس ہے ہی کیا؟"

بابوجی بیوی کی حمایت پر ہنس دیئے۔ کمل نے بھی موقع کا فائدہ اٹھایا اور شانتی کی بات کی حامی بھر دی۔ اور وہ کہنے لگا۔

"سچ چاچاجی۔ بہو کے آجانے سے گھر میں رونق آگئی ہے۔ آپ کو ایسا محسوس نہیں ہوتا کیا۔ راجیو کی چہچہاہٹ اس خزاں میں بہار بن کر آگئی ہے۔"

انجنا زیادہ دیر تک وہاں نہ رک سکی۔ اور آہستہ آہستہ اس زینے کو عبور کر گئی جو اس کے کمرے تک جاتا تھا۔ کمل کے الفاظ دور تک اس کے کانوں میں گونجتے رہے۔ اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی اُن آوازوں پر کواڑ بند کر دیئے جو نیچے سے آ رہی تھیں۔

ذرا سی دیر میں پھر سناٹا چھا گیا۔ شیکھر کا کمرہ اس کی زندگی کا آئینہ بنا ہوا سامنے تھا۔ چاروں طرف موت کی سی خاموشی تھی۔ وہ ماحول جو ہمیشہ اُسے چین بخشتا تھا اُسے روحانی طاقت دیتا تھا۔ آج اس کے دل کی دھڑکنوں سے کھیلنے لگا۔ بار بار اس کے دماغ میں ایک ہی سوال اٹھتا تھا۔

"کہیں کمل کی یہ ہمدردی اس کے دل کی بے چینیوں کا سبب

تو نہ بن جائے گی؟"
جوں جوں وہ ایسا سوچتی اس کے دماغ کی نسیں پھٹنے سی لگتیں اُسے اپنے پورے بدن میں عجیب سی لرزش کا احساس ہونے لگا۔ اس کے ہاتھ پاؤں برف سے سرد ہونے لگ گئے تھے۔ اس نے تیزی سے بڑھ کر اس ریڈیوگرام کا سہارا لے لیا۔ جس پر شیکھر کی تصویر رکھی تھی۔
لیکن وہ شیکھر کی نگاہوں کا سامنا نہ کر سکی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ اُسے سچ مچ پونم سمجھ کر نفرت سے دیکھ رہا ہے وہ ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکی۔ اس نے جھٹ سے اس تصویر کو الٹ دیا۔ اور وہاں سے ہٹ کر اس نے اپنی الماری کے پٹ کھولے۔
جوں ہی وہ اپنا جوڑا بدلنے کے لئے کپڑے الٹنے پلٹنے لگی۔ کپڑوں کی تہ میں سے پونم اور شیکھر کے بیاہ کا فوٹو نکل آیا۔ اس نے اسے باہر نکال کر دیکھا۔ اس میں بھی شیکھر کی نظریں اس پر شبہ کر رہی تھیں نہ جانے کس الجھن کی زد میں آکر اس نے اس تصویر کے ٹکڑے کر دیئے۔ وہ شاید پونم کے فرضی وجود کو بھی ہٹا دینا چاہتی تھی۔
جب اس نے تصویر کے ان ٹکڑوں کو اپنی مٹھی میں بند کیا۔ تو پونم کے الفاظ پھر اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ پھر اپنا وعدہ دہرانے لگی۔ اسی نے اس کی زندگی کو نیا روپ دیا تھا۔ وہ اسے اس کی ذمہ داریاں سمجھانے لگی۔ وہ شیکھر کی بیوہ ہے۔ انجنا مر چکی ہے اب وہ اس کے بچے کی ماں ہے۔
اتنے میں دروازے پر کسی آہٹ نے آکر اس کے دماغی خلجان کو ختم کر دیا۔ اس نے جلدی سے مٹھی میں لیے ہوئے ان تصویر کے

ان ٹکڑوں کو پاس رکھی ایک ڈبیا میں بند کر دیا۔ پھر پلٹ کر جو دیکھا تو شانتی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"آئیے ماں جی!"

"یہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں ماں جی! ـــ ہاں سوچ رہی تھی کہ یہ سب زیورات آپ کے حوالے کر دوں ـــ کوئی اِدھر اُدھر نہ ہو جائے ـــ" انجنا نے فوراً بات کا رخ پلٹ دیا۔ ماں اس کی اِس بات پر مسکرا دی اور بولی:

"جب تو انہیں حفاظت سے نہیں رکھ سکتی تو میں کیا رکھوں گی ـــ پھر یہ تمہاری چیز ہے ـــ تم ہی اسے سنبھالو ـــ"

"لیکن میں......"

"جانتی ہوں ـــ لیکن یہی عورت کی پونجی ہوتی ہے، جو بھگوان بُرا وقت نہ لائے، سہارا بنتی ہے" ماں نے زیورات کا سرسری سا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اچانک اس کی نظریں ایک بار پھر جا رکیں سونے کی اس باریک اور عمدہ قسم کی زنجیر میں ایک لاکٹ لگا ہوا تھا۔ ماں نے اُسے انگلیوں سے ٹٹولا اور پھر لاکٹ کھول دیا۔

انجنا نے جیسے ہی اس میں جڑی شیکھر کی تصویر کو دیکھا، اسے ایک دھچکا سا لگا۔ وہ سانس روک کر ایک نظر اُسے اور دوسری نظر سے ماں کو دیکھنے لگی۔ ماں بیٹے کی بھولی صورت کو ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اُتر گئے تھے لیکن اُسنے انہیں بہنے نہ دیا۔ ماں کے دل کا درد وہ جان گئی۔ اسی لیے اس المناک خاموشی کو ختم کرتے ہوئے بولی:۔

"یہ انھوں نے دیا تھا، پچھلے برس میری سالگرہ کے موقع پر۔"

"او ۔۔۔ جانتی ہے۔ یہ اسے کہاں سے ملا؟" شانتی نے ہلکی سی مسکراہٹ سے پوچھا۔

"اوں ہوں ۔۔۔"

"میں نے اسے بھجوایا تھا۔ اپنے پتی سے چوری ۔۔۔ تیرے لئے۔"

"سمجھی۔ انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ماں جی نے بھیجا ہے۔ لیکن میں نے سوچا صرف میرا دل رکھنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔"

"تو ایسا سوچے گی ہی ۔۔۔ ہم نے اپنا وشواس جو کھو دیا تھا تجھے ٹھکرا کر۔"

"نہیں ماں جی! میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن نفرت کی یہ دیوار ٹوٹ جائے گی۔ ہمارا میل ملاپ ہو جائے گا۔ لیکن مجھے کیا پتہ تھا۔ کہ یہ ملاپ میری بدبختی کے سائے تلے ہونے والا ہے۔" اور انجنا کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

"نہیں نہیں بہو نہیں۔ ایسے وچار من میں کیوں لاتی ہے۔ اس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔ ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔"

ماں نے اپنے آنچل سے انجنا کے آنسو پونچھ ڈالے۔ لیکن جب ماں نے وہ زنجیر اس کے گلے میں پہنانی چاہی تو انجنا نے انکار کر دیا۔ ماں نے اصرار کیا۔ اور جب وہ پھر انکار کرنے لگی۔ تو ماں نے جھٹ سے وہ زنجیر اس کے گلے میں ڈال دی۔

"سنگھار کرنا اور بات ہے بہو۔ یہ تو نشانی ہے اس کی۔"

اب انجنا کچھ نہ کہہ سکی اور اس نے مجبوراً اس زنجیر کو گلے میں پہن لیا

وہ اپنے آپ کو شیکھر کے تعلق یا لگاؤ سے جتنا بھی دور لے جانے کی کوشش کرتی تھی۔ اتنا ہی وہ اس کا پیچھا کرتا تھا اور قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ سچ مچ ہی اپنے آپ کو شیکھر کی بیوہ سمجھنے لگ جاتی تھی۔ ان دیکھے اور ذہنی خاوند کی بیوہ۔ بنا جنے بچے کی ماں۔ اور وہ ایک بیوہ کے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

ماں نے اس کے گلے میں پڑے لاکٹ کی طرف بھرپور نظروں سے دیکھا تو اس کے بے چین دل کو جیسے اچانک چین آ گیا۔ پھر وہ جاتے جاتے ایکا ایک رک کر بولی :-

" تو جس کام سے آئی تھی۔ وہ تو بھول ہی گئی۔

"کیا ماں ——؟"

"تیرے سسر جی کا حکم ہوا ہے۔ کہ وہ آج پھر سوپ پئیں گے۔ تیرے ہاتھ کا بنا ہوا۔ دو چار دن تو نے ان کی آؤ بھگت کیا کی کہ اب ہر روز یہی تقاضا ہوتا رہے گا۔"

"تو کیا ہوا —— ماں جی؟ —— میرا تو یہ سوبھاگیہ ہے۔ کہ وہ میرے ہاتھوں کی بنی چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔"

"پسند ہی نہیں کرتے —— بلکہ چٹخارے لے کر مجھے طعنے دیتے ہیں کہ زندگی بھر میں نے کچھ نہیں سیکھا۔ اس لئے اب تو جلدی سے ان کے لئے سوپ بنا لا۔ ورنہ میری جان آفت میں ڈال دیں گے۔"

ماں کی بات سن کر انجنا کے دل میں گدگدی سی ہوئی۔ اور وہ رسوئی گھر کی طرف چلی گئی۔

انجنا جوں ہی باغیچے میں سے اندر آئی۔ سامنے جگن ناتھ کرسی پر براجمان ملے۔ اُسے دیکھتے ہی بولے:۔

"بہو ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟"

"میں نے تو وہاں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ بابوجی!"

"لیکن میں نے کمل سے وعدہ کیا تھا کہ بہو ضرور آئے گی۔ تم تو جانتی ہو میرا یا تمہاری ماں کا وہاں جانا اچھا نہیں لگتا۔"

"لوگ کیا سوچیں گے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم میں سے کسی نہ کسی کو ضرور وہاں جانا چاہیئے کمل میرے بیٹے کے سمان ہے۔ ہم میں سے کوئی نہ گیا تو وہ بُرا مان جائے گا۔"

انجنا سسر سے بحث نہ کر سکی اور مجبوراً اُسے کمل کے ہاں جانے کے لئے تیار ہونا پڑا۔ اُدھر بابوجی نے مالی سے تاکید کی کہ وہ کشتی جھیل میں ڈال دے اور اِدھر بہو سے جلدی کرنے کے لئے کہا۔ رمیا راجیو کو کھلانے کیلئے سامنے کے پارک میں لے جا چکی تھی۔

آج کمل کا جنم دن تھا اس نے اپنے جنم دن کی پارٹی کا اہتمام ریس کلب میں کیا تھا۔ وہ چاہتا تو مہمانوں کو لالہ جگن ناتھ کے گھر مدعو کر سکتا تھا۔ لیکن زمانے کے دستور کے مطابق وہ اُس سوگوار گھر میں خوشی کی تقریب نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔ تمام مہمان آ چکے تھے۔ چاروں طرف چہل پہل اور خوش گپیاں اور خوش فعلیاں جاری تھیں۔ زرق برق پوشاکوں سے سارا ماحول جھلملا رہا تھا۔ رقص و سرود کی محفل جمی ہوئی تھی۔ ہر شخص کیک کاٹے جانے کی

رسم کا بے تابی سے منتظر تھا، لیکن کمل کی نگاہیں مہمانوں کی اس بھیڑ میں پونم کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔ یکایک اس کے ایک ہم عمر دوست نے اس سے ٹھٹھول کرتے ہوئے کہا:

"اجازت ہو — تو آپ کو پیدا کیا جائے"۔

"اس جملے پر مہمانوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ لیکن کمل نے ہاتھ جوڑ کر ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"تھوڑی دیر اور ..... ابھی دو چار مہمان باقی ہیں"۔

"اُن دو چار کے لیے، ہمیں کیوں جاڑے میں سکیڑا جا رہا ہے؟"

"چلو معاف کیا — نہ جانے اُن مہمانوں میں کوئی خاص الخاص مہمان ہو؟"

یہ سُن کر کمل کچھ جھینپ گیا۔ جیسے کہنے والے نے اس کے دل کی چھپی ہوئی سچی بات کو عیاں کر دیا ہو۔ وہ اُن لوگوں سے نگاہ بچا کر جیسے ہی دوسری طرف مڑا کہ سامنے کلب کے ڈیک پر پونم کھڑی تھی۔ وہ اس کی طرف بے جھجک نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پونم ابھی ابھی کشتی چھوڑ کر کنارے پر اُتری تھی۔ سفید ریشمی ساڑی بغیر میک اپ کے چہرہ — کانوں میں جھلملاتی ہلکی بالیاں جو گلے کی زنجیر سے دلکش مناسبت رکھتی تھیں۔ سادگی کی ایک انوکھی تصویر۔ سنگِ مرمر کا ایک مجسمہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوب سجے دھجے نجوم صورت مہمانوں کی اوٹ سے ایک ماہِ کامل ابھر کر سامنے آگیا ہو۔ ہر کسی کی نگاہیں سادگی کے اس صنم پر مرکوز تھیں، جو آنکھوں میں ایک دلفریب گھبراہٹ لیے بڑھ رہی تھی اور جیسے آج سے پہلے انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کمل کی مایوس نگاہوں میں اچانک چمک آگئی۔ وہ تیزی سے اس کی

طرف بڑھا اور اسے اپنے ہمراہ کلب کے لان کی طرف لے آیا۔ جہاں مہمانوں کا ٹھٹ لگا ہوا تھا۔ کمل نے پونم کا تعارف اپنے افسران اور دوسرے ساتھیوں سے کرایا۔ جب لوگوں کو یہ پتہ چلا کہ وہ لالہ جگن ناتھ کی بہو ہے، جو پچھلے برس ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ تو ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ ہر کوئی رحم آلودہ نظروں سے اس کے بھرپور شباب کو دیکھنے لگا جو جوان امنگوں کی سلطنت پر حکمراں ہونے سے پہلے ہی لٹ چکا تھا۔

اس کے چہرے کی لالی۔ آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک اور پیشانی کی اٹھان دیکھ کر کسی کو یقین نہ آ رہا تھا کہ وہ بیوہ ہے۔ پھر بھی وہ اس سے ہمدردی جتانے کے لیے بڑھے۔ مرد اس لیے کہ وہ شباب کا طوفان تھی اور عورتیں اس لئے کہ اس بھرپور جوانی میں وہ برق گری تھی۔

کمل نے محسوس کیا کہ تھوڑی دیر میں ہی وہ ان سب کے دل میں سما گئی تھی۔ حاضرین کے سوالات اور انوکھی پہیلیاں بوجھتے بوجھتے کمل کا دم گھٹنے لگا تبھی اس نے کیک کاٹنے کی رسم کا اعلان کر کے مہمانوں کا موضوع بدل دیا۔ وہ سب اس میز کے گرد جمع ہو گئے، جس پر کیک رکھا تھا۔ کمل نے بڑھ کر انجنا کو قریب بلایا اور کیک کاٹنے کی رسم ادا کرنے لگا۔ کیک کٹتے ہی تالیوں سے ماحول گونج اٹھا۔ انجنا نے کنکھیوں سے لوگوں کی طرف دیکھا جیسے کمل کی اس خوشی میں وہ بھی برابر کی شریک تھی۔

ہر کوئی کھانے پینے میں لگ گیا اور کمل ان کی آؤ بھگت میں۔ کلب کے بینڈ نے پھر مغربی دھن بجانی شروع کر دی، جس سے ماحول میں ایک سحر انگیز ترنم رقصاں ہو گیا۔ ہر شخص مست و بےخود ہوا جھومنے لگا۔

کمل کی نگاہوں نے اُس بھیڑ میں پھر انجنا کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس بھیڑ میں اجنبی تھی۔ اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ کمل کو اندیشہ تھا کہ وہ کہیں بور نہ ہو رہی ہو۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے ایسی رنگین زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو صرف اس کا دل رکھنے کے لیے اس تقریب میں چلی آئی تھی۔

کمل نے دیکھا وہ سب سے ہٹ کر کلب کے دوسرے کونے میں چلی گئی تھی اور جھیل کے کنارے بنے ہوئے ایک پتھر کے چبوترے کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ اس بھیڑ کے شور سے بالکل الگ تھلگ اور تنہا۔ کمل نے اس کے لیے پلیٹ میں کھانے کی دو چار چیزیں رکھیں اور اس چبوترے تک جا پہنچا۔

وہ انجنا کے قریب جا کر رک گیا۔ جو اس کی آمد سے بے خبر جھیل کے نیلے اور گہرے پانیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑا اس کی پلکوں پر آئے ہوئے اُن آنسوؤں کی طرف دیکھنے لگا جن میں اس نیلی جھیل کا عکس ناچ رہا تھا۔

"اوہ آپ"۔۔۔ وہ ایکاایک چونک اٹھی۔

"تمہاری خاموشی کا مطالعہ کر رہا تھا۔"

"میں تو ۔۔۔۔ یوں ہی ۔۔۔۔۔ میں ۔۔

"اس بھیڑ سے الگ آ کر کھڑی ہو گئی۔"

"اور کرتی بھی کیا ۔۔۔ ؟"

"میں نے تو تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ کچھ دیر کے لئے تمہارا ماحول بدل جائے گا۔ وہ تنہائی جو ہمیشہ تمہیں ڈستی رہتی ہے، اس بھیڑ اور

رونق میں کھو جائے گی۔"

"نہیں کمل بابو! ــ اب تو مجھے اُن تنہائیوں سے ہی پیار سا ہو گیا ہے۔"

"تبھی تم نے میرے جنم کی تقریب میں آنے سے انکار کر دیا تھا؟"

"یہ بات نہیں۔ میں جنم دن کی خوشی میں شریک تو ہونا چاہتی تھی، لیکن ان لوگوں سے ڈرتی تھی جنہیں میں نے کبھی دیکھا نہیں۔ نہ جانے وہ کیا سمجھیں۔"

"کیا سمجھیں؟" اس نے بے تکلفی سے پوچھا:

اس کے اس استفسار سے وہ لرز گئی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ پریشان اور شرمسار نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے دل کی بات بار بار اچھل کر ہونٹوں تک آ رہی تھی لیکن وہ کہنے کی جرائت نہ کر سکتی تھی۔ کمل نے اس کی خاموشی کو پڑھتے ہوئے خود ہی کہا۔

"یہی نا! ــ کہ ڈپٹی صاحب کی بہو کا۔ کمل سے کیا ناطہ ہے۔ کیا رشتہ ہے جو وہ اپنی غمگین دُنیا کو چھوڑ کر اس کی محفل کی رونق بڑھانے چلی آئی۔"

وہ رُخ بدل کر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جو زندگی کی حقیقت کو لاپرواہی سے تول رہا تھا۔ کمل نے پلیٹ اس کی جانب بڑھائی اور بولا: "جب اپنا من گنگا جل کی طرح پوتر ہو۔ تو دنیا والوں کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ ایک رشتہ ٹوٹ جانے سے سنسار کے سارے رشتے توڑ ڈالنا اچھا نہیں ہوتا۔"

انجنا نے اس کی باتوں کو غور سے سنا اور دل و دماغ کی ترازو میں تولنے لگی۔ اس میں جھوٹ بھی کیا تھا۔ جب اپنا من صاف ہو تو۔ تو یہ خوف

کیسا ـــ؟ لیکن وہ اپنے دل کی کیفیت بیان نہ کر سکتی تھی، اس پوتر گنگا میں بھی پاپ کی ایک سیاہ لہر برابر بہہ رہی تھی۔ لیکن وہ حقیقت کو بے نقاب نہیں کر سکتی تھی ـــ تبھی کمل نے پلیٹ میں سے کیک کا ایک ٹکڑا انگلیوں میں لیا۔ اور اسے انجنا کے منھ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ذرا جھجکی، لیکن کمل نے زبردستی وہ ٹکڑا اُس کے منھ میں ٹھونس دیا۔

"تمہاری بھی بچوں جیسی عادت ہے۔ پونم !" کمل نے کہا۔

"کیا ـــ ؟ ـــ" بھرے ہوئے منھ سے انجنا پھسپھسائی۔

"زبردستی کھلانا پڑتا ہے !"

یہ سن کر وہ ہنسنے لگی۔ ایک مدت کے بعد کمل نے اس کے چہرے پر رونق دیکھی تھی۔ ٹھیک بچوں جیسی رونق۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے وہ خاموش ہو گئی، جیسے اُسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔

"کیوں ـــ کیا ہوا ؟"

"کچھ نہیں ـــ لیکن لوگ کیا سوچیں گے ؟"

"پھر وہی۔ دل نے ہنسنا چاہا۔ تم ہنسنے لگیں۔ غم تو قسمت نے دے ہی رکھا ہے پونم ! لیکن اُس بوجھ کو ہلکا کرنا تو اپنے بس میں ہے۔"

انجنا نے رُخ بدل لیا۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیگ میں سے رومال نکال کر منہ صاف کیا اور پھر بیگ میں سے ایک ڈبیا نکال کر کمل کو پیش کر دی۔ وہ حیران ہو کر پہلے انجنا اور پھر اُس بند مخملی ڈبیا کی طرف دیکھنے لگا۔ کمل نے وہ ڈبیا تھام لی اور اُسے آہستہ کھولا۔ اس میں سونے کے کف لنکس کی جوڑی تھی۔

"یہ کیا ـــ ؟"

"ایک ناچیز تحفہ۔ آپ کے جنم دن پر۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت تھی؟"

سب کے سامنے دینے کی جرأت نہ کر سکی۔ قیمتی چیزوں میں یہ معمولی سی چیز شاید شوبھا نہ دیتی۔"

"نہیں پونم ـــ سچے دل سے دی ہوئی کوئی معمولی سی چیز بھی کوہ نور ہیرے سے کم نہیں ہوتی اور پھر یہ تو قیمتی تحفہ ہے۔ ایک خوبصورت تحفہ"

"اگر آپ اِسے قبول کر لیں تو......"

تحفہ لے کر کمل نے اُسے جیب میں رکھ لیا اور شکر گذار نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا:۔ "میرے لیے یہ تحفہ بہت قیمتی ہے پُونم۔ جب بھی میں اِسے اپنی باہوں میں ٹانکوں گا۔ تمہاری معصوم صورت میرے سامنے آجائے گی۔"

مہمانوں میں ایک شور بلند ہوا۔ اور چند ایک کمل کی جانب بڑھے انھوں نے سب مہمانوں کی طرف سے محفل کو رنگین بنانے کے لیے ایک گانے کی فرمائش کی۔ وہ اُسے کھینچ کر لے جا رہے تھے کہ انجنا نے پوچھا:

"آپ گاتے بھی ہیں۔"

"صرف گاتے ہی نہیں، خوب گاتے ہیں۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔ ـــ اور کمل کو گھسیٹتا ہوا محفل کے درمیان لے گیا۔ کمل کو مجبوراً ان کی فرمائش پر ایک غزل گانی پڑی۔ اُس کی دلسوز آواز انجنا نے پہلی بار سُنی تھی، اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ کہ کمل بابو اتنا اچھا گاتے بھی ہیں۔

جھیل کا کنارہ ـــ محفل کی خاموشی اور دور تک پھیلے ہوئے پہاڑوں کی دُلہن صورت گل پوش چوٹیوں کا منظر دل سوزی میں اور بھی اضافہ کر رہا

تھا۔ انجنا کو محسوس ہوا جیسے وہ اشعار کسی غزل کے نہ ہو کر اس کے اپنے دل کے ٹکڑے ہوں جو اس وقت اس کے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔

محفل ختم ہو گئی۔ مہمانوں کا جھمگٹا لمحہ بہ لمحہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ ہر کوئی اس پر مسرت تقریب پر کمل کو مبارکباد دیکر آگے بڑھ جاتا تھا۔ انجنا چپ چاپ ایک کونے میں کھڑی ان لوگوں کو دیکھتی رہی۔ جو ایک خاص انداز سے کمل کے قریب آتے اور اپنے دل کی بات کہہ کر رخصت ہو جاتے۔

آخر جب کلب کا لان خالی ہو گیا۔ تو کمل انجنا کے پاس آیا جو اب بالکل تنہا رہ گئی تھی، اور گھر جانے کے لیے اس کی اجازت کا انتظار کر رہی تھی۔ انجنا نے دھیمی آواز میں کمل سے پوچھا:

"اب میں جاؤں ؟"

"نہیں ـــ شام گہری ہو رہی ہے ۔ اکیلا جانا اچھا نہیں۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔"

"لیکن آپ ...... ؟"

"مجھے بھی اسی راستے سے گھر لوٹنا ہے ۔ اور پھر بابوجی کیا سوچیں گے، اس وقت تمہیں ناؤ میں اکیلا بھیج دیا۔"

آخر وہ اس کی تجویز مان گئی اور کشتی بان کو چھٹی دیدی۔ وہ اس سے پہلے جھیل کے گرد والی سڑک پر کبھی نہ گئی تھی۔ اکثر وہ اس سڑک کو اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا کرتی ۔ آج وہ اسے گھوم کر دیکھ لینا چاہتی تھی۔ وہ کمل کا اشارہ پاتے ہی اس کی جیپ گاڑی میں جا بیٹھی۔

تبھی اسے یاد آیا کہ بابوجی کے لیے چند دوائیاں بازار سے لے جانی ہیں۔ سامنے کا بازار ابھی تک کھلا تھا، اس نے کمل سے جیپ گاڑی چلانے

کو کہا۔ اور بولی :۔

دواؤں کی کسی دکان کے سامنے روک لیجئے گا۔"

"کیوں ؟"

"بابو جی کے لئے کچھ دوائیاں لینی ہیں نوکر کو نسخہ دینا بھول گئی تھی۔"

کمل نے جیپ گاڑی کو سٹارٹ کیا۔ اور چند منٹوں میں ہی ایک کیمسٹ کی دوکان کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا انجنا جلدی سے نیچے اتری اور دوکان کی جانب بڑھی۔ کمل نے گاڑی کی چابی کھینچی اور انجنا کے ساتھ ہی چلا آیا۔

انجنا نے کاؤنٹر پر جاتے ہی بیگ سے نسخہ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا سیلز مین نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ نسخہ کی دوائیاں لاتا، وہ ایک دم بول اٹھا: "انجو تم ....!"

انجو نے اسے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ نسخے کو ہاتھ میں لئے پھر بولا :

"پہچانا نہیں تم نے؟ ــــ میں راکیش ہوں۔ لکھنؤ میں ہم تم ایک ساتھ ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے۔"

"شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ــــ میں 'انجو' نہیں 'انجنا' ہوں اور میں کبھی لکھنؤ نہیں گئی۔" انجنا نے پختہ آواز میں یہ سب کہا۔ راکیش جو اسے ابھی تک پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ــــ فوراً بولا :

"آئی ایم ساری ــــ میڈم!"

راکیش نسخہ لے کر اندر چلا گیا۔ انجنا چپ چاپ کھڑی اپنی کپکپاہٹ پر قابو پاتی رہی۔ کمل جو یہ سب کچھ سن رہا تھا، بیساختہ ہنس دیا۔ انجنا اور بھی گھبرا گئی ــــ اس پر کمل نے کہا :۔

"اس میں اس کا کوئی دوش نہیں پونم۔ بعض اوقات ملتے جلتے چہرے انسان کو چکر میں ڈال دیتے ہیں۔ یاد ہے پہلی بار جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو میں بھی چکرا گیا تھا۔"

راکیش کاؤنٹر پر واپس آ چکا تھا۔ وہ بولا: "جی ہاں میں بھی انہیں دیکھ کر چکرا گیا تھا۔ دراصل انجنا نام کی ایک لڑکی میرے ساتھ کالج میں پڑھتی تھی اس کی صورت ہو بہو ان سے ملتی تھی۔"

انجنا جلدی سے وہ دوائیاں سمیٹنے لگی۔ جو راکیش نے لا کر اس کے سامنے رکھدی تھیں۔ کمل نے سرسری طور پر پوچھا:

"پونم ـــ تمہاری کوئی جڑواں بہن تو نہیں؟"

"نہیں ـــ" اس کے بدن میں دوڑتا ہوا خون لمحہ بھر کے لیے رُک گیا۔

"ٹھہریئے! شاید میرے کالج کے گروپ میں اس کا فوٹو بھی ہو ـــ"

راکیش نے بل بنا کر کہا اور اندر کی طرف جانے لگا۔

"رہنے دیجئے۔ ہمیں بہت جلدی ہے۔ پھر کبھی سہی ـــ" انجنا نے یہ کہہ کر اسے روک دیا۔ اور بل کے پیسے چکا دیئے۔ وہ اپنی گھبراہٹ کو ضبط کئے کمل کے ساتھ باہر جانے لگی۔ تبھی راکیش نے انہیں پکارا وہ بقایا لینا بھول گئی تھی۔

اس کی پریشان اور اُلجھی ہوئی صورت کو اس دوران میں کمل نے کئی بار غور سے دیکھا۔ جیپ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے پوچھا:

"آج کچھ پریشان لگتی ہو پونم؟"

"نہیں تو۔ گھر لوٹنے میں دیر ہو گئی ہے۔ بابو جی کیا سوچیں گے؟"

یہ سنتے ہی کمل نے جیپ گاڑی چلا دی۔

کمل اور انجنا جب صدر ہال میں داخل ہوئے تو شام رات کے پہلے پہر میں بدل چکی تھی۔ انجنا کا دل خوف سے کانپ رہا تھا۔ لالہ جگن ناتھ آتشدان کے سامنے بیٹھے آگ تاپ رہے تھے اور شانتی راجیو کا ایک سوئیٹر بن رہی تھی ان کی آہٹ پا کر دونوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھیں جگن ناتھ بہو کو دیکھ کر مسکرا دیئے۔

انجنا نے قریب آتے ہی ان کے پیروں کو چھوا۔ اور وہ تمام دوائیاں جو وہ ان کے لیے لائی تھی۔ بیگ سے نکال کر سامنے کے میز پر رکھ دیں۔ لالہ جی نے دلار سے کہا۔

"تم نے کیوں تکلیف کی بہو۔ رنگا کو نسخہ دے دیا ہوتا۔"

"تکلیف کیسی بابو جی۔ اور پھر اس طرف میں گئی ہی تھی۔ سوچا لیتی چلوں۔"

"اور تم کہو بھائی برتھ ڈے کیسا رہا؟ لالہ جگن ناتھ نے رخ بدل کر کمل سے پوچھا۔

"بہت ہی اچھا۔ آپ لوگ وہاں نہ تھے۔ بس اس بات کا رنج تھا۔"

"لیکن ہمارا نمائندہ ہماری بہو جو تھی۔ بے چاری گھر میں بیٹھی بیٹھی گھٹن محسوس کرتی رہتی ہے۔ سوچا ذرا ماحول کی تبدیلی ہو جائے گی۔

"یہ تو انسان کی فطرت ہے۔ کہ وہ تبدیلی چاہتا ہے۔" کمل فوراً کہہ اٹھا اور اس بات کی تصدیق کے لیے اس نے انجنا کی طرف دیکھا۔ وہ یہ سن کر جھینپ گئی۔ اور اندر جانے کے لیے بڑھی۔

"راجیو سو گیا ہے بہو" شانتی نے کہا۔

"دودھ پی لیا تھا؟"

"ہاں — دودھ بھی پی لیا۔ اور تمہیں یاد بھی نہیں کیا۔"
اسی اثنا میں گھر کی نوکرانی رمیّا کافی کی ٹرے تھامے اندر داخل ہوئی۔
لالہ جگن ناتھ نے کمل کو روک کر کہا۔
"لو خوش نصیب ہو کافی آ گئی۔"
"آپ تو جانتے ہیں — کافی کا پیالہ میری کمزوری ہے۔"
زینے کی طرف بڑھتے ہوئے انجنا کے قدم رُک گئے۔ اس نے رمیّا کو جانے کا اشارہ کیا اور خود آ کر کافی بنانے لگی۔ کمل نے اپنے سرد ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑا اور انہیں آگ کے قریب لے گیا۔ تبھی شانتی نے اس پر حملہ کیا۔
"اب تو تو شادی کر لے کمل — جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے۔ گھر لوٹے گا تو کم از کم کافی تو ملے گی بیوی کے ہاتھوں —"
شادی کا مشورہ سنتے ہی جیسے اس کے تن بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی ہو۔ چہرہ سُرخ ہو گیا وہ آتشدان کا سہارا چھوڑ کر دوسری طرف ہو گیا۔ اور پھر آہستہ سے بولا —
"نہیں ماں — ایسا پھر کبھی نہ کہیئے گا۔ آپ تو جانتی ہی ہیں میرے زخموں کو۔"
"ہاں جانتی ہوں — لیکن ایک نہ ایک دن تو تمہیں ان بندھنوں میں پڑنا ہی ہے پھر ہر گھڑی ایک سمان نہیں ہوتی جہاں اندھیرا ہے وہاں دھوپ بھی ہے۔"
"تم بھی بیکار اس سے الجھ پڑیں۔" لالہ جگن ناتھ نے شانتی کا منہ بند کر دیا اور پھر بولے۔ "سیدھی بات کہہ دے نا کیدار بابو کا آیا ہے۔

انہوں نے ایک لڑکی دیکھ رکھی ہے"
"وہ تو دن رات لڑکیاں ہی دیکھتے رہتے ہیں آپ انہیں لکھ دیجئے مجھے اُن کی پسند سے بیاہ نہیں کرنا۔"

انجنا جو اس بحث کو سمجھ نہ سکی تھی۔ اُس کے قریب چلی آئی۔ اور کافی کا پیالہ پیش کرتے ہوئے بولی۔ "کافی"!

وہ انجنا کو مقابل پاکر جھینپ سا گیا۔ اور کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھ کر اس نے پیالہ لے لیا۔

"نادان نہ بنو بیٹا۔" شانتی پھر بولی۔ "ان کی پسند نہیں۔ تو اپنی پسند کی لے آنا۔ لیکن جب تک تو کوشش نہ کرے گا کیسے ملے گی وہ لڑکی۔"

"لیکن کتنی لڑکیاں ہیں ماں — اس سنسار میں۔ جو تمہاری بہو کی طرح اپنا سب کچھ کھو کر بھی — اپنے آپ میں سمٹ جانے کو ہی جیون سمجھتی ہیں کمل نے کہا۔ اور لمبے لمبے گھونٹ بھرتے ہوئے پیالہ خالی کر دیا۔ ابھی انجنا اس کی بات کی تہ تک ہی نہ پہنچی تھی۔ کہ وہ سب کو نمسکار کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ لالہ جگن ناتھ اور شانتی چپ چاپ اُسے دیکھتے رہ گئے۔

انجنا نے دوسرا پیالہ بابوجی کو دیتے ہوئے شانتی سے پوچھا۔

"وہ شادی بیاہ کے ذکر سے اتنا گھبراتے کیوں ہیں — ماں جی"؟

'وہ بھی سچا ہے۔ بہو۔ ! اُس کی زندگی میں ایک ایسی واردات ہو چکی ہے کہ ایسے بندھنوں سے اس کا وشواس اُٹھ گیا ہے ایک تم ہی ہو۔ جس سے وہ ہنس کے بات کر لیتا ہے۔ ورنہ کسی عورت کے سامنے آنے سے گھبراتا ہے"!

"کیوں — ؟"

"بے چارے کا دل ٹوٹ گیا اُس دن جب اُس کی بارات دُلہن کے گھر سے خالی لوٹ آئی —"

"کیوں — ؟" انجنا نے چونک کر پوچھا۔

"دلہن شادی کے روز ہی گھر سے بھاگ گئی تھی۔ اُس بدبخت نے بے چارے کی عزت اور دل دونوں کو چھلنی کر دیا۔"

"کب کی بات ہے ؟"

"چار مہینے پہلے۔"

"بارات کہاں گئی تھی۔ ؟"

"گنگا نگر۔۔۔"

"گنگا نگر۔۔۔ وہ سٹ پٹا گئی۔

"ہاں بہو۔ وہاں کے ایک بڑے وکیل کے گھر رشتہ ہوا تھا کمل کا۔ رائے زادہ کشن کے گھر۔"

انجنا نے جب اپنے ماموں کا نام سُنا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ اپنے آپ میں نہ رہی۔ وہ اپنے ہی بوجھ سے جیسے فرش میں دھنسی جا رہی تھی کچھ دیر کی اس عجیب سی خاموشی کے بعد لالہ جگن ناتھ نے کہا۔

"تبھی سے وہ بیاہ شادی کے ذکر پر جھنجلا جاتا ہے۔ جیسے اسے عورت ذات سے نفرت ہو گئی ہو۔۔۔۔"

لالہ جگن ناتھ نے آہ بھری اور کمل کے دل کے درد کی ترجمانی کر دی انجنا کے سپنوں کو جیسے اچانک اندھیروں نے ڈس لیا اسکے دل کی تھرتھراہٹ میں خوف لہرانے لگا۔ وہ وہاں سے چپ چاپ اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ وہ کمل جسکے بارے میں سوچ سوچ کر اسکے دل میں گدگدی سی ہونے لگتی تھی۔ آج اسکے نام سے ہی اسے خوف آنے لگا تھا۔

کچھ دیر کے بعد وہ بلا وجہ جانے کیوں اپنی خوابگاہ کی کھڑکی کے پاس جا کر گم سُم کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنے سامنے پھیلی ہوئی آس جھیل کو ایک ٹک دیکھ رہی تھی، جو آج ایک ہمہ گیر تودے جیسی لگ رہی تھی۔ اُسے ایسا لگا جیسے آج وادی کی سرد ہواؤں نے پانی کی لہروں کو برف کے فرش میں بدل دیا ہے اور وہ دیوانہ وار ننگے پاؤں اس پر دوڑی چلی جا رہی ہے۔ ایک ایسی منزل کی تلاش میں جو اچانک کسی زلزلے کی زد میں آ کر اُن برف کے تودوں کے نیچے دھنس کر گم ہو گئی ہے۔ اور دھیرے دھیرے وہ برفانی آگ اس کے تلوے چاٹ کر اُسے بھی نگل جانے والی ہے۔

(۹)

راکیش الماری میں دوائیوں کی شیشیوں کو قرینے سے رکھ رہا تھا کہ اس کی نگاہیں اچانک کسی صورت کا عکس دیکھ کر کپکپا گئیں اس نے غور سے شیشے میں پھیلے دھندلے عکس کو دیکھا اور پھر جھٹ سے پلٹ کر انجنا کی طرف دیکھا، جو ابھی شو کیس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

راکیش نے آج پھر گہری نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ اور قریب آتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

"گڈ مارننگ۔ میڈم"

انجنا نے مسکرا کر اُس کے سلام کا جواب دیا۔ اور مطلوبہ دوا کا نسخہ سامنے رکھ دیا۔ راکیش نے محسوس کیا کہ آج اُس کے چہرے پر اُس دن کی سی گھبراہٹ نہ تھی۔ وہ جلدی سے نسخہ کے مطابق دوا نکال کر

اُس کے سامنے لے آیا۔ اور بولا ـــــ

"چار روپے ــ پچاس پیسے ــ!"

"آپ یہاں دوائیوں کا یہ کام کب سے کر رہے ہیں۔"؟ انجنا نے بیگ میں سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"کالج کے فوراً بعد سے ـــ ایک برس کے لگ بھگ ہو گیا ہے۔" اُس نے قدرے رُک رُک کر کہا۔ اور اپنے ملازم کو سو کے نوٹ کے چھوٹے نوٹ لانے کے لیے بھیج دیا۔ انجنا نے کہا "آئی ایم ساری"! آج میرے پاس ایک بھی چھوٹا نوٹ نہیں ہے۔"

"میں بھی صبح صبح بس پہلے گاہک کا مُنہ دیکھ رہا ہوں۔" لیکن یہ کہتے ہوئے وہ جھینپ سا گیا۔

"اُس دن آپ نے اپنی کسی کالج میٹ کا ذکر کیا تھا" انجنا نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"او ــ آپ انجنا کی بات کر رہی ہیں۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ میری اس دن کی بات سے شاید برا مان گئی ہوں گی۔ یقین کیجیے۔ اس کی صورت ہو بہو آپ سے ملتی تھی۔"

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ کے پاس اُس کی تصویر بھی ہے"!

"جی ـــ" راکیش نے کہا۔ اور جھٹ سے اپنے میز کی ایک دراز کھول کر اُس تصویر کو باہر نکال لیا۔ جو کالج گروپ کی تھی۔ اور شاید اُس روز انجنا کے جانے کے فوراً بعد اُس نے تلاش کر کے دراز میں رکھ لی تھی۔

انجنا نے جوں ہی اپنی کانپتی ہوئی انگلیوں سے اُس تصویر کو تھاما، راکیش کہہ اٹھا۔

"آپ خود ہی ۔۔۔ دیکھ لیجئے ۔۔۔ کتنی صورت ملتی ہے اُس کی آپ سے ۔ یہ رہی دوسری قطار میں تیسرے نمبر پر۔"

"کیا نام تھا ۔۔۔ اُس کا ۔۔۔؟" انجنا نے انجان بن کر اپنی تصویر کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"انجنا ۔۔۔ لیکن کالج میں اکثر اُسے انجو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔"

"عجیب اتفاق ہے کہ سچ مچ ہی یہ میری دوسری صورت ہے۔"

تبھی کسی آہٹ نے اُسے چونکا دیا اس نے پلٹ کر دیکھا سامنے سے اسے کمل آتا دکھائی دیا۔ کمل نے کاؤنٹر کی جانب بڑھتے ہی راکیش سے بلیڈ کا ایک پیکٹ طلب کیا اور پھر انجنا کی طرف دیکھ کر "ہیلو" کہا۔ کمل کو اس طرح سامنے پاتے ہی انجنا جیسے پتھر کا بت بن گئی اور اس کے ہاتھ میں سے وہ تصویر پھسل کر فرش پر جا گری۔

"ہیلو" انجنا نے مرجھائی ہوئی بلکہ مردہ آواز میں کہا۔

راکیش نے اس کے ایک دم زرد پڑ گئے چہرے کی طرف دیکھا اور اس احتیاط سے جھک کر تصویر اٹھا لی کہ کمل کی اس پر نظر نہ پڑ سکی۔

"دوا لینے آئی تھی ۔۔۔"

"انکل کے لیے ۔ ۔ ۔ ۔"

"نہیں راجیو کے لیے ۔ ۔ ۔"

کیوں ۔ خیریت تو ہے؟"

معمولی کھانسی کی شکایت ہے۔"

"او..... ایسی بات تھی۔ تو کسی نوکر سے منگوالی ہوتی۔"

"یوں ہی خود ہی چلی آئی سوچا ذرا ہوا خوری ہی ہو جائے گی"۔

راکیش نے اپنے ملازم کے ہاتھ سے سو کا نوٹ واپس لے لیا، جیسے اس کا چھٹا نہ ملا تھا۔

راکیش نے وہ نوٹ انجنا کو لوٹاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ پھر کبھی دے جائیے گا۔"

"کتنے کا بل ہے؟" کمل نے پوچھا۔

"چار روپے پچاس پیسے۔"

کمل نے فوراً دس کا نوٹ سامنے رکھ دیا۔ اور کاؤنٹر پر رکھا ہوا ہینڈ کا پیکٹ اٹھا کر دونوں چیزوں کا بل چکا دیا۔ انجنا جو پہلے ہی گھبراہٹ سے گم سم کھڑی تھی کچھ نہ بولی۔ کمل کا اشارہ پاتے ہی اس کے ہمراہ دکان سے باہر چلی گئی۔

نہ جانے راکیش کیوں دیر تک کھڑا اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس تصویر کو ایک طرف رکھ کر انجنا کے چہرے کو ناپنے لگا۔ اور اسے محسوس ہوا جیسے اس پونم اور کالج کی انجنا کے درمیان کوئی گہرا راز ہے۔

"چلئے میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں" دکان سے باہر آکر کمل نے کہا۔

"ایسی بھی کیا۔ میں چلی جاؤں گی۔"

"لیکن آپ کی گاڑی....."

"آپ سے کہا نا۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے جی اکتا یا تو سیر کرتے بازار تک نکل آئی۔"

"برا ایک خیال ہے۔ آخر گھر کی تھن کوئی کب تک بیٹھ سکتا ہے۔"

"جی" وہ یہ سنتے ہی چونک گئی۔

اور پھر فوراً بات بدلتے ہوئے بولی۔

"آپ لگ بھگ ایک ہفتہ سے ہمارے یہاں نہیں آئے۔"

"دورے پر گیا ہوا تھا — کل شام ہی لوٹا ہوں۔"

"بابوجی آپ کا کئی دنوں سے انتظار کر رہے تھے۔"

"وہ کیوں —؟"

"شاید آپ کے ڈیڈی کا خط آیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ سڑک کے کنارے کی طرف بڑھی۔

"میں جانتا ہوں —" وہ بھی اُس کے ساتھ ہو لیا۔

"کہتے تھے۔ کوئی ضروری کام لکھا ہے۔"

"اس کام کی بھنک میرے خطوں میں بھی موجود ہے۔"

"کیا ہے —؟"

"شادی کا چرچا ہے۔ انہوں نے ایک لڑکی دیکھ رکھی ہے، اتفاق سے آج کل وہ نینی تال میں آئی ہوئی ہے۔ اپنی ممی کے ساتھ۔"

"تب . . . . ؟"

"ڈیڈی نے لکھا ہے — اسے جا کر دیکھ لوں۔"

"خیال تو برا نہیں۔"

"وہ کیوں —؟"

"منزل خود چل کر مسافر تک آ پہنچی ہے۔"

"لیکن مجھے اس منزل کی تلاش نہیں ہے۔"

"کیوں ؟"

"سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے شادی بیاہ سے نفرت ہو چکی ہے"

"شادی بیاہ سے نہیں — بلکہ عورت ذات سے۔"

"پونم..." وہ تھرتھرا کر کہہ اٹھا۔

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ اور اس کی جھینپی ہوئی نگاہوں کو دیکھنے لگی۔ جو اس سے کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن جرات نہ کر سکتی تھی۔

"میں سب جانتی ہوں۔ ماں جی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔" انجنا نے آہستہ سے کہا۔ اور جھیل کے کنارے ایک پتھریلے بنچ پر بیٹھ گئی۔ کمل نے جو اپنی جیپ گاڑی کو بازار کے نکڑ پر چھوڑ کر ٹہلتے ٹہلتے انجنا کے ہمراہ دور تک نکل آیا تھا، پہلے انجنا کی طرف اور پھر اس گہری نیلی جھیل کی طرف دیکھا اور بولا —

"جب ماں جی سے سب سن لیا ہے تو پھر میرے دل کا درد بھی سمجھ لیا ہوگا۔

"ہاں اور ایک بات اور بھی ہے"

"کیا —؟"

"شاید بھگوان کو وہ رشتہ پسند نہ تھا۔ تبھی تو اس نے وہ بندھن بننے سے پہلے ہی توڑ دیا۔"

"لیکن دنیا والے تو کہتے ہیں کہ یہ رشتے جنم جنم کے ہوتے ہیں۔ یہ کبھی ٹوٹا نہیں کرتے۔"

"لیکن یہاں تو ٹوٹ گئے۔"

"شاید اس لیے ٹوٹ گئے کہ اصلی بندھن اس لڑکی سے ہونے والے ہوں۔ جو اب نینی تال میں آپ کے لیے آئی ہے۔"

"نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔
"کیوں نہیں ہو سکتا" یوں بھی شادی کے بنا زندگی ایک بوجھ سا بن کر رہ جاتی ہے۔
کمل نے فوراً رخ بدل لیا۔ اور ایک کنکر جھیل میں پھینکتے ہوئے اس نے انجنا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھی اس جھیل کی طرح گہری تھیں۔ انجنا کی آنکھوں کی گہرائی میں جھانکتا ہوا بولا۔
"اگر یہ بات سچ ہے۔۔ تو پھر تمہاری زندگی کیوں ایک بوجھ بن گئی۔ پونم۔۔! جو شادی بیاہ کے خواب دیکھ کر آسمان میں اڑنے کی تمنا رکھتی تھی اور آج زمین میں دھنس کر رہ گئی ہے۔!
"یہ آپ سے کس نے کہا؟"
"تمہارے نصیب نے۔ کیا یہ غلط ہے کہ جس کا بچپن ابھی جوانی میں بھی تبدیل نہ ہوا تھا۔ اُسے ایک بیوہ کی زندگی ملی۔ جو اب ایک ننھے بچے کی ماں ہے۔ اور اسے زندگی کا یہ بوجھ اُٹھائے اٹھائے میلوں چلنا ہے۔ برسوں تک اپنی بدبختی کے سایوں تلے پناہ لینی ہے۔"
"نہیں کمل۔۔ شاید تم نے مجھے غلط سمجھا ہے! میں اِسے زندگی کا بوجھ نہیں سمجھتی" اُسی پھول کی مسکان تو میری زندگی ہے۔ میرے خواب ہیں۔۔ اور اُن کی یاد میرے سہارے۔۔ کون کہتا ہے۔ کہ میں ایک بیوہ ہوں۔ بے بس مجبور ہوں۔۔!
اس کی یہ بات سن کر کمل کے ارادوں کو ایک دھچکا سا لگا۔ اور اب جو اُس نے اپنی نظریں انجنا سے ملائیں تو اُس کی پلکوں سے آنسو پھسل کر موتیوں کی طرح بکھر گئے وہ اپنی اس بحث کی وجہ سے شرمندہ

ہو گیا۔ اور ایک دوسرا کنکر جھیل کے پانی میں پھینکتے ہوئے بولا ـــ

"مجھے بے حد افسوس ہے ـــ میں نے تمھیں خواہ مخواہ دکھ پہنچایا۔"

"دکھ کو سکھ میں بدلنا چاہو ـــ تو اتنا مشکل نہیں ـــ"

"میں سمجھا نہیں ـــ"

"میری بات کو مان کر ـــ"

"وہ کیسے"؟

"اپنے ڈیڈی کا کہنا مان کر لڑکی دیکھ لو ـــ فیصلہ خود بخود ہو جائے گا۔"

"لیکن تمھیں کیا پتہ۔ مجھے کیسا جیون ساتھی چاہیئے؟ ـــ"

"دل کی بات کہہ دو۔ ویسا ساتھ ڈھونڈ لیں گے۔"

"اب تو صورت سے زیادہ سیرت جاننا چاہوں گا ـــ ایک ایسی لڑکی جو اپنے پتی کے بنا اس دنیا میں اور کچھ نہ سوچ سکے۔ اس میں تم جیسا آدرش ہو ـــ جو اپنے لیے نہیں ـــ دوسروں کے لیے جینا جانتی ہو۔"

"تمھیں کیا معلوم وہ تمھارے اس تصور سے بھی زیادہ بلند ہو ـــ ایک نظر دیکھ تو لو ـــ اُسے"۔

"ایک نظر میں کسی کے دل کی کیفیت کیسے جانی جا سکتی ہے۔!

"واہ ـــ پرکھنے والے کسی کی ایک ہی ادا سے اس کے دل کی گہرائی کو پہچان لیتے ہیں"۔

"آئینہ کو دیکھتے ہی پتہ چل جاتا ہے ـــ میل کہاں جما ہوا ہے۔"

"تو ایک کام کرو ـــ پونم۔"

"کہو"۔

"اُس کو پرکھنے کے لیے تم میرے ساتھ چلنا۔"

"میں ... میں ..." وہ گھبرا گئی۔ "میں وہاں کیا کروں گی؟"

"اپنی پرکھنے والی نظروں سے اُس لڑکی کو جانچنے۔ اگر تمہیں پسند آگئی تو میں انکار نہ کروں گا۔"

"میری پسند غلط بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"نہیں۔ پونم! تم جیسی آدرش ناری کبھی میرے لیے غلط لڑکی نہ چن سکے گی۔ اور تم اُس سے بات چیت میں وہ سب کچھ پوچھو گی جو میں نہ پوچھ سکوں گا۔ اس سے۔"

انجنا کے لیے کمل نے ایک نئی پہیلی کھڑی کر دی۔ اُسے ایک نئے چکر میں ڈال دیا۔ وہ کوشش کرنے پر بھی اُس کی بات سے انکار نہ کر سکی۔

وہ چلا گیا لیکن انجنا اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکی۔ وہ وہیں بیٹھی رہی۔ اور جھیل کی اُن خاموش گہرائیوں کو دیکھتی رہی، جو اُس کے دل کی طرح گہری تھیں۔ اور ان گہرائیوں میں اُس کی بیابان زندگی گھٹی ہوئی تھی۔ بار بار اس کے کانوں میں کمل کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔

"اب تو بس ضرورت سے زیادہ میں جاننا چاہوں گا۔ ایک ایسی لڑکی جو اپنے پتی کے بنا اس دنیا میں اور کچھ نہ سوچ سکے۔ اُس میں تم جیسا آدرش ہو۔ جو اپنے لیے نہیں۔ دوسروں کے لیے جینا جانتی ہو۔"

کمل اسے پسند کرتا تھا۔ اُسنے کبھی کبھی اُس کی ہتھیلیوں میں اپنی تصویر ناچتی دیکھی تھی۔ اور اپنے دل میں اس کے لیے کشش محسوس کی تھی کئی بار تو اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ جرأت کر کے اُس سے سب کچھ کہہ دے کہ

جس دُلہن کے آنچل سے اس کا پلّو باندھا جانے والا تھا، وہ وہی بدنصیب ہے۔ جس کی اب اگنی پریکھشا ہو رہی ہے۔ لیکن وہ ایسا کہنے کی ہمت نہ کر سکی تاکہ وہ تصویر جو آج ایک دیوی کی طرح اس کی آنکھوں میں سمائی ہوئی تھی۔ کہیں گرد کر دھرتی کی دُھول میں نہ دب جائے۔

یہ سوچتے ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے دل کے درد نے کروٹ لی اور وہ تڑپ کر رہ گئی۔ وہ حقیقت سے منہ موڑنا چاہتی تھی۔ وہ آج کو بھول کر کل کے سپنوں میں کھو جانا چاہتی تھی لیکن اس کا ماضی ہر قدم پر سامنے آکر اُس کے آنچل سے لپٹ جاتا تھا۔ وہ جتنا اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھی۔ وقت اتنا ہی اسے بے نقاب کرنے پر تلا ہوا تھا۔

اُس نے رُخ بدل کر دیکھا۔ کمل نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا ٹھیک اُسی طرح جیسے کبھی وہ اس کی زندگی سے اوجھل ہو گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گئی وہ رینساں ن جھیل میں ایک کشتی چلی جا رہی تھی اسی کی طرح اکیلی — تنہا —!

(۱۰)

پالیٹن ہوٹل کے بیرونی چبوترے پر انجنا اور کمل ایک کونے میں بیٹھے بے چینی سے اُس لڑکی کا انتظار کر رہے تھے جو ٹھیک پانچ بجے وہاں آنے والی تھی۔

دونوں چپ چاپ بیٹھے کافی پی رہے تھے اور کبھی کبھی ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھ لیتے تھے۔ ہوٹل کے ہال میں سے مغربی موسیقی

کی دُھن لگاتار اُن کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"وہ لوگ ابھی تک نہیں آئے ـــ" مٹا کمل نے کہا۔

"ایسی بھی کیا بے تابی ـــ پانچ دس منٹ کی دیر تو ہو ہی جاتی ہے لڑکیوں کو بنتے سنورتے ـــ" انجنا نے دلی مسکراہٹ سے کہا۔ کمل اُس کی بات سُن کر جھینپ گیا۔ اور پھر کافی کی چسکیاں بھرنے لگا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انجنا بولی ـــ

"ایک بات کہوں ـــ؟"

"ہوں ـ"

"آج فیصلہ ہو ہی جانا چاہیئے۔"

"وہ کیوں ـــ؟"

"کم از کم مجھے کوئی ساتھی تو مل جائے گی دل کی بات کہنے کے لیے۔"

"یعنی تم مجھے اس لیے اس مصیبت میں پھنسانا چاہتی ہو ـــ تاکہ تمھیں کوئی ساتھی مل جائے۔"

"مجھے ہی نہیں ـــ ہم دونوں کو۔"

"پہلے لڑکی کو تو پسند کر لو ـــ"

"میرا دل گواہی دیتا ہے وہ ضرور اچھی ہوگی۔"

"اور اگر وہ آئی ہی نہ تو . . . . . "

"تو . . . . . تو . . . . ایسا ممکن نہیں۔" وہ گھبرا کر بولی۔ اُس کی اس گھبراہٹ پر کمل کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ کافی کا پیالہ تھرا کر اُس کے ہونٹوں سے الگ ہو گیا۔ اور وہ اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"ایسا لگتا ہے، یونم! تمہیں مجھ سے کہیں زیادہ جلدی ہے میرے

بیاہ کی۔"

"ہاں جلدی تو ہے ہی اور ہو بھی کیوں نا — بابوجی نے ساری ذمہ داری جو مجھ پر ڈال دی ہے۔"

"کیسی ذمہ داری"۔

"تمہیں بیاہ کے لیے راضی کرنے کی۔"

"اوہ — تو یہ سب کچھ تمہیں مجبوراً کرنا پڑ رہا ہے۔"

"نہیں تو... !" وہ گھبرا کر بولی اور جلدی جلدی کافی پینے لگی کمل نے دیکھا اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئی تھیں۔

لمحہ بھر کے لیے وہ اس کے خاموش چہرے کی طرف دیکھتا رہا، پھر بولا —

"ایک بات جانتی ہو پونم —"

"کیا... !"

"آج تم نے میرے دل میں پھر سے عورت کا وشواس بھر دیا ہے اور میں پرانی باتیں بھول کر واقعی جیون ساتھی کے بنا اپنے آپ کو اکیلا پا رہا ہوں —"

"سچ...."

"ہوں۔ یہ حقیقت ہے — میں تم سے نہ چھپاؤں گا —"

تبھی انہوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نظریں اس طرف کھنچ گئیں، جدھر وہ لڑکی اور اس کی ماں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ چونک کر اپنی اپنی جگہوں پر سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔ اور مسکرا کر اُن کا سواگت کرنے لگے۔

"میں ـ مسز کھنہ ہوں۔" اس ادھیڑ عمر کی عورت نے اپنے ہونٹوں کو ذرا سکوڑتے ہوئے ان سے کہا۔ کمل اور انجنا نے ہاتھ جوڑ کر ان کو نمستے کی اور بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔ مسز کھنہ، جس نے اپنی ادھیڑ عمر کو میک اپ اور چمکیلے کپڑوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کر رکھی تھی، کرسی پر بیٹھنے کو بڑھی، اور اپنے تیز تیز سانسوں پر قابو پاتے ہی کمل کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ ہے ـ میری بیٹی ـ کملیش ـ ہم اسے پیار سے کمو کہتے ہیں"

"ممی . . . ." کملیش نے نزاکت سے اپنے بدن کو ایک جھٹکا دیتے ہوئے کچھ اس انداز سے کہا۔ کہ اُس کی بوٹی بوٹی پھڑک اٹھی اور پھر اس نے ایک انوکھے انداز سے کمل کی طرف دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر ایسی دلفریب مسکراہٹ پیدا کی جیسے وہ پہلی نظر میں ہی اس پر مرمٹی ہو۔ کمل ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔

انجنا غور سے دونوں کی نگاہوں کو پڑھ رہی تھی۔ کملیش نے اپنے دوپٹے کو سینے پر سرکاتے ہوئے معصومانہ انداز میں کہا۔

"ممی کا بھی جواب نہیں ـ اب میں کوئی بچی تھوڑی ہی ہوں ـ جو میرا نام بگاڑ کر آپ کو بتائیں۔"

"جی ہاں آپ ٹھیک کہتی ہیں" بنا کچھ سوچے سمجھے کمل نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ہیں ـ کمل سنہا ـ" انجنا نے دونوں کا تعارف کرایا۔

"او ـ ویری گلیڈ ٹو میٹ یو" کملیش نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے

پرندے کی مانند پھُدک کر کہا۔ اور اپنے ہونٹوں کو زبردستی بند کرتے ہوئے شرماسی گئی۔ اُس کی اس ادا میں کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ کمل نے بمشکل سے اپنی ہنسی کو روکا انجانے گفتگو میں قدرے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے مسز کھنہ سے پوچھا۔

"آپ نینی تال پہلی بار آئی ہیں شاید۔!"

"نہیں جی میں تو ہر برس آتی ہوں ـــــ لیکن کمو پہلی بار آئی ہے۔"

"پہلی بار نہیں ممی ـ دوسری بار ـ یاد نہیں ـ دس برس پہلے بھی ہم یہاں آئی تھی۔" کملیش نے جھٹ سے کہہ دیا۔

"ہوش سنبھالنے کے بعد تو پہلی بار ہی آئی ہے نا ـ" مسز کھنہ نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں منعکس اپنی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ آپ کو کیونکر یقین ہے۔ کہ آپ کی بیٹی نے آج پوری طرح سے ہوش سنبھال لیا ہے کمل اپنی خاموشی کے پردہ کو الٹ کر فوراً بول اٹھا۔

"جی ـ !" کمل کی بات سن کر مسز کھنہ پر پہلے تو ایک لمحہ کے لیے، سکتہ طاری ہو گیا پھر وہ بے ساختہ ہنسنے لگیں کمل بھی ہنس دیا۔ اُن کی ملی جُلی ہنسی کو دیکھ کر کملیش پھر شرما گئی اور دانتوں میں انگلی دباتے ہوئے بولی۔

"آپ اتنے خوش مذاق ہوں گے۔ مجھے معلوم نہ تھا۔"

"دراصل میں اس بات کا قائل ہوں کہ۔ زندگی بذات خود ایک مذاق ہے۔"

کمل کی بات سن کر اس کے شوخ چہرے پر سنجیدگی کی لہر دوڑ گئی

لیکن انجنا نے ان کے درمیان حائل خلیج کو یہ کہہ کر پُر کر دیا۔
"دراصل یہ موقع تو مذاق کا نہیں لیکن انہیں ایک بہانہ چاہیئے تھا۔ کملیش سے بات کرنے کا۔"
انجنا کی یہ بات سن کر کمل جھینپ گیا اور اس نے سامنے کھڑے بیرے کو آواز دی۔ بیرہ فوراً حاضر ہو گیا۔ اور حکم کا انتظار کرنے لگا۔ کمل نے مینو کارڈ لے کر انجنا کے سامنے رکھ دیا۔ اور وہ باری باری ہر ایک کی پسند پوچھنے لگی اور وہ سب ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے آخر کمل نے اس تذبذب کی بے کیفی سے نجات حاصل کرنے کے لیے کملیش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"کہئے ——— تو میں آپ کی پسند کا آرڈر دے دوں۔"
"شوق سے . . . ."
"ایک سپیشل ٹوٹی فروٹی۔"
"او۔ آپ نے کیسے جانا کہ کمو کی یہی پسند ہے۔"
"ممی۔ پلیز ——!"
"او ——— آئی۔ ایم سوری میرا مطلب کملیش سے تھا۔"
"بچے اکثر ایسی ہی چیزیں پسند کرتے ہیں کمل نے دبی آواز میں کہہ دیا ——— کملیش۔ اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھنے لگی۔ اسے دیکھ کر کمل کے چہرے کا ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ وہ عجیب مخمصے میں گرفتار تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا وہ ایک نظر اس لڑکی پر اور دوسری انجنا پر ڈالتا تھا۔ انجنا اس کی دلی کیفیت

کچھ بھی سمجھ رہی تھی۔

لڑکی الڑھ قسم کی تھی۔ اور ماں بے حد فیشن پرست کمل کو دونوں پسند نہیں آئی تھیں۔ پھر بھی وہ ان کی خاطر تواضع میں لگا ہوا تھا۔ انجنا اور کمل جب کافی دیر تک خاموش رہے تو مسز کھنہ بولی۔

"ویسے تو بچپنا ہے" میری بیٹی میں۔ پھر بھی سوچتی ہوں۔ کوئی اچھا لڑکا ہو۔ تو زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔

"اپنے کمل بابو کو بھی بچپنا بہت پسند ہے" انجنا نے محفل میں گرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ اس کی اس بات سے کمل کو ایک دھچکا سا لگا اس نے ترچھی نظروں سے انجنا کے ہونٹوں میں دبی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھا اور مسز کھنہ" سے مخاطب ہو کر بولا۔

"آپ بجا فرماتی ہیں۔ ہماری پسند تو آپ کی پسند ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے انجنا کی طرف اشارہ کیا۔

"تب تو میں سمجھوں کہ میری کملیش ان کو پسند آگئی؟" کملیش کی ممی نے مسرت سے جھوم کر انجنا کا ہاتھ تھام لیا۔

"جی وہ تو ہے ہی لیکن گھر میں ماں باپ سے مشورہ بھی تو کرنا ہوتا ہے" انجنا ذرا گھبرا گئی اور اس نے آہستہ سے اپنی انگلیوں کو مسز کھنہ کی گرفت سے باہر نکال لیا۔ مسز کھنہ" اور کملیش کے چہرے کا رنگ ذرا دیر کے لیے پھیکا پڑ گیا۔

بیرے نے آکر چائے کی کشتی اور آئس کریم رکھ دی کمل نے اپنے سامنے سے ٹوٹی فروٹ کا گلاس سرکا کر کملیش کے سامنے کر دیا۔ انجنا نے چائے کے پیالے ترتیب سے رکھنے شروع کر دیئے کملیش اپنی

ترچھی نظروں سے بار بار کمل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مسز کھنہ نے اُس کے چٹکی لی۔ اور وہ ماں کا اشارہ سمجھ کر چائے بنانے کے لیے بڑھی اور شکر دانی اٹھائی۔ پھر اس نے کنکھیوں سے کمل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شکر" ــــ

"آدھا چمچ"۔

"اور آپ"

"ایک ــ انجنا نے جواب دیا۔

"آدھا۔ ایک۔ اور ممی ــــ دو۔" کملیش نے گن گن کر ہر ایک کے پیالے میں شکر ڈالی اور پھر پیالوں میں چائے انڈیلنے لگی۔ مسز کھنہ نے پھر بیٹی کی تعریف میں کہنا شروع کر دیا۔

"گھر میں تو یہ بڑی لاڈلی ہے۔ ایک گلاس پانی بھی پینا ہو ــــ تو نوکروں کو آوازیں دینے لگتی ہے۔"

"کیوں نہ دے ــ بھگوان نے کرپا جو کر رکھی ہے" یہ کہتے ہوئے کمل نے کملیش کی طرف دیکھا۔ جس کے ہاتھ چائے بناتے ہوئے کانپ رہے تھے۔

انجنا فوراً بول اٹھی۔

"میکے میں سب لڑکیاں لاڈلی ہوتی ہیں۔ سسرال میں قدم رکھتے ہی سارا لاڈ پیار ماں باپ کے گھر رہ جاتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں بہن۔ لیکن آپ نے ابھی تک اپنا پریچے نہیں کرایا۔"

"میں ... میں"۔ وہ ہکلا گئی

"پونم ...." کمل فوراً بول اٹھا۔ یوں تو رشتہ کچھ نہیں — لیکن پھر بھی میرے بہت قریب ہیں!"

"آپ صاف صاف کہیئے نا ـ" انجنا نے برجستہ کہا۔ اور اپنا تعارف کرا دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا۔ کہ وہ لالہ جگن ناتھ کی بہو ہے۔ جونہی مسز کھنہ نے لالہ جگن ناتھ کے بیٹے کا ذکر کیا' انجنا کا دمکتا ہوا چہرہ مرجھا گیا۔ اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

تبھی کسی کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ پاکر کے انجنا پریشان ہوگئی۔ سامنے کے زینے سے اترتی ہوئی ایک پری چہرہ نازنین کی طرف دیکھتے ہی اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ نازنین اُسے یوں گھور کر دیکھ رہی تھی جیسے وہ اسے پہلے سے جانتی ہو۔ انجنا اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکی اور اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کے لیے اُس نے چائے کا پیالہ ہاتھ میں اٹھا لیا۔ لیکن آخر اسی گھبراہٹ کے مارے اُس کے ہاتھ کانپ گئے اور چائے کا پیالہ چھلک گیا۔ چائے کے کچھ چھینٹے اس کی ساڑھی پر آگرے۔ اس نے پھر اس گھورنے والی پری چہرہ نازنین کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھا اب جو ہال کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں — باتوں میں دھیان کہیں اور چلا گیا ہوگا۔" مسز کھنہ نے اپنے رومال سے اُس کی ساڑھی کے پلّو کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"شاید آپ کا دھیان اس لڑکی کے زرق برق لباس کی طرف کھنچ گیا تھا۔ کملیش نے اُس کی نظروں کی پریشانی سے اندازہ کر کے کہا اور بتایا کہ وہ لڑکی اس ہوٹل کی کیبرے ڈانسر ہے۔"

"آئی ایم۔ساری"۔ انجنا نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اور اپنی کرسی سے اٹھ کر ساڑھی کا پلّو صاف کرنے کے لیے باتھ روم کی طرف چلی گئی۔

اس کے وہاں سے جاتے ہی کمل نے جلدی جلدی چائے پینا شروع کر دی پھر بولا یہ خوش قسمتی کی نشانی ہے۔"

"کیا۔؟ مسز کھنہ چونک اٹھیں

"ساڑھی پر چائے کا گرنا۔"

ایک لمحہ تک دونوں ماں بیٹی کمل کے اس جملہ پر غور کرتی رہیں۔ پھر ایک ساتھ زور سے ہنس پڑیں۔ کمل نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

ہال میں سے گذر کر انجنا جس وقت باتھ روم کے قریب پہونچ رہی تھی، اس کی نگاہ ایک لمحے کے لیے پھر ساکن ہو گئی۔ ہوٹل کی وہ ڈانسر ہال کے ایک کونے میں چند لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ انجنا کو دیکھتے ہی وہ پھر اُسے گھورنے لگی۔ انجنا گردن نیچی کر کے تیزی سے باتھ روم میں داخل ہو گئی۔

اُس کی گھبراہٹ پہلے سے کہیں بڑھ گئی تھی وہ رقاصہ کیوں اس طرح اسے گھور کر دیکھ رہی تھی، اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی وہ اپنے آپ کو دنیا کی نگاہوں سے چھپا کر رکھنا چاہتی تھی لیکن نہ جانے کیسے کوئی نہ کوئی اس کی زندگی کے دوراہے پر آ کر اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگ جاتا تھا۔ اُس کے ذہن میں ابھی تک اس رقاصہ جیسی کوئی صورت نہ آ رہی تھی۔ جو اُس نے کبھی دیکھی ہو اُس نے اپنے ذہن کے پردوں کو الٹ پلٹ کر باری باری اپنے کالج کی تمام لڑکیوں

کے چہروں کو یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی چہرہ بھی تو نہ تھا جو اُس رقاصہ سے ملتا جلتا ہو۔

وہ نل کا سہارا لیئے اپنے آنچل کو صاف کر رہی تھی کہ معاً اس کے کانوں میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی جیسے اس کا دل اچھل کر اس کے حلق میں آ اٹکا۔ اور پھر سامنے کی دیوار پر لگے آئینے میں اس رقاصہ کا عکس دیکھ کر وہ کانپ گئی۔ اب رقاصہ ٹھیک اس کے برابر آکر کھڑی ہو گئی تھی اور اپنے بیگ میں سے لپ اسٹک نکالکر اپنے ہونٹوں پہ لگا رہی تھی۔ اُسے میک اپ کرتے دیکھ کر انجنا نے اپنی نظریں جھکا لیں اور ساڑھی کے پلّو کو جلدی جلدی صاف کرنے لگی رقاصہ نے اس کی طرف شوخ نظروں سے دیکھا اور گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"آنچل پر پڑے دھبّے تو اس پانی سے دُھل جائیں گے لیکن زندگی پر پڑے ہوئے داغ اتنی آسانی سے نہیں دُھل سکتے"۔

یہ جملہ سنتے ہی انجنا پر سکتہ طاری ہو گیا اور وہ ٹکر ٹکر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شوخ مسکراہٹ ابھی تک رقاصہ کے سُرخ ہونٹوں پر ناچ رہی تھی۔ اس نے انجنا کی حیرت کا اندازہ لگاتے ہوئے اُس سے پُوچھا۔

"کیوں کیا خیال ہے انجو۔؟"

"میں سمجھی نہیں۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟" انجنا نے گیلے آنچل کو نچوڑ کر اپنی بانہہ پر پھیلا لیا۔ اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔"

"شاید تم نے مجھے پہچانا نہیں۔"

"کون ہو تم ۔۔۔؟"

"شبنم ۔۔۔ تمہارے بنواری کی شبو"

بنواری کا نام سنتے ہی اُسے لگا۔ جیسے کسی نے اس کے کانوں میں گرم سیسہ انڈیل دیا ہو اس کا بدن برف کی مانند ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جو ابھی تک اسی شوخ انداز سے اس کے چہرے کا مطالعہ کر رہی تھی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو۔ انجو ۔۔۔؟ یہ تمہارے ساتھ دوسرے لوگ کون ہیں؟"

"شاید تمہیں دھوکا ہوا ہے میں انجو نہیں۔ پونم ہوں"۔ وہ کرخت لہجے میں اُس کی بات کا جواب دیتے ہوئے باہر چلی گئی۔ لیکن اُس کے چہرے کی زردی نے شبنم سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ انجو ہی ہے۔ شبنم نے اپنا عکس آئینے میں دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

انجنا جب کمل کے ساتھ اس کی جیپ گاڑی میں بیٹھی اپنے گھر جا رہی تھی تو جیسے اسے چپ لگ گئی تھی آدھا راستہ گذر جانے کے بعد بھی وہ کچھ نہ بولی تو کمل کے اس سوال نے اسے چونکا دیا۔

"کہو ۔۔۔ لڑکی کیسی ہے؟"

"وہ یکایک سنبھلی اور بنا سوچے سمجھے کہہ دیا۔

"بری نہیں ۔۔۔"

"تمہیں پسند ہو ۔۔۔ تو ہاں کہہ دوں"۔ کمل نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اتنے میں دھواں دھار کہرے نے جیپ کو

اپنی زد میں لے لیا۔ جب جیپ اس دھند سے باہر نکلی تو انجنا نے کہا۔
"میری پسند سے کیا ۔ ہوگا! لڑکی تم نے دیکھ لی ہے ۔ خود ہی فیصلہ کر ڈالو۔

"میں تو اپنی زندگی کی باگ ڈور اب تمھارے ہاتھوں میں سونپ چکا ہوں۔"

"لیکن تمھارا دل کیا کہتا ہے"؟

"جو تمھارا دل کہتا ہے۔"

"وہ کوئی غلط فیصلہ بھی دے سکتا ہے۔"

"مجھے منظور ہوگا۔"

"سوچ لو ۔ یہ تمھاری زندگی کا سوال ہے"۔

"سوچ لیا۔"

"تو شاید میں تمھارے سپنوں کو توڑنے جا رہی ہوں۔"

"کیسے ۔ ؟"

"مجھے لڑکی پسند نہیں"، انجنا نے کہا۔

اس کے اس جواب پر کمل بے ساختہ ہنسنے لگا۔ جیپ گاڑی پھر سے دبیز دھند میں گھر گئی جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کو بڑی مشکل سے دیکھ پا رہے تھے۔ اسے گاڑی چلانا ویسے بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ ہنستے ہنستے اس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اور اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے بولا۔

"مجھے یقین تھا۔ تمھاری پسند کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔"

"وہ کیسے ۔ ؟"

"کملیش جیسی جاہل لڑکی کو نہ چن کر ۔۔۔ جانتی ہو تمہارے ہال کے اندر چلے جانے کے بعد اس نے کیا کیا؟"

"کیا ۔۔؟"

"سامنے کی میز سے دو لڑکے پکڑ کر لے آئی۔ اور انہیں اپنے بوائے فرینڈز بتلا کر مجھ سے ان کا تعارف کرا دیا۔

"تو اس سے کیا ہوا۔ آج کل کی ماڈرن لڑکیاں تو اسے فخر سمجھتی ہیں۔

"لیکن میں نہیں سمجھتا۔ یہی تو شکر ہوا کہ لگن منڈپ میں آنے سے پہلے ہی بھاگ گئی۔ اور اگر کہیں بیاہ کے بعد کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ چلی جاتی۔ تو میں کہیں کا نہ رہتا۔"

کمل کی بات سن کر انجنا کے دل کو دھچکا سا لگا۔ ابھی تک وہ رقاصہ شبنم اس کی نظروں میں گھوم رہی تھی۔ اور اس کے ذہن کو برابر پریشان کیے جا رہی تھی اس لیے وہ مزید بحث کرنے کی ہمت نہ کر سکی اور پہلے کی طرح خاموش ہو گئی۔

کمل نے جیپ گاڑی کو جب لیک ویو کے سامنے روکا۔ تو گھر کا بڑا پھاٹک بند تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی تھی۔ انجنا نے جیپ گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ "آیئے نا۔"

"نہیں۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ اور مجھے صبح ہی سرکاری کام سے الموڑہ جانا ہے۔"

انجنا جیپ گاڑی سے باہر نکلی ہی تھی کہ بارش پہلے سے تیز ہو گئی۔

"دیکھیے بارش تیز ہو گئی ہے۔"

"گھبراؤ نہیں — چلتی پھرتی بدلیاں ہیں۔ ابھی برس کر کھُل جائیں گی۔"

بارش سے بچنے کے خیال سے وہ پھر سیٹ پر جا بیٹھی۔ کمل نے اس کے چہرے کی طرف گہری نظروں سے دیکھا اور منہ میں سگرٹ دباتے ہوئے بولا۔

"ایک بات پوچھوں —؟"

"ہوں —"

"جب سے تم نے ہوٹل میں اُس ڈانسر کو دیکھا ہے، تم کچھ اداس سی ہو گئی ہو۔"

"نہیں تو۔" وہ اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

کمل نے ایک لمحہ کے لیے اُس کی خاموش نظروں کو پھر سے پڑھا۔ اور لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا —

"میں تمہاری ان اداسیوں کو بخوبی سمجھتا ہوں۔"

"جی" وہ چونک گئی۔

"کچھ پرانی یادیں۔ کچھ مسرتوں کی خوبصورت گھڑیاں —— ہوٹل کا ماحول دیکھ کر تمہیں وہ دن ضرور یاد آ گئے ہوں گے۔ جب شیکھر تمہارے ساتھ تھا۔"

"یہ چند یادیں اور امیدیں ہی تو ہیں۔ جن کے سہارے آدمی جی لیتا ہے۔ زندگی کے غم غلط کر لیتا ہے۔"

"ہاں پونم ... کبھی کبھی میں سوچتا ہوں —— تمہارے دل کی یہ

اداسیاں دور کر دوں ۔۔۔ تمہاری ان تکلیف دہ یادوں کو ہمیشہ کے لیے مٹا دوں۔"

یہ سنتے ہی وہ کپکپا اٹھی۔ اور نظریں بھر کر مینہ کی بوندوں کی لڑیوں کو دیکھنے لگی۔ جو اندھیرے میں چاندی کی طرح چمک رہی تھیں۔ کمل نے فضا میں سگریٹ کا دھواں پھیلا دیا۔ اور آہستہ آہستہ رک رک کر کہنے لگا۔

"کیا ایسا ممکن ہے پونم! ۔۔۔ پونم کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ..."

"کیا ۔۔۔؟" اس کے ہونٹ تھرتھرائے۔

"تم اپنی اداسی کو میری جھولی میں انڈیل دو ۔۔۔"

"پھر کیا ہوگا؟ ۔۔۔" اس کے ہونٹ بری طرح سے کانپنے لگے۔

"میں تمہارے آنچل میں مسرتوں کے ستارے جڑ دوں گا۔"

انجنا ایک دم چپ ہو گئی۔ اور اس نے نمناک آنکھوں سے کمل کی طرف دیکھا۔ جس نے اپنا سب کچھ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ وہ بدستور خاموش رہی اور سوچتی رہی کہ کہیں اس کی ہاں نہ سے اس کی ارادھنا نہ ٹوٹ جائے اور پھر وہ جیپ گاڑی کے اس گھٹے ہوئے ماحول سے گھبرا کر بولی۔

"نہیں ۔۔۔ ایسا سوچنا بھی پاپ ہے۔" اور وہ جھپاک سے جیپ گاڑی سے باہر آ گئی۔ کمل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن انجنا نے منہ موڑ لیا۔ اور بارش کی پرواہ کیے بغیر پھاٹک کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ کمل نے اسے روکنے کے لیے ایک بار اسے پکارا بھی۔ لیکن وہ نہیں رکی۔

انجنا تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اپنی کوٹھی کے بیرونی پارلر میں آ رکی وہ برسات کے چھینٹوں سے بھیگ چکی تھی۔ اس نے رکتے ہی اپنے آپ کو ایک ستون کے پیچھے چھپا لیا۔ اور پھر چور نگاہوں سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ جیپ گاڑی ابھی تک کھڑی تھی۔ کمل اسی طرح اس میں بیٹھا تھا۔ پھر بارش کی ڈھند میں اس نے اس کے ہونٹوں سے چپکا ہوا سگریٹ دیکھا جس کے کش لیتے ہوئے اس نے اپنی جیپ گاڑی سٹارٹ کر دی۔

انجنا نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ اور اپنے بھیگے ہوئے کپڑوں کو سمیٹتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ صدر حال میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ وہ چپ چاپ زینے کی طرف بڑھی اور دبے پاؤں اپنی خوابگاہ میں پہنچ گئی۔

راجیو سو چکا تھا۔ رمیا اس کے پلنگ کا سہارا لیے فرش پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ انجنا نے بچے کی طرف سرسری نگاہ سے دیکھا اور رمیا کو دھیمی آواز میں پکارا۔ آواز سنتے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی مالکن کو اچانک سامنے دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"یوں ہی ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔ میم صاحب۔!"

"کوئی بات نہیں ــ راجیو رویا تو نہیں تھا۔؟"

"بس ذرا سا ــــ اور پھر دودھ پیتے ہی سو گیا۔"

رمیا کا اطمینان بخش جواب سن کر انجنا الماری کے کواڑ کی اوٹ میں ہو کر کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ اس نے جوں ہی گیلی ساڑھی اتار کر ایک طرف رکھی۔ رمیا نے بڑھ کر اسے تھام لیا ــــــ اور

بولی۔

"باہر برکھا ہو رہی ہے کیا۔؟"

"ہاں۔ لگتا ہے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔"

رمیا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور گیلی ساڑھی کو پھیلا کر کھونٹی پر ڈال دیا۔ انجنا نے جلدی سے ساڑھی تبدیل کر لی۔ اور بابوجی کے بارے میں پوچھا۔ رمیا بولی۔ شاید وہ لوگ اپنے کمرے میں ہوں۔ رمیا نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے ذرا رک کر پوچھا آپ کا کھانا لگاؤں۔ بی بی جی؟"

"نہیں مجھے بھوک نہیں۔"

رمیا مالکن کی بات سن کر چلی گئی۔ اور انجنا پھر سے ان خیالوں میں کھو گئی۔ جن سے وہ دور بھاگنا چاہتی تھی۔ اس کے کانوں میں ابھی تک کمل کے وہ الفاظ سنسنا رہے تھے۔ اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ پچھلے کئی دنوں سے وہ خود بخود اس کی جانب کھنچی چلی جا رہی تھی گھنٹوں چپ چاپ بیٹھی وہ اس کی باتوں کو اپنے ذہن میں دہرایا کرتی تھی اس کی پرچھائیوں سے اپنا دل بہلاتی تھی اور پھر کسی نامعلوم چبھن کو دل کے بالکل قریب محسوس کرنے لگتی تھی لیکن اس کے فوراً ہی بعد اسی کی مجبوریاں اور گناہ ابھر کر اس کی امیدوں کے ستاروں کو اپنی سیاہیوں میں چھپا لیتے تھے۔

مگر آج کمل نے اپنے دل کی بات کہہ کر اس کے تن بدن میں چھپی جوالا کو اور بھی بھڑکا دیا۔ اس کی امیدوں اور خوابوں کو حقیقت کی جھلک دکھلا دی تھی اور اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے

برسات کے وہ چھینٹے اس کے بدن پر آرزوؤں کے ستارے بن کر چپک گئے تھے۔ اس کی رگوں میں ایک ساتھ نہ جانے بجلی کی کتنی لہریں دوڑ اٹھی تھیں۔ نہ جانے کیا سوچ کر اس نے الماری میں سے ایک پیڈ اور قلم نکالا۔ اور اپنے دل کی کیفیت پیڈ کے ایک کاغذ پر درج کرتی چلی گئی۔ شاید وہ اپنے دل کی آواز اس عبارت میں چھپا کر کمل تک پہونچانا چاہتی تھی۔

یکبارگی اس کے ہاتھ رک گئے۔ قلم کی سیاہی کاغذ پر پھیل گئی اور رہوا سے لہراتے ہوئے کھڑکی کے پردے میں اسے ایک عکس سا چھپا ہوا دکھائی دیا جیسے ایک دھندلی یاد ہو ایک بکھرا ہوا خیال ہو۔ ایک مدھم سی آواز ہو۔ پونم کے آخری سانسوں میں گندھی ہوئی آواز اس تک پہونچنے لگی اور اس کے ساتھ ہی ایک وچن جو اس نے مرنے سے پہلے اپنی سہیلی کو دیا تھا۔ ایک وعدہ جسے تا زندگی نبھانے کی قسم اس نے کھائی تھی۔ اسے یاد آنے لگا اور پھر آپ ہی آپ اس کی نظریں راجیو کے معصوم چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے کاغذ پر لکھی ہوئی اپنی تحریر کو ایک بار پڑھا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کاغذ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئیے اس کے بعد جب وہ ان ٹکڑوں کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینکنے لگی تو ہوا کا رخ دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹھک گئی کہ کہیں ہوا ان ٹکڑوں کو بکھیر کر اس کی رسوائی کا سبب نہ بن جائے اور یہ سوچ کر اس نے ان ٹکڑوں کو سامنے آتشدان میں دبی ہوئی چنگاریوں کے حوالے کر دیا۔

(۱۱)

انجنا نے جب شیو مندر میں قدم رکھا۔ تو اس کا بدن کسی نامعلوم خوف سے کانپ گیا۔ وہ اُس مندر میں دِل کے پاپ کو چھپا کے داخل ہوئی تھی۔ وہ شیکھر کے بیوہ نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے ماں باپ کے ہمراہ اُس کی یادوں کے پھول چڑھانے آئی تھی۔

آج لالہ جگن ناتھ کے بزرگوں کا دن تھا۔ وہ شرادھ کے دنوں میں ہمیشہ اسی مندر میں آتے تھے براہمنوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ غریبوں کو دان دیتے۔ اور دن بھر بھگوان کے چرنوں میں بیٹھ کر پوجا پاٹھ میں گذار دیتے آج بھی وہ اسی ارادے سے بیوی اور بہو کو ساتھ لے کر شیو مندر میں آئے تھے۔ خاندان کے بزرگوں کی یاد کے ساتھ وہ اپنے جوان مرگ بیٹے کی یاد میں بھی شردھا انجلی بھینٹ کرنے آئے تھے۔

انجنا ایک معصوم بچے کی طرح براہمنوں کے کہنے پر وہ سب کچھ کئے جا رہی تھی۔ جو شیکھر کی بیوہ کو کرنا چاہئے تھا۔ روز بروز زندگی اس کے لیے ایک آزمائش بنتی جا رہی تھی۔ اور وہ اس آزمائش میں پورا اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن آج جب وہ اپنے دل کے پاپ اور ڈر کو آنچل میں لپیٹے بھگوان شیو کے مندر میں داخل ہوئی۔ تو اُس کا رُواں رُواں کانپ اٹھا تھا اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پھولوں کی کلیاں مورتی کے چرنوں

پر چڑھا دیں۔

دور ایک کونے میں کوئی سنیاسی بلند آواز میں کسی کو سمجھا رہا تھا۔ سچ اور پریم کبھی اچھے ہردے کے ہی باسی ہوتے ہیں۔ جس کے من میں کچھ اور ہو اور سنسار کے سامنے وہ کچھ اور پردرشن کرے۔ وہ منش کبھی سچے پریم کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ کپٹ اور فریب کی دنیا میں رہنے والا نہ تو آپ سکھی رہتا ہے۔ نہ کسی کو سکھ میں رکھ سکتا ہے۔۔۔

انجنا نے اپنے کان اُس جانب سے ہٹا لئے۔ اور تیزی سے مندر کے دوسرے کونے میں چلی گئی۔۔۔ وہاں سنگ مرمر کی جالی دار دیواروں میں سے سورج کی جو کرنیں چھن کر اندر آ رہی تھیں، ان سے وہاں روشنی کا ایک جال سا بچھ گیا تھا۔ انجنا نے جب اس جال میں قدم رکھا تو اسے محسوس ہوا جیسے وہ اُجالا اس کے دل کے اندھیرے کونوں کو اجلا کر سب کے سامنے عیاں کرنے والا ہے۔ وہ اس اجالے کی تاب نہ لا سکی۔ اور جلدی سے پھر مندر کے اندھیرے حصّے میں آ گئی۔ سامنے شیو کی مورتی نظر آ رہی تھی۔ انجنا اپنے من کے اضطراب انگیز اندیشوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن جب کسی طرح کامیاب نہ ہو سکی تو بے ساختہ شیو کی مورتی کے سامنے ماتھا ٹیک کر گڑگڑانے لگی۔

شانتی دیوی نے جب بہو کی سسکیاں سنیں تو جھک کر پیار سے اس کا ماتھا چوم لیا اور دھیرج بندھاتے ہوئے بولی ۔۔۔ "نہ رو بہو! نصیب کا لکھا آنسوؤں سے تھوڑے ہی مٹ سکتا ہے"۔

انجنا نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے

ماں کی پرنم آنکھوں کی طرف دیکھا وہ جلدی سے اٹھی اور ماں کے سینے سے لپٹ گئی۔

"میری طرف دیکھو بہو ــــ راجیو کے لیے زندگی کے سارے غم بھلا بیٹھی ہوں۔"

"ماں ــــ یہ بھگوان ان لوگوں کو کیوں ڈنڈ دیتا ہے جو کبھی کسی کے من کو نہیں دکھاتے"

"یہ تو اپنے کرموں کا پھل ہے بیٹی ــــ منش کی ایک آزمائش ــــ آزمائش کی آگ میں تپ کر ہی تو منش کندن بنتا ہے۔"

کسی نے مندر کا گھڑیال بجا کر اُن کی ذہنی کڑیوں کو الگ کر دیا ساس بہو نے ایک دوسرے کو عورت کے ناطے سے دیکھا۔ اور اس طرف چل پڑیں۔ جہاں بچاس ایک براہمنوں کے لیے کھانا پروسا جا رہا تھا۔ لالہ جگن ناتھ پوری تندہی سے اپنے پرکھوں کا بوجھ اتار رہے تھے ــــ بہو کو دیکھتے ہی بولے!

"کیا پوجا ہو چکی، بہو۔!"

"جی ــــ بابو جی

"تم ایک کام کرو ــــ تم گھر چلی جاؤ۔"

"لیکن یہ سب۔۔۔"

"یہ سب ہم کر لیں گے۔ شنکر کی ماں ہے ــــ نوکر ہے۔ مالی ہے۔ اور پھر یہ کام تمھیں شوبھا بھی نہیں دیتے ــــ ہم جو ہیں ــــ جاؤ ــــ"

"لیکن آپ۔۔۔۔"

"ہم آج کا برت مندر میں ہی توڑ کر لوٹیں گے تم جاؤ گھر اکیلا ہے اور راجیو بھی۔"

شانتی نے بھی بہو سے لوٹ جانے کو کہا۔ انجنا نے بہت اصرار کیا۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ وہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ ان کی بہو لوگوں کے سامنے یوں ننگے منہ بیٹھے۔ اور وہ لوگ اس کی جوان بیوگی پر ترس کھا کھا کر اس کے دل پر برچھیاں چلائیں۔ انجنا نے جانے سے پہلے دونوں کے پاؤں چھوئے اور آشیرواد لیتی ہوئی مندر سے باہر چلی گئی۔ وہ جب مندر کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی۔ تو اسے محسوس ہوا جیسے ہر شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھور رہا تھا جاتے جاتے اس کے کانوں میں کسی کے یہ الفاظ پڑے۔ "بیچاری بھری جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی!"

کسی دوسری عورت نے کہا لیکن ساس سسر اس کی ناز برداری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے کسی کام کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیتے تاکہ اس کے نرم و نازک ہاتھ میلے نہ ہونے پائیں۔" تیسری بول اٹھی۔ "اس کی یہ ساڑھی دیکھنے کو سفید ضرور ہے لیکن ہے بڑی قیمتی اور ریشم سے زیادہ ملائم!"

انجنا ان کی باتوں پر دھیان نہ دیتے ہوئے موٹر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ اور ڈرائیور سے گھر چلنے کو کہا۔

موٹر گاڑی گھر کے پھاٹک پر رکی تو انجنا نے گھر کی چابیوں کا گچھا ہاتھ میں لیا اور گاڑی سے اتر کر ڈرائیور سے گاڑی واپس لے جانے کو کہا۔ اس کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے باغیچے کی گھاس

کورونندتی ہوئی اندر کی طرف بڑھنے لگی۔ گھر میں آج کوئی دوسرا نہ تھا اس لیے بنا کسی جھجک کے وہ ساڑھی کا پلو شانوں پر گرائے اندر چلی آئی۔

ابھی اُس نے صدر ہال میں قدم رکھا ہی تھا۔ کہ اُس کی منہ سے ہلکی سی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ حیران ہو کر بیٹھے راجیو کی طرف دیکھنے لگی جو قالین پر بیٹھا بے شمار کھلونوں سے کھیل رہا تھا اور پھر اُس پالش شدہ چمکدار جوتے کی طرف جو قالین کی بر میں دھنسا ہوا تھا اور اس کو پہننے والا بالائی کی آرام کرسی پر نیم دراز حالت میں لیٹا ہوا بچے کو کھیلتے دیکھ رہا تھا۔

انجنا کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ دل کی دھڑکن جیسے پل بھر کے لیے رُک گئی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئی اس اجنبی کی طرف بڑھی جس کا جوتا ابھی تک اس کی آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

اجنبی نے جیسے ہی اپنی گردن کرسی سے اوپر اٹھا کر نظروں کو آہٹ کی جانب موڑا۔ انجنا ایک جھٹکے سے وہیں رُک گئی۔ اجنبی کے موٹے اور بھدے جبڑوں کو کھلا دیکھ کر اسے ایک پل تک تو اپنی نگاہوں پر یقین ہی نہ آیا۔ کہ اس کے سامنے اس دہلیز سے آ بیٹھنے والا اور کوئی نہ تھا بلکہ اس کے جیون کو آگ لگا دینے والا نوادری تھا۔ وہ انجنا کو خوف و حیرت سے پتھرائی ہوئی حالت میں دیکھ کر پھر کرسی میں دھنس گیا اور بولا۔

"کیسی ہو انجو۔؟"

"تم ..... یہاں ..... کیا کر رہے ہو؟" اس نے رُک رُک کر پوچھا

اور نفرت سے اپنی نگاہوں کو اُس کے چہرے سے ہٹا لیا۔

"اپنی بچھڑی ہوئی زندگی کی تلاش میں بھٹکتا ہوا۔ یہاں تک آپہونچا۔"

"رمیا کہاں ہے ——؟" اس نے غصّے سے پوچھا۔

"میرے لئے چائے بنانے گئی ہے۔"

"کس کی اجازت سے ——؟"

"میری اجازت سے ——— اپنا گھر سمجھ کر یہ جرارت کر بیٹھا ہوں۔"

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"کیوں ——؟" اس کے لبوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ ابھری اور اس نے ایک ہی جھٹکے میں اپنے جسم کو کرسی سے باہر نکال لیا۔ انجنا نے گھبراہٹ اور نفرت سے ایک نظر اُس کے چہرے پر ڈالی جو اس وقت سرخ ہو رہا تھا۔ بنواری نے اس کی گرم نظروں کی آنچ کا اندازہ کیا۔ اور اپنے بھدے چہرے پہ ایک نشان کو اُنگلیوں سے چھوتے ہوئے بولا ——

"شبنم کی نشانی ہے ——— رات اُس کا مہمان تھا نا —— یہاں ہوٹل میں کمبخت نے شراب کے نشے میں اس زور سے کاٹا —— کہ ابھی تک نشان باقی ہے ——"

بنواری نے دیکھا۔ انجنا کے ہونٹ خوف اور غصے سے تھرتھرا رہے ہیں چہرے پر ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا ہے۔ راجیو نے پیک گریاں کا ڈبہ پکڑ لیا اور اسے چابی والا موٹر دکھلانے لگا۔ جو بنواری اس کے لیے لایا تھا۔ انجنا نے اس کے ہاتھ سے

وہ کھلونا چھین لیا ایک طرف پھینک دیا۔ راجو رونے لگا۔ اتنے میں رمیا چائے کی کشتی لے کر آگئی۔ اس نے تحیر آمیز نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا اور پھر چائے کی کشتی میز پر رکھ کر روتے ہوئے راجو کو باہر لے گئی۔

"تم آج پچھتا رہی ہو ناں انجو!" "وہ انجو مر چکی ہے۔"

"ایسا نہ کہو۔ میری غلطیوں کی ایسی سزا مجھے نہ دو۔ اور پھر تم نے مجھ سے یہ کیوں چھپایا کہ تم میرے بچے کی ماں بننے والی ہو۔"

"بنواری!" چلا کر انجنا نے اس کی طرف نفرت سے دیکھا۔

وہ بدستور مسکراتا رہا

"گھبراؤ نہیں انجو۔ پو تم بننا مشکل نہیں۔ تو بنواری کو پھر سے اپنانا بھی اتنا مشکل نہ ہوگا۔"

انجنا نے اور بھی غصہ میں آکر پاؤں کی ٹھوکروں سے بنواری کے لائے ہوئے کھلونوں کو ادھر ادھر لڑھکا دیا اور پھر انہیں اٹھا اٹھا کر باہر پھینکنے لگی۔ ساتھ ہی چلا چلا کر بنواری کو وہاں سے فوراً چلے جانے کو کہنے لگی۔

اور پھر جب اس نے ایک کھلونا اٹھا کر دروازے سے باہر پھینکا تو کھلونا کسی کے قدموں سے جا ٹکرایا۔ وہ کمل تھا لیا انکم دوپہر کو۔ اور وہ بھی اس موقع پر کمل کو وہاں دیکھ کر انجنا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

وہ شرم سے وہیں گڑ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور اس کے لیے اپنا آنچل اٹھا کر سر پر اوڑھنا مشکل ہو گیا۔

کمل نے جھک کر پیروں میں پڑا ہوا وہ کھلونا اٹھا لیا۔ اور

ان دونوں کو حیرت زدہ انداز سے دیکھتے ہوئے قریب چلا آیا۔

"وہ تو اچھا ہوا۔ پونم۔ تمہارا غصہ ہمارے قدموں سے لپٹ کر رہ گیا۔ کہیں سر پہ برستا تو ہماری خیر نہ تھی۔"

"آئی ایم ساری!"

"قصور تو میرا تھا۔ جو میں بچے کے لیے ڈھیر سارے کھلونے لے آیا۔ نہ یہ آتے۔ اور نہ ان کا غصہ آپ تک پہونچتا۔"

بنواری نے جھٹ سے بگڑی بات بنا دی۔

"آپ کی تعریف۔" کمل نے انجنا کی حیرت اور بنواری کی صورت دونوں کا ایک ساتھ جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

اس کے اس استفسار نے انجنا کو عجیب شش و پنج میں ڈال دیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی بنواری خود ہی سامنے آگیا اور بولا۔

"مجھے بنواری کہتے ہیں۔ پونم کے شہر کا رہنے والا ہوں۔ آتے وقت اس کی آنٹی نے بچے کے لیے کھلونے کیا بھجوائے کہ یہ مجھ پہ ہی برس پڑی۔ اب آپ ہی کہیے..... مسٹر مسٹر....."

"کمل نام ہے میرا۔"

"ہاں مسٹر کمل۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجیے۔ اس میں میرا کیا دوش ہے۔ بے چاری جب بیوہ ہوئی۔ تو آنٹی نے گھر میں نہ گھسنے دیا۔ اور اب جب اتنے بڑے گھرانے کی بہو کہلانے لگی تو ہر کوئی رشتہ جتانے لگا۔ میں خواہ مخواہ اس رشتے میں آپھنسا۔ اب یہ ڈھیر سے کھلونے اٹھا کر کہاں لے جاؤں؟"

"بس۔ اتنی سی بات اور یہ غصہ! یہ تو زمانے کا دستور ہے

پونم - جب انسان کو سہارا دینے کے لیے دو چار بازو مضبوط ہوں۔
تو ہر کوئی مدد دینے کو بڑھتا ہے - اور جب وہ اکیلا ہوتا ہے تو کوئی
منہ تک نہیں لگاتا۔"

"لاکھ روپے کی بات کہی آپ نے! اسے سمجھائیے نا کہ آنٹی کو معاف
کر دے اور یہ کھلونے رکھ لے۔"

"ہاں پونم — بچے کے لیے پیار سے بھیجے گئے یہ کھلونے رکھ لو
— آنٹی کا نہیں - تو اِن کا ہی دل رکھ لو - جو اتنی دور سے اٹھا کر
لائے ہیں۔"

بنواری نے انجنا کی نگاہوں میں غصہ لاوا کی مانند ابلتے دیکھ
کر فوراً کہا۔

"ہوٹل پالٹین میں ٹھہرا ہوں۔ ملنا ہو یا کوئی سندیش بھیجنا ہو آنٹی
کو — تو ٹیلیفون کر لینا۔ کمرہ نمبر اکیس!"

"مجھے کچھ نہیں کہنا —" انجنا نے تیور بدلتے ہوئے رُخ بدل لیا۔
بنواری مایوس سا ہو کر لوٹنے لگا۔ لوٹنے سے پہلے اس نے فرش پر
جھک کر وہ تمام کھلونے سمیٹ لیے جنہیں کچھ دیر پہلے انجنا نے
غصے سے باہر پھینکنے والی تھی۔

"آپ جا رہے ہیں کیا۔؟" کمل نے اچانک بنواری سے پوچھا۔
"اجی —" وہ چونک کر رک گیا - اور بولا۔ "اب تو جانا ہی
ہوگا۔"

"جی چاہے تو بیٹھ جائیے۔"

"نہیں صاحب - یہ نہ ہوگا ہم سے — ہم چھوٹے ضرور ہیں۔

لیکن اتنے گرے ہوئے نہیں ۔ کہ جس لڑکی کو اپنے محلے سے دلہن بنا کر بھیجا ۔ آج اُسی کے گھر کا پانی پی لیں ۔"

" لیکن آپ ......"

" دیکھیے میں ماڈرن ہوں ۔ پالٹین ہوٹل میں ٹھہرتا ہوں ۔ لیکن خیالات بہت پُرانے ہیں ۔"

بنواری کی اس بے تکی بات پر کمل کو ہنسی آگئی ۔ اس سے پہلے کہ وہ اس بات پہ بحث کرتا ۔ بنواری اُن دونوں کو نمستے کہتا ہوا ہال سے باہر چلا گیا ۔

" آدمی کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے ۔"

انجنا جو ابھی تک اپنے آپ میں نہ تھی ۔ کمل کی بات سن کر چونک گئی ۔ کمل نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا ۔

" تمہیں اُن کھلونوں کو اس بے دردی سے ٹھکرانا نہیں چاہیے تھا ۔"

" آپ نہ آتے ۔ تو اب تک یہ سب کوڑے کے ڈھیر میں چلے جاتے ۔"

" چلو اچھا ہوا چلا آیا ۔ تمھیں اس روپ میں جو دیکھنا تھا ۔ میں سوچ رہا تھا ۔ کافی شیتل سبھاؤ ہے تمہارا ۔ لیکن غصہ اُف توبہ ۔"

کمل نے انجنا کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ اور پھر چائے کی کشتی پر جھکا ۔ اس نے کیتلی کو چھوا ہی تھا ۔ کہ انجنا نے اس کا ہاتھ پرے ہٹا دیا ۔ اور بولی ۔

" لائیے ۔ میں بنا دیتی ہوں ۔"

"شکریہ —!"

"شاید اتنی گرم نہ ہو۔"

"چلے گی — اسے کہتے ہیں — دانے دانے پر مہر ہوتی ہے۔ بنوائی کس کے لیے تھی۔ اور پینے کون آ گیا۔"

اور آپ تو بس بات پکڑ لیتے ہیں۔"

وہ چپ ہو گیا۔ اس نے کنکھیوں سے انجنا کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک سنجیدہ تھی۔ چائے بن جانے پر کمل نے چپ چاپ پیالہ انجنا کے ہاتھ سے لے لیا اور ایک چسکی بھر کر بولا۔

"آج گھر پر کوئی نہیں کیا —؟"

"نہیں — بابوجی اور ماں جی مندر گئے ہوئے ہیں شرادھ جو چل رہے ہیں۔"

"اور تم .....؟"

"میں ابھی وہیں سے آ رہی ہوں —"

لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا "آپ چائے نہیں پئیں گی کیا —؟"

"نہیں میرا آج برت ہے — اُن کا شرادھ جو ہے۔"

انجنا کے آخری جملے نے کمل کے سینے میں جیسے برچھی گھونپ دی لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے دبی آواز میں بولا۔

"میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں پونم۔"

"وہ کیوں —؟"

"اس روز میں نے تمہاری شان میں گستاخی جو کی تھی۔ میں نے

ایک پتی ورتا استری کی اہمیت کو پرکھنے کی کوشش کی تھی۔

"سچ کہنا کوئی پاپ نہیں ہے۔ ہماری زندگی میں دو ہی تو چیزیں سب سے اہم ہیں۔ دل اور دماغ! دماغ جو سوچتا ہے، دل اسے نہیں مانتا۔ اور دل جو مانتا ہے اسے دماغ سوچنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"تو میں کیا ۔۔۔ بھول! تم نے اُس دن والی بات کا ذرا بھی برا نہیں مانا ۔۔"

"نہیں ۔۔ اب آپ آرام سے چائے پیجئے۔"

کمل نے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا۔ اور ایک ہی گھونٹ میں باقی ماندہ چائے پی گیا۔ انجنا جو عجیب کشمکش میں گھری اپنے منتشر ذہن کو یکسو کر رہی تھی۔ جھجکتے ہوئے پوچھ بیٹھی ۔۔

"آپ کہیں باہر گئے ہوئے تھے کیا ۔۔؟"

"نہیں۔ تین چار روز بخار میں مبتلا رہا۔ اس لیے گھر سے نکلنا نہیں ہو سکا۔"

"اب کیسے ہیں آپ ۔۔؟"

"بالکل ٹھیک ۔۔ اور ہاں پونم ۔۔ میں تمہیں ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں اس نے بے باک لہجے میں جواب دیا لیکن کمل کے چہرے کی مسرت انجنا کے دل کو چوٹ لگا ہی گئی۔ کمل اس کے قریب چلا آیا۔

کیا جانتی ہو ۔۔؟"

"یہی کہ آپ کو کوئی لڑکی پسند آگئی ہے۔ اور آپ نے ہاں

کہہ دی ہے۔"

وہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اور کھانستے کھانستے کہہ اٹھا۔ "تمہیں تو بس دن رات میرے بیاہ کی فکر لگی رہتی ہے"

"تو کیا میں نے غلط سمجھا ہے؟"

"بالکل غلط —— میں تو تم سے یہ کہنے والا تھا۔ کہ میری بہن اس بار کالج کی چھٹیاں منانے نینی تال آ رہی ہے۔"

"پھر تو بہت اچھا ہو گا۔ کچھ دن ہم بھی اس سے گھل مل کر وقت گزار لیں گے۔"

"ہاں پونم! وہ چھوٹی سی تھی۔ جب میری ماں چل بسی لیکن اگر وہ چھوٹی بہن نہ ہوتی تو شاید ہم باپ بیٹا کبھی کے گھر سے بے گھر ہو جاتے"

"کون سی کلاس میں پڑھتی ہے —؟"

"بی۔ اے فائنل میں۔ ہنشل کالج لکھنؤ میں۔"

"آپ سے بھی تو چاہ ہو گی —— اپنی بھابی کی۔"

"تم سے کم نہیں —— وہ تو اچھا ہوا —— میرے بیاہ پر بارات میں شامل نہ ہو سکی۔ ورنہ دل ٹوٹ جاتا اس کا۔ رو دیتی وہ بھائی کے نصیب پر۔"

"وہ کیوں نہیں آئی تھی؟"

"امتحان کے دن تھے نا۔"

وہ پھر چپ ہو گئی۔ اپنے بارے میں کمل کے خیالات جان کر اس کا روال روال کانپنے لگا تھا۔ وہ گم سم کی چند لمحوں تک وہیں کھڑی رہی۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔

"کب آ رہی ہے؟"

"شاید اگلے اینتوار"

اسی بے خیالی کی حالت میں وہ آگے بڑھ گئی۔ دھیرے دھیرے زینے پر قدم جماتی ہوئی وہ اپنے کمرے کی طرف ہولی۔ زینے پر چڑھتے چڑھتے اس نے ایک پل کے لیے رک کر صدر ہال میں دیکھا۔ کمل راجیو کے ساتھ کھیلنے لگ گیا تھا۔ جو ابھی ابھی رمیا کے ساتھ اندر آیا تھا۔ وہ دوڑ کر کمل کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ اور پھر ان کھلونوں سے کھیلنے لگا۔ جو کچھ دیر پہلے بنواری وہاں چھوڑ گیا تھا۔

بنواری کا خیال آتے ہی اس کا بدن بید مجنوں کی طرح کانپ اٹھا۔ بنواری کے وجود نے آج پھر اس کی منزل کو اندھیروں میں فنا کر دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو پہچاننے سے ڈرنے لگی۔ وہ اسی بے خیالی کے عالم میں کھڑکی کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی اور نظروں ہی نظروں میں وسعتوں کو ناپنے لگی۔

رمیا کی آواز نے اس کی سہمی سہمی کیفیت کو منتشر کر دیا۔ وہ چونک کر پلٹی اور اس کے ہاتھوں میں ایک خط دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھی

"کیا ہے۔ رمیا؟۔"

"چٹھی ہے۔ بی بی جی۔ وہ مہمان جو کھلونے لے کر آئے تھے نا باغ میں مجھے دے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے۔ جب مالکن اکیلی ہوں تو انہیں دے دینا۔" انجنا نے کانپتے ہاتھوں سے وہ خط تھام لیا۔ اور تھر تھراتی آواز میں پوچھا۔"

"کمل بابو کہاں ہیں۔؟"

"وہ تو چلے گئے"

"اور راجو —؟"

"نیچے بیٹھا کھیل رہا ہے"

"تو جاؤ۔ اسے دودھ پلادو"

رمیا حکم بجالاتے ہوئے فوراً باہر چلی گئی۔ انجنا نے لپک کر سامنے کی کھڑکی کا پردہ ہٹایا — کمل جیپ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ اس نے اُس کی خاموشی اور بے اعتنائی کو کہیں غلط نہ سمجھ لیا ہو۔ یہ سوچتے ہی جیسے اس کا جسم ٹھنڈے پسینے میں نہا گیا۔

اس کھڑکی سے ہٹ کر اس نے باہر کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کمرے میں دوسرا کوئی نہیں ہے اس نے اطمینان کے لیے کمرے میں چاروں طرف اپنی نظریں گھمائیں۔ اور پھر کپکپاتے ہاتھوں سے اُس خط کو کھولا —

انجو —!

میں کل شام نہرو پارک میں تمہارا انتظار کروں گا شام کے ٹھیک چھ بجے۔

(تمہارا ہنواری)

یہ پڑھتے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اپنے بے جان سے جسم کو اس نے کھڑکی کا سہارا دیا اور پھر سے اُس گہری جھیل کی طرف دیکھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے چاروں طرف اُس نیلے پانی کو آگ لگ گئی ہو۔ ایک ساتھ نہ جانے بارود کے کتنے گولوں نے اُس ٹھہرے ہوئے پانی کا سینہ

داغ دیا۔

(۱۲)

شام کے چھ بجنے کو تھے۔ نہرو پارک میں ہموار سی پیڑوں کے سائے تلے کھڑا بے چینی سے انجنا کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ وہ اسے ملنے ضرور آئے گی لیکن جب وہ پیڑوں سے ہٹ کر اُس پارک کا جائزہ لیتا تو دور تک انجنا کا کوئی نشان نہ دیکھ کر اس کا دل بجھ جاتا۔ گھڑی کی سوئیاں شام کے چھ بجانے کے لیے تیزی سے بڑھ رہی تھیں۔ سرد ہوا کی زد سے بچنے کے لیے اُس نے ایک درخت کے تنے کا سہارا لیا۔ اور سگریٹ سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا منہ سے دھواں نکلتے ہی سرد ہوا میں جم سا گیا۔

پہاڑوں میں سورج کے جلد ڈوب جانے سے ایک سانولا سا اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ جوں جوں اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی اس کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ وہ پھر سے اپنے دل میں طرح طرح کے منصوبے باندھنے لگا۔ وہ اپنی کھوئی ہوئی دنیا میں زندگی کی امید لیے ہوئے نینی تال آیا تھا۔

تبھی پارک میں پیڑوں سے گرے ہوئے خشک پتوں پر کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ وہ فوراً چوکنا ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر ان گھنی جھاڑیوں کی طرف دیکھا۔ جہاں انجنا ابھی ابھی آ کر رکی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی اس کی بجھی ہوئی سی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔ اس کے سرد اور

نیلے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ اور وہ للچائی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ انجنا جب اس کی گہری اور بھوکی نگاہوں کی تاب نہ لاسکی تو کہہ اٹھی —

"مجھے۔ یہاں کیوں بلوایا ہے؟"

"بلوایا میں نے نہیں — تمہاری مجبوریاں تمہیں یہاں کھینچ کر لے آئی ہیں۔"

"میری کوئی مجبوری نہیں — وہ جھنجھلا اٹھی۔

"تو چلی جاؤ —" بنواری نے ایک زہر آلود مسکراہٹ کی بجلی اس پر گرائی۔ وہ اس کے تیور دیکھ کر گھبرا اٹھی۔ اور تیزی سے پلٹ کر جانے لگی۔ لیکن بنواری کی آواز نے اس کے قدم باندھ دیئے۔

"مجھ سے تو منہ موڑ کر چلی جاؤگی لیکن حقیقت سے کیسے منہ موڑو گی انجو! —"

"وہ انجو مر گئی بنواری — اسے اب بھول جاؤ!"

"جب پونم بن کر بھی تم انجو کو نہیں بھول سکیں تو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔"

"اب تمہیں مجھ سے کیا لینا —"

"تمہارے نصیب میں شرکت۔"

"تم میرے کون ہوتے ہو — میرا اور تمہارا ساتھ تو اسی روز چھوٹ گیا تھا جب تم نے مجھ سے دغا کی اور دھوکہ دیا۔"

"میں مانتا ہوں — میں نے تمہیں دھوکہ دیا — لیکن آج تم کیا کر رہی ہو۔ تم بھی تو کسی گھرانے کی بہو بن کر ان سب کو دھوکہ دے رہی ہو۔"

"بنواری"... تھرتھرائی ہوئی آواز فضا میں گونج گئی۔

"لیکن جواب نہیں تمہارا جی — کیا بڑا ہاتھ مارا ہے — میں تو زندگی بھر جھک مارتا رہا.. اب تمہیں گورڈو مانتا ہوں۔"

"کسی بدقسمت کو یوں ستاتے تمہیں رحم نہیں آتا —"

"رحم کی ہی دل میں گنجائش ہوتی۔ پگلی تو اسی روز تمہیں اپنی باہوں میں نہ لے لیتا جب تم میرے لیے سب کچھ چھوڑ کر چلی آئی تھیں"

"وہ میری بھول تھی — میری خطا تھی — جسے آج تک بھگت رہی ہوں" — یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بنواری بڑے انداز سے اس کی بے بسی کو دیکھتا رہا۔ اور جب وہ اپنے دل کا غبار نکال چکی تو بولا —

"تم تو جانتی ہو — انجو! میری زندگی میں لڑکیوں کی کمی نہیں — کمی ہے تو بس پیسے کی — آنے سے پہلے ہی چلا جاتا ہے۔ اس معاملے میں میں کافی کمینہ ہوں"۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو —؟"

"جو مال لوٹو — اس کا کچھ حصہ میری جھولی میں بھی ڈال دو — بس! زندگی بھر تمہارے احسانوں تلے دبا رہوں گا"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم پونم ہو، انجو نہیں ہو — میں اس راز کو ہضم کرنے کی قیمت چاہتا ہوں اور کچھ نہیں"۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا —" انجنا نے مستحکم آواز میں کہا۔ اور پھر بغیر کچھ سنے سمجھے وہاں سے چلی گئی۔ بنواری نے بڑھ کر اسے روکنا چاہا۔

لیکن پھر اپنے آپ کو روک لیا۔ جلد بازی کہیں اس کا کھیل نہ بگاڑ دے۔ انجنا بڑھتی چلی جا رہی تھی اور بنواری کے کانوں میں چرچراہٹ کی آواز گونج رہی تھی جو سوکھے پتوں پر چلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ آواز اُس کے ذہن میں ایک امید چھوڑ کر چلی گئی۔ بنواری کو یقین تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن اس چڑیا کو سونے کے پنجرے سمیت ہی لے اڑے گا۔

انجنا جب گھبرائی ہوئی گھر لوٹی تو اُس کے سامنے بابوجی بیٹھے ملے۔ انھوں نے اُسے دیکھتے ہی پوچھ لیا —!

"اتنی دیر کہاں لگا دی بیٹا؟"

"یونہی ذرا ٹہلنے نکل گئی تھی۔ جھیل کے پاس —"

"وہ تو اچھا کیا تم نے — لیکن جانا ہی تھا تو شیکھر کی ماں یا رمیا کو ساتھ لے لیا ہوتا۔"

"بھول ہو گئی بابوجی ....." اُس نے رکتے رکتے جواب دیا۔

"بھول کیسی بہو —" شانتی نے فوراً بہو کے آڑے آتے ہوئے کہا۔ پھر شوہر کی طرف مخاطب ہو کر بولی — "آپ تو بہو کو یوں جتلانے لگے جیسے وہ کل کی بچی ہو — ایسی کیا آفت آ گئی جو وہ باہر چلی گئی ذرا۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے تو یوں ہی دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"مجھے کب اس سے انکار ہے — میں نے تو صرف اتنا کہا ہے۔ کہ یوں اکیلی نہ جاتی —"

دونوں کی بحث شاید زیادہ طول پکڑ لیتی۔ اگر راجیو نے دادا کے قریب آ کر اودھم نہ مچا دیا ہوتا — وہ باغیچے سے بلی کا ایک بچہ اٹھا لایا تھا۔ اور اب سب کو اس کا کھیل دکھلا رہا تھا۔ جب وہ

میاؤں میاؤں کرتا تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگتا۔ اور اس کے ساتھ ہی سب کے سب ہنس پڑتے۔ یہاں تک کہ اس کی شرارت پر انجنا بھی کھلکھلا اٹھی۔ راجو کی ہنسی نے پل بھر کے لیے اس کا غم بھلا دیا۔ اور وہ شفقت سے اس کے گال پر چٹکی لیتے ہوئے بولی —

"شرارتی کہیں کا —"

"بالکل شنکر پر گیا ہے — وہ بھی بچپن میں ایسا ہی تھا" شانتی نے لاڈ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اسے اٹھا کر بلی کے بچے کو باہر تک چھوڑنے چلی گئی۔

شنکر کا نام سنتے ہی انجنا کے دل پر ایک چوٹ لگی اور وہ خاموشی سے زینے کی طرف بڑھی۔

"بہو —!"

بابو جی کی آواز نے اس کے قدم روک لیے اور وہ پلٹ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ انہوں نے اشارے سے اسے قریب بلایا اور چمڑے کے ایک بیگ میں سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے —

"ان کو سنبھال کر سیف میں رکھ دو — ترائی والی زمین ٹھیکے پر دے دی ہے یہ اس کی پیشگی رقم ہے —"

"لیکن بابو جی — اتنی بڑی رقم — میں تو لاپرواہ ہوں —"

"شنکر کی ماں سے کہہ ہی چکا ہوں اور پھر اس گھر کو تمہیں ہی سنبھالنا ہے اس بڑھاپے میں بھی کیا مجھے ہی یہ سب کچھ کرنا ہوگا —؟"

اب انجنا کچھ نہ کہہ سکی۔ اس نے احتیاط سے روپیہ تھام لیا۔ بابو جی نے بتایا کہ پورا دس ہزار ہے۔ انجنا اسے سنبھالتے ہوئے نیچے

سے اوپر چلی گئی۔

جوں ہی اُس نے سیف کھولا اور یہ رقم اُس میں رکھی اُسے بنواری کی اُس دھمکی کا خیال آ گیا جو اُس نے ابھی ابھی نہرو پارک میں دی تھی اور وہ سمجھ گئی تھی کہ بنواری اُسے ایک آلہ کار بنا کر اِس گھرانے کی دولت لوٹنے کے ارادے رکھتا ہے۔ وہ اس خیال سے کانپ گئی اور اس نے فوراً سیف کو تالا لگا دیا۔ پھر اُس نے پلٹ کر دیکھا اور گھبرائی ہوئی نظروں سے اس خالی کمرے کا اچھی طرح سے جائزہ لینے لگی۔ جیسے بنواری کی گہری نگاہیں ابھی تک اس کا پیچھا کر رہی ہوں۔ اُس نے کسی نامعلوم خوف سے کمرے کی تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر لئے۔ اور اپنے آپ کو شام کے اندھیروں میں چھپا کر ایک کونے میں بیٹھ گئی اور سسکیاں بھرنے لگی۔

لیکن اس کی وہ سسکیاں نہیں دب کر رہ گئیں اس کی دلی کیفیت کو کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ گھر والے اسے ایک آدرش ناری سمجھتے تھے۔ کمل بابو اسے سچ مچ پونم سمجھ کر اس کے لیے اپنے دل میں بے حد ہمدردی اور محبت رکھتے تھے۔ لیکن انجنا سے انہیں شدید نفرت تھی کیونکہ اس نے شادی کی رات کو ان سے دغا کی تھی۔ اور بنواری تو بس اُسے ایک گڑیا سمجھنے لگا تھا۔ اور اس کی کمزوریوں کی آڑ لے کر اس کی زندگی سے کھیلنے پر تلا ہوا تھا۔ اِن میں سے کوئی بھی تو ایسا نہ تھا جو اس کے دل کی سچائی کی تھاہ پا سکتا اور اسکے سینے میں چھپے درد کی اذیت کا اندازہ کر سکتا۔

بنواری نہرو پارک سے سیدھا ہوٹل چلا گیا۔ اس کی مایوسیوں

میں بھی امید کی ایک جھلک موجود تھی۔ اُسے اپنی چال پر پورا بھروسہ تھا۔ اُس نے سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا ہوٹل کے صدر دروازے پر پھینکا اور اس ہال میں داخل ہوا۔ جہاں شبنم کا ناچ ہو رہا تھا۔ مغربی دُھن ہال کی دُھندلی روشنیاں ــــ مے سے سرشار لوگ اور اُس پر شبنم کا لہراتا رقص کرتا نیم برہنہ جسم تماشائیوں پر بجلیاں گرا رہا تھا بنواری نے شعلہ بدن کو عجیب نگاہوں سے دیکھا۔ اس بدن کی ایک معمولی سی جھلک پا کر سینکڑوں لوگ لوٹ پوٹ ہو رہے تھے لیکن بنواری پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا ــــ وُہ اس قصائی کی طرح اس کے گوشت پوست کو دیکھنے لگا جو کسی بھیڑ کو ذبح کرنے سے پہلے اس کے گوشت کو ٹٹول لیتا ہے۔ شبنم کے جوان جسم میں جو گرمی تھی وہ اس کے لیے برف بن چکی تھی ــ شبنم نے رقص کرتے ہوئے۔ جیسے ہی نگاہیں اس پر پھینکی، اُس نے لاپروائی سے اپنا رُخ دوسری طرف پھیر لیا۔ اور تیزی سے زینے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔

"آج وہ پریشان تھا۔ اُسے آج کچھ بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔ وُہ اسی بے چینی میں کمرے میں داخل ہو۔ اور بڑے زور سے دروازہ بند کر دیا تبھی مغربی موسیقی کی دھن ختم ہوئی۔ تالیوں کی آواز سے ہال گُونج رہا تھا۔ بند دروازوں سے لوگوں کی دھیمی آوازیں سُن کر اُس کے سامنے وہ منظر گھومنے لگا۔ جس میں شبنم بار بار جھک کر حاضرین کی واہ واہ کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

بنواری نے لاپروائی سے اپنا کوٹ سامنے کی کرسی پر پھینکا۔

گلے کی نکٹائی کو ڈھیلا کیا۔ اور اپنے تھکے ہوئے جسم کو بستر پر پھینک دیا۔ پھر وہ تکئے کا سہارا لے کر اُس کمرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ جو ایک رقاصہ ہی کی طرح سجا دھجا تھا۔ اور نہ جانے کتنے مسافر وہاں آکر قیام کر چکے تھے۔ وہ سجاوٹ ٹھیک شبنم جیسی تھی جو میک اَپ اور چمکیلے کپڑوں میں پری جیسی لگتی تھی۔ لیکن اندر سے اُس فرنیچر کی طرح پرانی اور کھوکھلی تھی۔ جیسے ہوٹل والوں نے خوبصورت لباس پہنا کر اور رنگ روغن کر کے نیا بنا رکھا تھا۔ اُس کمرے کے اندھیرے کونوں میں سے شبنم کے پسینے کی بدبو اب بھی آ رہی تھی لیکن اس بدبو کو اس طرح سے سامانِ آرائش سے رفع کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی جس طرح شبنم پوڈر کلون کی خوشبو کے ذریعہ رفع کرنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

پریشان دماغ کو راحت دینے کے لیے اُس نے دوبارہ سگرٹ سلگایا۔ اور لمبے لمبے کش لینے لگا۔ ذرا سی دیر میں ہی اُس کمرے میں سگرٹ کا دھواں پھیل گیا۔ اسے اس دھوئیں میں چھپا ہوا وہ چہرہ نظر آیا جو شبنم سے بالکل الگ تھا۔ وہ انجنا کا معصوم اور گلابی چہرہ تھا۔ جو آج اُس کی وجہ سے ایک بیوہ کی زندگی گذار رہی تھی بیاہ کے بنا اُس بچے کی ماں کہلا رہی تھی۔ جو نہ جانے کس کا تھا۔

یہ سوچتے ہی اُس کے گناہگار جسم میں ایک اذیت نے انگڑائی لی۔ وہ اُس درد سے کراہ اُٹھا۔ جس نے اُس کے سامنے ماضی کی اُن رنگین گھڑیوں کو بکھیر دیا تھا۔ جب وہ کالج میں پڑھتی تھی۔ اور ایک معصومہ کی طرح اُس کے جھوٹے پیار کو سچ سمجھ کر اُس کی دیوانی ہو گئی تھی۔

اتنے میں اس دھوئیں کی دھند چھٹ گئی اور وہ چہرہ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ اور اس کے سامنے شبنم کا وہ چہرہ آگیا۔ جو ابھی ابھی باہر سے اندر آئی تھی۔ اور اُسے اس سنجیدہ حالت میں دیکھ کر چپ چاپ سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ چونکا اور اس نے لیٹے لیٹے ہی سگریٹ کو ایشٹرے میں بجھا دیا۔ اب شبنم کھٹاک سے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اپنے جھلملاتے ہوئے لباس کو اپنے جسم سے الگ کرنے لگی بنواری نے دوسرا سگریٹ سلگا لیا۔

"ملاقات ہوئی کیا ــ" شبنم نے لباس کو جسم سے اتار کر ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اب صرف اندرونی کپڑوں میں تھی۔ اور آئینے میں جھانک کر غور سے بنواری کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی

"جیسا میں نے سوچا تھا۔ ویسے ہی ہوا۔ وہ ٹھیک چھ بجے اس پارک میں چلی آئی ــ"

شبنم نے سینٹ کی صراحی دار شیشی کو اٹھایا۔ اور اس کے فوارے سے اُسے اپنے پورے بدن پر چھڑکتے ہوئے بولی۔

"کیا کہا اُس نے ــ؟"

"میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ــ"

وہ اُس کے اس جواب پر دل ہی دل میں مسکرا اٹھی اور الماری سے اپنا نائٹ گاؤن نکال کر پہن لیا۔ جب وہ چند لمحے تک خاموش رہی۔ تو بنواری نے پھر کہا ــ

"وہ سوچتی تھی۔ بنواری اُسے رحم کی نظر سے دیکھے گا۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"یہ سونے کی انگلی ہاتھ سے نکلنی نہیں چاہیے۔ سنا ہے نینی تال کا بہت بڑا جاگیردار ہے اس کا سسر۔"

"اور کہیں انجو نے اپنی محبت کا تم سے بدلہ لے لیا تو۔"

"وہ کیا لے گی۔ اُس نے تو اڑنے سے پہلے ہی اپنے پر کاٹ لیے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے بستر پر اچھلا اور ٹانگوں کو پسار کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ شبنم نے اُس کے چہرے پر سے اس کے دل کی بات جاننے کی کوشش کی لیکن اس کے ارادوں کو بھانپ نہ سکی۔ اُس نے سامنے کی الماری کھولی اور بلوری صراحی میں سے گلاس میں شراب انڈیلنے لگی۔ گلاس میں سرخ شراب کو دیکھتے ہی بنواری کے پریشان دماغ میں ایک لہر آ اٹھی۔ بے رونق چہرے پر لالی آگئی۔ بجھی ہوئی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس بار اس نے للچائی ہوئی نظروں سے شبنم کو دیکھا جس نے شراب سے چھلکتا ہوا وہ جام اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"تم میری کمزوری کو خوب سمجھتی ہو۔ شبو!"

"کمزوری کو نہیں — پریشانی کو۔" اُس نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور گلاس اُسے تھما دیا۔

بنواری نے گہری نظر سے اُس کے بدن کا جائزہ لیا۔ جسے وہ برسوں تک ٹٹول چکا تھا۔ لیکن آج زبردستی ہی وہ اس کے سامنے جوان بننے کی کوشش کر رہی تھی اس نے اس کے گال پر چٹکی لی اور شراب کے گھونٹ حلق میں اتار نے لگا۔ شراب کا حلق سے اترنا تھا کہ اس کے سرد بدن میں جیسے آگ پہنچ گئی اُس نے لپک کر شبنم کو قریب کھینچ لیا۔ اور وہ ساقی بنی اُسے جام اور جسم دونوں کی شراب پلانے لگی۔

"تم تو چلی جاؤ گی شبنم۔"

"ہاں ۔ کل رات میری آخری پرفارمینس ہے۔"

"اس کے بعد . . . . ؟" بنواری نے اس کے لبوں کو اپنی انگلی سے چھوا اور پھر مسلسل ان پر اپنی انگلی پھیرنے لگا اس لمس سے شبنم کے جسم میں ایک انوکھی برق دوڑنے لگی۔ اور وہ مستی میں لہرا کر بولی۔!

"یہاں سے شملہ ۔ مسوری اور پھر دلی۔"

"میرا کیا ہوگا؟"

"جہاں جاؤں گی۔ تمھیں ساتھ کھینچ کر لے جاؤں گی۔"

"نہیں شبو۔"

یہ سنتے ہی شبنم کو ایک دھچکا لگا۔ بنواری جس انگلی سے اسکے ہونٹوں کو چھو رہا تھا۔ اس نے اسے دانتوں سے کاٹ لیا۔ بنواری نے جھٹ انگلی کھینچ لی اور الگ ہوتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"پھر تم نے کیوں کہا ۔ نہیں شبو!" بچوں کی مانند بگڑتے ہوئے اس نے توتلی آواز میں کہا۔ اور اس سے ناراضگی کا اظہار کرنے لگی۔

بنواری نے اُسے پیار سے کھینچ کر اپنی بغل میں بٹھا لیا۔ اور اُسے اپنی مجبوریوں سے آگاہ کرنے لگا کہ اُس کا نینی تال میں رہنا ضروری ہے ممکن ہے کہ پرانی پہچان اور محبت کا سہارا لے کر وہ رنجنا کو پھر سے اپنے قریب لے آئے۔ اپنی بھٹکتی ہوئی زندگی کو پھر ایک ٹھکانا مہیا کر دے۔

"کہیں ایسا تو نہیں بنواری کہ اپنی زندگی کو ٹھکانہ مہیا کرتے کرتے تم میری محبت کو بھی ٹھکانے لگا دو۔" شبنم نے کہا۔

"تم بھی بڑی بھولی ہو۔ اگر مجھے تم سے کنارہ ہی کرنا ہوتا۔ تو کیا میں گھر آئی ہوئی سنہری چڑیا کو یوں پھر سے اڑ جانے دیتا۔ میرا اور اس کا کیا ساتھ۔ شراب سے اُسے نفرت۔ ناچ گانے سے لگاؤ نہیں۔ میں اُس گھریلو گائے کا کیا کروں گا۔ مجھے تو بجلی چاہیئے جو شبنم میں ہے"

شبنم اس کی بات کو سن کر شرمانے لگی۔ بنواری نے پیار سے اُسے اپنے اور قریب کھینچ لیا اور اس کے بدن کی حرارت سے اپنے بدن کو گرمانے لگا۔ پھر اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا جام شبنم کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہ انکار کرتے ہوئے مچلی لیکن بنواری نے زبردستی چند گھونٹ پلا دیئے۔!

"تمھیں یہاں رہ کر کیا کرنا ہے؟" شبنم نے پھر پوچھا۔

"انجو کی کمزوری سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنا ہے۔"

"ڈرتی ہوں۔ بنواری۔ بلیمہ بتورسے" بتورنے کہیں انجو کے جال میں نہ آجاؤ۔"

"پھر وہی بات۔ اعتبار نہیں رہا مجھ پر؟"

"تم پر تو ہے لیکن تمھاری نیت پر نہیں!"

"لیکن ان کاغذات پر تو ہے جن کی بنا پر ہم میاں بیوی کے رشتے میں بندھے ہیں۔"

"ہاں نہ ہی تو ایک سہارا ہے میرا۔ جو تمھاری نیت پر بھی اعتبار

کر لیتی ہوں ۔"

بنواری نے اُسے دو گھونٹ اور پلا دی۔ اور اُسے بستر پر گرا کر اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پہ رگڑتے ہوئے بولا ۔

" ایک کام کرو گی ۔۔۔ میری شبو !"

" کیا ۔۔۔؟"

" ہوٹل والوں سے کہہ کر یہ کمرہ چند دنوں کے لیے میرے پاس رہنے دو۔"

" پھر۔۔۔؟"

" اسے چھوڑ کر اگر میں کہیں اور رہنے لگا تو شاید اپنا پروگرام بنتے بنتے بگڑ جائے ۔"

" کتنے دن کے لیے ۔۔۔؟"

" بس یہی آٹھ دس دن کے لیے ۔"

" کہہ دوں گی بس ۔۔۔"

بنواری نے اُسے اپنے جسم کے ساتھ بھینچ لیا ۔ کمرے کی بتی کو مدھم کر دیا ۔ اور پیار میں ڈوبے ہوئے نہ جانے کتنے الفاظ اُس کے کانوں میں انڈیل دیئے ۔ اُس کی باتیں ایک میٹھے زہر کی طرح شبنم کے دل و دماغ میں اتر گئیں اور اس نے پوری سرمستی کے ساتھ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا ۔ ایک آگ تھی جس نے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ۔

انجنا مندر سے لوٹ آئی تھی۔ رمیا اور راجیو اُس کے ہمراہ تھے راجیو آج چار چھ روز سے بیمار تھا۔ بخار اترتے ہی ماں کے کہنے سے وہ اُسے دیوی کے مندر میں لے گئی تھی۔ شیکھر کی موت کے بعد شانتی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کا وہم کرنے لگی تھی۔ اسی لیئے اس نے بہو کو مجبور کیا کہ وہ اُسے دیوی کے چرنوں میں لے جائے اور اس کے پائوں کی دھول راجیو کے مستک پر لگائے۔

جوں ہی اُس نے اپنے گھر کے بیرونی حصے میں قدم رکھا، ایک سریلی اور انجانی چہچہاہٹ کو سُن کر اُس کے قدم وہیں رُک گئے۔ رمیا نے بھی اُن آوازوں پر حیران ہو کر بالکن کی طرف دیکھا۔ وہ پھر کان لگا کر سننے لگیں۔ صدر ہال سے کئی لڑکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ اُس گھر میں ان انجانی آوازوں کو سن کر انجنا کو خواہ مخواہ تشویش ہونے لگی۔

وہ ڈرتے ڈرتے ہال کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کا اندازہ غلط نہ تھا ــــ وہاں تین ــــ نہیں چار لڑکیاں موجود تھیں۔ اور بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ بابوجی ان کے قریب بیٹھے اُن سے گپیں لڑا رہے تھے اور شانتی دیوی اُن کی خاطر تواضع میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ وہیں دروازے کے پاس ہی رُک گئی۔ اور حیرت سے ان کے چہروں کی طرف دیکھنے لگی۔

جونہی اُن لڑکیوں کی نظریں انجنا پر پڑیں، وہ سب کی سب چپ ہوگئیں اور اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ نگاہیں ملتے ہی انجنا نے سر جھکا لیا۔ اور چپ چاپ دو قدم آگے بڑھ گئی۔ لالہ جگن ناتھ ان لڑکیوں کی حیرت اور خاموشی کو دور کرتے ہوئے بولے۔

"میری بہو۔ پونم۔"

"پونم۔ کتنا پیارا نام ہے۔" اُن میں سے ایک بولی۔

"اور دیکھنے میں بھی پونم کا چاند ہے" دوسری نے زبان دباتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"لیکن اِس چاند کو داغ لگ گیا۔" شانتی نے فوراً اُن کے شوخ اشاروں کو سنجیدگی میں بدل دیا انجنا نے بڑھ کر سب کو نمسکار کیا۔ بابو جی نے اس لڑکی سے انجنا کی جان پہچان کرا دی۔ جو کمل بابو کی چھوٹی بہن تھی۔ شالینی اُس کا نام تھا۔

"یوں مجھے پیار سے گھر والے شالو کہتے ہیں۔" شالینی نے بڑھ کر انجنا سے اپنی جان پہچان خود کرا دی۔ پھر تپاک سے دوسری لڑکیوں کا تعارف یوں کرانے لگی۔

"یہ ہے ریکھا۔ کملا اور آشا۔ میری کالج کی فرینڈز۔"

انجنا کے خاموش ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی اور وہ باری باری ان لڑکیوں سے ملنے لگی۔ شالینی نے جیسے ہی رمیا کے بازوؤں میں راجیو کو دیکھا۔ لپک کر اُسے باہوں میں لے لیا۔ اور اُسے چومنے لگی۔ دوسری لڑکیوں نے بھی ننھے راجیو سے توتلی زبان میں باتیں کرنا شروع کر دیں۔

شانتی ان لڑکیوں کو بہو کے سپرد کر کے پوجا کرنے کے لیے چلی گئی باپو جی نے اپنی بھی ذمہ داری اس کے حوالے کر دی۔ رمیتا راجیو کو لے کر جب اوپر چلی گئی تو انجنا بھی ان لڑکیوں کو کوٹھی کے عقبی حصّے میں لے گئی یہ حصہ باغیچے میں کھلتا تھا۔ جہاں سے جھیل صاف دکھائی دیتی تھی۔

گھر کے گرد و نواح کا خوبصورت نظارہ دیکھ کر سب لڑکیاں تعریف کرنے لگیں۔ انجنا ان کو لے کر باغ میں لٹکتے ہوئے جھولے پر جا بیٹھی اور بولی ــــ

"کب آئیں تم ــــ شالو ؟"۔

"کل شام کو . . . . "

"نینی تال کیسا لگا تم سب کو ؟"۔

"ابھی دیکھا ہی کیا ہے ــ بھیا کا گھر ــــ چاچا جی کی کوٹھی۔ اور سامنے کے پہاڑ بس"

شالینی کی اس بات پر سب ہنس پڑیں۔ انجنا کے چہرہ پر بھی خفیف سی ہنسی کھیلنے لگی ایک مدت کے بعد اسے اچانک ہنسی آگئی تھی۔ تبھی کمد، ان سب کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

"واہ ــ جیسے اور کچھ دیکھا ہی نہیں۔ وہ بھی تو ایک جگہ ہے۔ جس کی بھیا سب سے زیادہ تعریف کر رہے تھے۔

"کیا ــ ؟" اشا نے فوراً اس پر سوال کر دیا۔

"پونم . . . . "

کمد کے منہ سے اپنا نام سنتے ہی انجنا جھینپ گئی۔ ایک حیا سی

اُس کی پتلیوں میں ناچی اور اُس نے گردن جھکا کر دبی آواز میں کہا۔
"جھوٹ — تم تو مجھے بنانے لگیں۔"
"نہیں بھابی سچ ۔" شالینی فوراً کہہ اٹھی۔ "وہ تو اٹھتے بیٹھتے تمھاری ہی تعریف کرتے رہتے ہیں۔"
کہاں ہیں تمہارے بھیا — ؟"
"ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، کسی سرکاری کام سے کہہ گئے تھے لوٹتے وقت لیے جائیں گے — ابھی ہم کافی دن یہاں رہیں گی۔"
"تب تو خوب مزا رہے گا۔ میرا بھی من لگ جائے گا۔"
تھوڑی دیر میں ہی سب گھل مل گئیں ان کی چہچہاہٹ میں کچھ دیر کے لیے انجنا بھی اپنے غم بھول گئی۔ اُسے محسوس ہُوا جیسے کچھ ہی دیر میں وہ عورت سے ایک دم چنچل لڑکی بن گئی ہو۔ اس کے گھٹے ہوئے ارمان مچل اٹھے — جوانی کا خمار پھر سے انگڑائیاں لینے لگا۔ اور وہ بھول گئی۔ کہ وہ اُس گھرانے کی بہو ہے۔
لڑکیوں نے جیسے ہی جھیل کی سیر کا پروگرام بنایا کہ انجنا سب سے پہلے تیار ہو گئی۔ ان کا ساتھ دینے کے لیے وہ فوراً کپڑے تبدیل کر کے آگئی۔ اور لڑکیوں کو ہمراہ لیئے جھیل کی طرف چل دی جسے دیکھنے کے لیے وہ سب بے تاب تھیں۔
شالینی کی ملاقات نے انجنا پر جادو کا اثر کیا۔ وہ اس کی باتوں پر فریفتہ ہو گئی۔ لیکن وہ اپنے دائرے سے باہر جانے کی ہمت نہ رکھتی تھی۔ وہ ہر بات کو تول کر منہ سے نکالتی تاکہ شالینی یا اس کی سہیلیوں کو کسی طرح بھی یہ نہ معلوم ہو سکے کہ وہ پونم نہیں انجنا ہے!

ان لڑکیوں کی تفریح کے لیے وہ انہیں جھیل کی سیر کرانے لگی۔ وہ سب کشتی میں بیٹھ گئیں اور نینی تال کی پہاڑیوں کی تعریف کرنے لگیں۔ نیلے اور شفاف پانی میں تیرتی ہوئی اُن کی ناؤ جب جھیل کے دوسرے کنارے کی طرف جارہی تھی تو انجنا اچانک کسی کو دیکھ کر جھینپ گئی۔ وہ رونق، جو کچھ ہی دیر پہلے اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی یکایک ہوا ہوگئی۔

ان سے کچھ ہی فاصلے پر اُس جھیل میں ایک اور ناؤ جارہی تھی۔ بنواری اور شبنم دونوں اس میں بیٹھے سیر کر رہے تھے بنواری کے سامنے شراب کا جام رکھا تھا۔ اور شبنم اس کے سینے پر سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ لڑکیوں نے جب ان کو اِس انداز سے کھلے عام عشق کرتے دیکھا تو وہ بھی جھینپ گئیں۔ انجنا کی پیشانی پر گھبراہٹ سے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اور وہ لڑکیوں کی جانب دیکھتے ہوئے فوراً بول اٹھی۔

"ناؤ والے ناؤ واپس لے چلو!"

بنواری نے اس کی پریشان صورت کو دیکھا اور زہریلی مسکراہٹ کے چھینٹے اس پر اچھالتے ہوئے شبنم سے بولا۔" بچ کر کہاں جائے گی؟"

لڑکیوں کی ناؤ تیزی سے دور ہوتی چلی گئی ملاح نے بڑی چابک دستی سے کام لیا تھا بنواری نے خاموش ماحول میں ایک قہقہہ بلند کیا اور شراب کا جام حلق میں انڈیل لیا۔

"چھی چھی۔ کتنے گھٹیا لوگ ہیں!" شالینی نے نفرت سے

اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"زندگی کا لطف لے رہے ہیں۔ اور کیا۔!" کمد بولی۔"

"یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔ دیکھو تو کس بے شرمی سے کسی غیر مرد کے گلے کا ہار بنی ہوئی ہے۔" شالینی بولی۔

"غیر تو ہمارے لیے ہے۔ اس کا تو اپنا ہوگا۔"

کمد کی اس بات پر سب کو ہنسی چھوٹ گئی۔ لیکن انجنا چپ چاپ اُن کی باتیں سنتی رہی وہ چور نگاہوں سے اب بھی بنواری کی اس کشتی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جو دھیرے دھیرے اُس کی نگاہوں سے دور چلی جا رہی تھی اور اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے نشے سے صرف بنواری ہی نہیں، اس کی ناؤ بھی جھوم رہی ہے۔

"تم کیا سوچ رہی ہو۔ بھابی۔" شالینی نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھ لیا۔

"کچھ بھی تو نہیں۔" وہ بے خیالی میں بڑبڑائی۔

"جھوٹ ہنستے ہنستے اچانک یہ خاموشی کیسی؟" آشا نے بات پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میں جانتی ہوں بھابی کے دل کی بات۔" کمد نے فوراً کہہ دیا۔

انجنا جھینپ گئی۔ اور حیران نظروں سے اس کے ہونٹوں میں بہتی ہوئی شوخ مسکراہٹ کو دیکھنے لگی جیسے سچ مچ وہ اس کے دل کی بات بھانپ گئی ہو۔ شالینی نے فوراً پوچھا۔

"کیا جان گئی ہے تو۔۔؟"

"کہہ دوں بھابی ۔۔۔"

انجنا نے اُس کی آنکھوں کی چمک کی طرف دیکھا اور ڈرتے ڈرتے کہنے کے لیے حامی بھر دی۔ کہا۔ کمد قدرے رُک رُک کر بولی۔

"شاید بھابی کو اپنا ہی موہن یاد آ گیا ہے۔"

کمد نے یہ بات کہہ کر انجنا کے دل کو چھلنی کر دیا لیکن وہ اسے برداشت کر گئی ۔۔۔ اور چار و ناچار ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر بولی ۔۔۔

"تم نے سچ کہا۔ کمد ۔۔۔ یہ زندگی یادوں کے سہارے ہی تو ڈھونڈتی رہتی ہے۔ چاہے وہ خوشی دیں یا نشتر چبھو دیں۔"

انجنا کی بات سن کر سب چپ ہو گئیں۔ اور اس کی خاموش صورت کی طرف دیکھنے لگیں، جس کی پلکوں پہ آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ پھر سے مسکرا دی اور لڑکیوں کو دور پہاڑی کی چوٹیاں دکھانے لگی۔ جو سنہری دھوپ میں نیلے آکاش تلے تنہا اور خاموش کھڑی تھیں۔

جب انجنا لڑکیوں کو لیے ہوئے گھر لوٹی۔ تو وہ سب باغیچے میں گھاس کے فرش پر ستانے کو بیٹھ گئیں۔ انجنا نے چائے کے لیے پوچھا۔ سب کو اس کا مشورہ پسند آیا اور وہ چائے کے لیے کہنے کو اندر کی طرف بڑھی صدر حال میں داخل ہوتے ہی وہ رُک گئی۔ بابو جی کے ساتھ کمل بیٹھے بیٹھے شطرنج کھیل رہے تھے۔ آہٹ پاتے ہی کمل نے انجنا کی طرف دیکھا۔ اور اشاروں میں ہی دونوں نے ایک دوسرے کا خیر مقدم کیا۔

"کہاں گئے تھے تم سب لوگ۔ لالہ جگن ناتھ نے دریافت کیا۔

"جھیل تک یونہی سیر تفریح کے لیے۔"

"شالو کہاں ہے؟" کمل نے پوچھا

"باہر باغیچے میں سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔"

"چلو اچھا ہوا ــ کچھ ہنسے بولے گی۔ ورنہ کل سے گھر بیٹھی بور ہو رہی تھی۔"

"خیر وہ بور ہو رہی تھی یا نہیں لیکن میرے گھر کی رونق ضرور بڑھ گئی ہے"۔ لالہ جگن ناتھ نے اپنی چال چلتے ہوئے کہا۔

"رونق انکل ــ وہ کیسے ــ؟"

"آج میں نے بہو کو پہلی بار ہنستے دیکھا ہے اس گھر میں!" لالہ جی نے بہو کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ یہ سن کر جھینپ گئی۔ اور شرم سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ منہ پھیرتے ہوئے اس نے اپنی حیا آلود نگاہوں سے دیکھا کمل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

انجنا، شالو اور اس کی سہیلیوں کے لیے چائے تیار کرنے چلی گئی۔ اور کمل چپ چاپ بیٹھا شطرنج کی چالیں چلتا رہا۔

"انکل کتنی خوش نصیب ہے۔ آپ کی بہو۔ جس کے سر پر آپ کا سایہ ہے ــ"

"خوش نصیب تو ہم ہیں۔ کمل، جنہیں اتنی اچھی بہو نصیب ہوئی۔ یہ بھی میں اپنے کرموں کا پھل بھگت رہا ہوں۔ نہ میں اس چاند سی بہو کو ٹھکراتا، نہ مجھے آج یہ سزا ملتی۔" یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے لیکن انہوں نے ضبط سے کام لیا۔ اور اپنے دھیان کو کھیل میں اور بھی زیادہ محو کر دیا۔ کمل نے ان کے جذبات کو زیادہ

ٹھیس پہنچانا مناسب نہ سمجھا اور باتوں کا سلسلہ منقطع کرکے چالی چلنے لگا۔

لالہ جی سے نہ رہا گیا کمل کی خاموشی جیسے انہیں ڈسنے لگی اس نے ان کی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑ دیا تھا۔ لالہ جی نے اچانک کمل کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور اُس سے مخاطب ہو کر بولے۔

"لیکن ایک بات ہے۔ بیٹے۔!"

"کیا۔؟"

"جب سے یہ اس گھر میں آئی ہے۔ جوان بیٹے کی موت کا غم بھول گیا ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے بیٹا دے کر بیٹی لے لی ہو۔"

کمل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور اپنے کھیل میں مست ہو گیا چائے تیار ہو گئی۔ تو سب لوگ میز کے گرد آ جمع ہوئے! انجنا نے آج چائے کے ساتھ کھانے کی کئی اچھی اچھی چیزیں رکھیں۔ لالہ جی نے جب ان چیزوں کی تعریف کی تو شانتی نے اس بات کی تائید کر دی کہ یہ سب چیزیں بہو نے تیار کی ہیں شالینی بھی اس تائید و تعریف میں شریک ہو گئی۔ آج واقعی انجنا نے یہ سب چیزیں بڑے اشتیاق سے تیار کی تھیں۔

باتوں ہی باتوں میں جب شالینی نے انجنا کو اگلے روز اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ وہ راجیو کی بیماری کا بہانہ پیش کر کے بات کو ٹال دینا چاہتی تھی۔ لیکن جب شالینی نے اصرار کیا۔ تو بابوجی سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے فوراً انجنا سے پوچھے بنا ہی حامی بھر دی۔ بہو نے جونہی چونک کر ان کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر

بولے۔

"ہاں بہو۔ اس میں انکار کیسا ہے؟ شنا لوگوں سا بار بار تھوڑی ہی تال آنے والی ہے۔"

بابوجی کی بات سن کر شالینی مسرت سے جھوم اٹھی۔ انجنا نے خاموش نگاہوں سے کمل کی طرف دیکھا۔ جس کا چہرہ بھی بہن کی طرح خوشی سے دمک رہا تھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ جیسے اس اصرار میں زبان شالو کی تھی لیکن دل کمل کا۔

وُہ لوگ چلے گئے۔ انجنا انہیں باہر کے دروازے تک چھوڑنے گئی۔ وہ اس وقت بیحد خوش تھی لیکن جونہی ان لوگوں کی جیپ گاڑی روانہ ہوئی۔ انجنا کو محسوس ہوا جیسے اُس کی خوشیاں اُس سے دُور ہوتی جا رہی ہوں۔ وہ دیر تک دروازے کا سہارا لئے اس جیپ گاڑی کو دیکھتی رہی۔ جو جھیل کے کنارے ویران سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو وہ بھی اندر جانے کے لیے پلٹی۔

آج اسے اندر جانا اچھا نہ لگ رہا تھا۔ وہ اس کھلی فضا اور ہوا کے نرم نرم جھونکوں کو چھوڑ کر پھر اس گھٹن میں جانے سے ڈر رہی تھی لطیف موسم۔ کھلا آسمان اُس پر پرندوں کی سریلی آوازیں وُہ ان سب کو چھوڑ کر اندر جانے سے کترا رہی تھی۔

دو قدم بڑھے اور رُک گئے۔ رمیا سامنے جنگلے پر سے راجیو کے دُھلے کپڑوں کو جو اب سُوکھ چکے تھے جلدی جلدی اُتار رہی تھی۔ انجنا نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

"راجیو کہاں ہے ——؟"

"ماں جی کے پاس۔ بیٹھا کھیل رہا ہے۔"

"اس نے دودھ پی لیا۔"

"جی۔!"

"تو ایک کام کرنا رمیّا۔"

"جی بی بی جی۔!"

"یہ سب کپڑے پریس کر لے۔ آج میرا جی نہیں چاہتا۔"

یہ کہتے کہتے انجنا باغیچے کی طرف چلی گئی۔ جاتے جاتے پھر رُکی اور رمیّا سے مخاطب ہو کر بولی۔

"کوئی میرے بارے میں پوچھے تو کہہ دینا یہیں ہے سامنے پیڑوں کے تلے"!

انجنا بنا کوئی جواب سنے باغیچے کے اُس حصے کی طرف چلی گئی جو جنگل سے ملتا تھا۔ گھنے پیڑوں کے جھنڈ میں جا کر وہ اوجھل ہو گئی۔ رمیّا نے آج سے پہلے کبھی مالکن کو اس قدر خوش نہ دیکھا تھا۔ ابھی تک اس کے کانوں میں مالکن کے یہ الفاظ برابر گونج رہے تھے۔

"یہ کپڑے پریس کر لے۔ آج میرا جی نہیں چاہتا"!

وہ اس جواب کی گہرائی کو سمجھے بغیر شانہ جھٹک کر رہ گئی اور جلدی جلدی کپڑے سمیٹنے لگی۔

اتنے میں اُس کے کانوں میں ایک بھنبھناہٹ کی سی آواز آئی۔ پہلے تو اُسے ایسا لگا جیسے کسی جانور کی آواز ہو۔ لیکن پھر جب وہ آواز دوبارہ اور سنائی دی تو وہ چونکی ہو گئی اور گھوم کر اس طرف دیکھنے لگی جدھر سے وہ آواز آ رہی تھی۔

سوکھے پتوں گھاس پر سرسراہٹ اُبھری اور اُس کے ساتھ ہی بنواری کا چہرہ نمودار ہوا جو ایک پیڑ کے تنے کے پیچھے چھپا اُسے اشارے سے اپنے قریب بلا رہا تھا۔ پہلے تو رمیا اُسے وہاں دیکھ کر ڈر گئی۔ لیکن پھر چاروں طرف کسی اور کو نہ دیکھ کر وُہ دھیرے دھیرے اس طرف چلی گئی بنواری نے اشارے سے اسے اور قریب آنے کو کہا۔

"کیا بات ہے ۔۔؟"

"تمھاری مالکن کہاں ہے ۔ ؟"

"کیوں ۔۔؟"

"ذرا اُس سے کام تھا ۔"

"تو اندر چلے آؤ ۔۔ مل لو جا کر۔"

"نہیں مجھے تمھارے کتے سے ڈر لگتا ہے ۔"

"ارے وہ تو کسی کو کچھ نہیں کہتا ۔۔ ہاں چور اُچکوں کو فوراً پہچان لیتا ہے ۔"

رمیّا کی بات سن کر اُس کا سانس لمحہ بھر کے لیے گلے میں اٹک کر رہ گیا۔ لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

" وہ اس روز تم نے خط مالکن کو دے دیا تھا نا۔"

"ہاں تو . . . . اور انہوں نے آئندہ کوئی خط پتر لینے سے منع کر دیا ہے۔"

"کہیں تم نے مالکن سے یہ تو نہیں کہا کہ میں نے تمھیں انعام دیا تھا۔"

رمیّا اس کے سوال پر چونک گئی ۔ اور گھبراہٹ سے اُس کی پیشانی پر پسینہ آ گیا۔ اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا بنواری نے فوراً

جیب سے دس روپئے کا ایک نوٹ نکالا اور اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ لو۔ رکھ لو۔"

"آج کوئی اور چیٹھی دینی ہے اُنہیں؟"

"نہیں ۔۔ یونہی تمھیں دے رہا ہوں ۔ تمہاری معمولی تنخواہ سے کیا بنتا ہوگا۔"

نہیں ۔۔ میں نہیں لوں گی۔"

"ارے پگلی رکھ لے ۔۔ میں کوئی تمہاری مالکن سے تھوڑے ہی کہوں گا ۔۔ اور تم بھی نہ کہنا۔"

"کیوں ۔۔؟"

"یہ لوگ کسی غریب کا پیٹ بھرتے دیکھ کر خوش تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

"پیٹ تو بھر جاتا ہے۔ پر نظر نہیں بھرتی۔" رمیا نے للچائی ہوئی نظروں سے بنواری کے ہاتھوں میں تھمے ہوئے نوٹ کو دیکھ کر کہا۔ اور اس کے ذرا سا اِصرار کرنے پر وہ نوٹ لے لیا۔

جب وہ اُس نوٹ کو احتیاط سے اپنی چولی میں رکھ رہی تھی تو بنواری کی بھوکی نگاہیں اُس کے گداز سینے کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ وہ جھینپ گئی اور شرم سے اپنے پلّو کو سمیٹتے ہوئے بولی ۔۔

"کوئی کام تھا۔ تمہیں ۔۔ مالکن سے۔"

"ہاں ۔۔ جاکر ذرا اسے خبر دے کہ میں یہاں ہوں ۔۔"

"لیکن وہ تو اندر نہیں ہیں ۔۔"

"کہاں گئی ہے؟"

"ان پیڑوں کے جھنڈ کے پیچھے۔"

"اکیلی یا۔۔۔۔"

"بالکل اکیلی۔"

"تو میں وہیں چلا جاتا ہوں۔"

"تم اندر چلے آؤ نا ۔۔ میں انہیں خبر دیتی ہوں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات پریشانی کی نہیں۔۔ میں خود ہی مل لوں گا۔ تم تو جانتی ہو۔ وہ میری صورت سے بھی نفرت کرتی ہے۔"

ہڑبڑا کر اس نے کہا۔ اور جنگل کی طرف جانے لگا۔ جاتے جاتے لمحہ بھر کے لیے اُس کے قدم رکے اور وہ پلٹ کر بولا ۔۔ "رمیا۔"

"ہوں ۔۔"

"دیکھو تم سے کوئی پوچھے کہ مالکن کہاں ہے ۔۔ تو کہہ دینا تمہیں معلوم نہیں۔"

بنواری چلا گیا۔ لیکن رمیا کے لیے ایک پہیلی چھوڑ گیا۔ ایسی ہی بات مالکن نے بھی اُس سے کہی تھی کہ کوئی اُس کے بارے میں پوچھے تو کہہ دینا کہ وہیں پیڑوں تلے ہے اور بنواری نے کہا تھا کہ کوئی پوچھے تو کہہ دینا مجھے معلوم نہیں۔

اُس نے اس الجھن کو سلجھانے کی کوشش نہ کی۔ اور اپنے ارد گرد دیکھنے کے بعد اپنی چولی میں سے دس روپے کے اس نوٹ کو نکال کر اُسے غور سے دیکھنے لگی نوٹ بالکل نیا تھا۔ اور اس کی انگلیوں میں ایک دلکش کھڑکھڑاہٹ پیدا کر رہا تھا۔ وہ اُسے

دیکھ کر مسکرا اٹھی اور پھر سے واپس چولی میں اڑس کر ڈھیر سے ڈھیرے کپڑے سمیٹنے لگی۔

رمیا کا اشارہ پا کر بنواری آہستہ آہستہ اُس جانب بڑھتا گیا۔ جدھر کچھ دیر پہلے انجنا گئی تھی۔ کوٹھی کے سامنے کا حصہ جتنا بارونق تھا، پچھواڑے کا حصہ اتنا ہی اُجاڑ اور ویران تھا یہ راستہ جھیل کی دوسری طرف پیدل جانے کے لیے بنا ہوا تھا۔ بنواری اُسی راستہ پر دبے دبے قدم اٹھاتا بڑھتا چلا گیا۔ اور پھر درختوں کے اس جھنڈ میں پہونچ گیا اس وقت وہ ایک بھیڑیے کی طرح چاروں طرف اپنی نظریں دوڑا رہا تھا اور جیسے اپنے شکار کی بو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک بنواری کے کانوں نے انجنا کی سریلی آواز سنی۔ وہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر کچھ گنگنا رہی تھی بنواری بڑھتا ہوا پیڑ کے اُس تنے کے پاس جا کر رک گیا۔ جہاں سے وہ اُسے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کوئی گیت گنگنا رہی تھی اور سرسبز جنگلی گھاس پر بیٹھی جھیل کے اُس پُرسکون پانی کی طرف دیکھ رہی تھی جو ایک کھاڑی سی بناتا ہوا جنگل کے اس کونے میں آرکا تھا۔

پھر ایکا ایک اُس کی گنگناہٹ اپنے ہونٹوں میں دب کر رہ گئی۔ اور وہ ہنسوں کے اُس جوڑے کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگی۔ جو اُس ٹھہرے ہوئے پانی میں نہا رہا تھا۔ اُن پرندوں کو پھڑپھڑاتے دیکھ کر اسکے چہرے پر اور بھی رونق آگئی۔ اور آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ بنواری کی اُن زہریلی نظروں سے بالکل بےخبر تھی

جو چند لمحوں میں ہی اُس کی آنکھوں کی چمک کو اپنے زہر سے بجھا دینے والی تھیں۔ بنواری عقاب کی طرح اس کے دل کے پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے کو اپنے پنجوں میں دبوچنے کے لیے آگے بڑھا۔ اور انجنا کی پیٹھ کے پیچھے آکر رک گیا اور پھر ایک جنگلی پھول توڑ کر اس نے انجو کے گال پر دے مارا۔ وہ ایک دم ہڑبڑا گئی اور جیسے ہی اُس نے اپنے قریب اِس شیطان کو دیکھا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اب وہ قدرے سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اور ہانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تم ..... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"اپنی انجو کا پیچھا ــ"

"کیوں ــ؟"

"اپنی کھوئی ہوئی محبت کو پھر سے دل میں بسانا چاہتا ہوں"

"محبت" وہ یہ کہتے ہوئے جھنجلا اٹھی۔

"ہاں وہ ہی محبت جسے ڈپٹی صاحب کی دولت نے اپنے سایوں میں چھپا رکھی ہے۔

"تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ ــ ورنہ ... ورنہ میں چلا کر...."

"نہیں انجو اب تم ایسا نہیں کر سکو گی۔" بنواری نے مستحکم لہجے میں کہا۔ اور اُس کے برابر آبیٹھا۔ وہ گھبرا کر اٹھنے لگی تو اس نے اس کا آنچل پکڑ لیا۔ وہ وہیں کی وہیں گٹھڑی بن کر بیٹھ گئی۔ اور اپنے آپ کو سمیٹ کر اُس کی شیطان نما صورت کو دیکھنے لگی خوف سے اُس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہوئی جا رہی تھی ہونٹ

بھڑک رہے تھے۔

"اُس دن بھی ـــ تو بھاگ آئیں ـــ گھر آیا ـــ تو بے عزت کر کے باہر نکال دیا ـــ اور آج یہاں دیدار ہوا ـــ تو نفرت سے منہ موڑ لیا ...."

"اور کیا کروں ـــ تمہارا میرا رشتہ ہی کیا ہے ؟ اُن رشتوں سے کہیں گہرا، جو پوتم نے اپنے گرد باندھ رکھے ہیں"۔

انجنا نے اپنی گھبرائی ہوئی نظروں سے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔ بنواری اپنی زہر آلود مسکراہٹ کے ساتھ بولا ـــ "ہاں ـــ کہہ دو میں جھوٹ کہہ رہا ہوں ـــ یہ بہو ـــ یہ بچے کی ماں ـــ اور پھر بیوہ ـــ ان رشتوں سے تو کہیں گہرا ہے اپنے پیار کا رشتہ"

"یہ جھوٹ ہے" ـــ وہ تلملا اٹھی۔

"تو سچ کیا ہے ـــ تم ہی بتا دو ـــ"

"میں خود نہیں جانتی ـــ بنواری میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں ـــ تم یہاں سے چلے جاؤ ـــ"

تاکہ تم پونم بن کر اس بڈھے کی تمام جائداد کی اکیلی مالکن بن جاؤ بنا شادی کئے، اس بچے کو اپنا کر اپنی ممتا کا ڈھونگ رچا سکو بیوہ کا یہ سوانگ بھر کر کمل بابو کی محبت کو جیت سکو۔"

"بنواری ـــ" وہ گلوگیر آواز میں چلائی اور ایک زخمی ہرنی کی طرح اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اور پھر جلدی جلدی ایک طرف کو چل دی۔

بنواری نے بھی لپک کر اُس کا راستہ روک لیا۔ "اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ انجو تم میری محبت کو ٹھکرا کر نہیں جا سکتیں"۔

"اپنی ہوس کو محبت کا نام مت دو — بنواری — میری مجبوریوں کا مذاق نہ اڑاؤ — میری زندگی سے دور چلے جاؤ —"

یہ کہتے ہی انجنا پھر وہاں سے چل پڑی۔ بنواری نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑلی۔ لیکن انجنا نے ایک ہی جھٹکے سے بانہہ چھڑالی اور اس سے پہلے کے وہ سنبھلتا۔ وہ پیڑوں کے گھنے جھنڈ کی طرف بھاگ نکلی — اور ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی ہوئی اپنے باغیچے میں پہونچ گئی۔

بنواری اُس کا پیچھا کرتے کرتے رُک گیا۔ اُس کے قدم راستے کے اُس پتھر سے ٹھوکر کھاکر رک گئے۔ جس کے پاس موتیوں کا ایک ہار گرا پڑا تھا۔ بنواری اس قیمتی ہار کو دیکھ کر اپنی بے عزتی اور انجنا کی بے رخی کو بھول گیا اس کی سرخ آنکھوں میں ایک دھندلی سی چمک ابھری وہ زمین پر جھکا اور ہار کو اٹھا کر اسے ایک جوہری کی طرح اپنی انگلیوں اور نگاہوں سے ٹٹولنے لگا۔ پھر وہ بڑبڑایا۔

"کوئی بات نہیں — انجو! تمہارا یہ ہار تمھاری بے رخی کا بدلہ چکادے گا۔

ہانپتی ہوئی انجنا جب باغیچے سے صدر ہال میں داخل ہوئی تو سامنے اپنے سسر کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی — لالہ جگن ناتھ نے اپنی بہو کی پریشان اور خوفزدہ صورت دیکھ کر فوراً پوچھا۔

"کیوں — کیا ہوا — بہو؟"

"کچھ نہیں — یونہی — بابوجی —!

"کہو نا کیا بات ہے — اتنا گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟"

"میں میں ... پچھواڑے میں وہ جنگلی راستہ ہے نا۔ وہ جو جھیل کی طرف جاتا ہے ___ وہاں میں نے ایک جانور دیکھا۔" اس نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن تمہیں وہاں جانے کو کس نے کہا تھا؟ ___ وہ راستہ تو ویران ہے ___ کبھی کبھی وہاں بھیڑیا آجاتا ہے۔"

"جی بابوجی ... شاید وہ بھیڑیا ہی تھا۔" انجنا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا اور زینے کی طرف بڑھی۔ اچانک اس کی نظر رمیا پر پڑی جو پہلے ہی زینے پر کھڑی تھی اسے مسکراتا دیکھ کر انجنا جھلا اٹھی۔ اسکی خشمگیں صورت کو دیکھ کر رمیا جھینپ گئی۔ اور راجیو کے کپڑے لے کر تیزی سے زینہ طے کر گئی جب وہ انجنا کے کمرے میں کپڑے رکھ کر باہر آنکلی تو اس نے انجنا کو اندر آتے دیکھا وہ ایک لمحے کے لیے رک گئی انجنا نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"رمیا ___"

"جی! ___"

تو مجھے دیکھ کر ہنس کیوں پڑی تھی" انجنا نے تشویشناک نظروں سے رمیا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

جی ... جی وہ بھیڑیئے والی بات پر آپ ڈر گئی تھیں نا۔" مالکن کی نظروں میں غصہ دیکھ کر رمیا ڈر کر اور شرمندہ ہو کر عاجزانہ لہجے میں بولی ___ "مجھ سے غلطی ہو گئی۔ بی بی جی!"

رمیا چلی گئی لیکن انجنا کے دل کا خوف نہ گیا۔ بار بار ایک ہی خیال اس کے ذہن میں کوند رہا تھا کہ کہیں رمیا نے بنواری کو تو نہیں

(۱۴)

نینی تال کی خوشنما وادی، سبزہ زاروں اور جنگلوں کو شانو اور اس کی سہیلیوں نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ اُن کی ٹولی میں انجنا اور کمل بھی تھے۔ انجنا کچھ دیر کے لیے اپنی گھٹن کو بھول گئی تھی اور وہ ان لڑکیوں سے کھل مل گئی تھی اور اُس کی خوشی لوٹ آئی تھی۔ وہ گل پوش وادیوں میں اٹھکھیلیاں کرتی "دوڑتی کودتی" ایسے جان پڑتی تھی، جیسے کوئی تتلی پر پھیلائے کبھی یہاں کبھی وہاں پرواز کر رہی ہو۔ ایسی حالت میں اچانک کسی وقت کمل کا سامنا ہو جاتا تو وہ جھجک کر رہ جاتی۔ اسکی آنکھوں میں حیا ناچنے لگتی۔ جسم کی رگ رگ سے ٹپکتی ہوئی شوخی و شرارت ایک دم پھیکی پڑ جاتی۔ اور وہ گم سم سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگ جاتی۔ اس کی ان اداؤں سے کمل کے دل میں تہلکہ سا مچ جاتا، لیکن وہ اپنے چہرہ کی سنجیدگی سے اس دلی کیفیت کو اس پر ظاہر نہ ہونے دیتا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے، جس سے وہ پیکر ناز کی پتھر کی مورت نہ بن کر رہ جائے۔ لہٰذا وہ اس سے نظر بچا کر دوسری طرف نکل جاتا یا ان لڑکیوں میں سے کسی سے باتیں کرنے لگتا۔

وہ تفریح اور پکنک کے موڈ میں نینی تال سے کافی دور نکل آئے تھے۔ ہمالیہ کی پھیلی ہوئی گھاٹیوں کا نظارہ کرتے کرتے وہ اُس

کے پاس آ گئے۔ جو دو پہاڑیوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ اوپر پہاڑوں کی بلندی سے ایک جھرنا گر رہا تھا۔ جو سیدھا اس جھیل میں آ کر سما جاتا تھا۔ پانی کی وہ پھوار سنہری دھوپ میں یوں چمک رہی تھی۔ جیسے چاندی کے جھلملاتے ہوئے ذرے نیلی گہرائیوں میں ڈوب رہے ہوں۔

لڑکیاں تھک چکی تھیں۔ وہ سستانے کے لیے جھیل کے کنارے پھیلی ہوئی ایک چٹان پر بیٹھ گئیں پھر کمد نے چائے کی طلب ظاہر کی اور وہ سب مل کر چائے ناشتے کی تیاریاں کرنے لگیں۔ شالینی نے بیگ میں سے بسکٹ کا ڈبہ نکالا اور اسے کھول کر سب میں بانٹنے لگی۔

انجنا اس ٹولی سے کچھ دیر کے لیے الگ ہو گئی۔ کمل نے بسکٹ کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے اس کی طرف دیکھ لیا۔ کہ وہ چٹان کے نیچے سے ہو کر اس جھرنے کی طرف جا رہی تھی پھر کمل نے سب لوگوں کو اپنے آپ میں مست پایا۔ تو دو چار بسکٹ طشتری سے اٹھا کر انجنا کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ پتھریلے راستے کو پار کرتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا وہ جھیل کے کنارے کھڑی اس جھرنے کے منظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی وہ چاندی کی جھلمل کرتی ہوئی اس چلمن میں چھپی ہوئی نامعلوم رعنائیوں نے اس کے دل کو اپنے جادو سے باندھ رکھا تھا۔

تھوڑی دور کچھ سرسبز جھاڑیاں تھیں۔ جن پر شگفتہ پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ انجنا آہستہ آہستہ ان کے قریب چلی گئی۔ اور ایک گلاب کا پھول توڑ کر عجیب بے خودی سے اپنے جوڑے میں لگانے لگی۔ ایکا ایک اس کے بدن میں ایک لرزش سی دوڑ گئی۔ کسی سائے کے قریب کا احساس کرتے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کمل دبے پاؤں آ کر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا تھا۔

یہ دیکھتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں کانپ اٹھے اور وہ پھول جوڑے میں زیب دینے کی بجائے پتھروں پر گر گیا۔ اُس نے نگاہیں نیچی کر لیں۔

کمل نے جھک کر وہ پھول اٹھا لیا۔ اور اُسے انگلیوں میں نچاتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ رُخ بدل کر پھر اُس جھرنے کو دیکھنے لگی۔ کمل چپکے سے اس کے قریب آگیا اور دبی آواز میں بولا —

"پھول کو جوڑے میں لگاتے لگاتے اسے پھینک کیوں دیا۔؟"

"نہیں تو .... یوں ہی دیکھ رہی تھی ...."

"تمہارے بالوں میں کیسا لگتا ہے۔ ہے نا۔!"

"جی ...."

"یہ تو جنگل ہے پونم۔ یہاں دور دور تک کسی جاننے والے کا گذر نہیں۔ کون انگلی اٹھائے گا اس پھول کو دیکھ کر۔ جی چاہتا ہے تو لگا لو۔"

"آپ نے غلط سمجھا — مجھے پھولوں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔"

"جھوٹ — لگاؤ نہ ہوتا — تو تم اس بے چارے کو اس کی ٹہنی سے الگ کر کے اپنے جوڑے میں سجانے کی کوشش میں اسے پتھروں پہ نہ پھینک دیتیں۔"

"شاید آپ کو اس پر ترس آرہا ہے۔"

"کیوں نہ آئے! تمہارے دل کی کشمکش دیکھ کر رحم جاگ رہا ہے۔"

"اتنا ترس آرہا ہے تو اپنے کوٹ کے بٹن میں لگا لیجئے نا —"

اچانک گھوم کر اس کے روبرو ہو گئی اور بیباکانہ لہجہ میں کہہ دیا۔ کمل خاموش نظروں سے اُس کی گہری آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ جن میں نیلی جھیل کا عکس لرز رہا تھا۔ اور جن میں تھوڑا سا پانی چھلکنے کو بیتاب تھا۔ وہ

بت بنا چند لمحوں کے لیے اسے ایک ٹک دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے وہ پھول اپنے کوٹ کے بٹن ہول میں ٹانک لیا۔

"لو۔ تم نے حکم دیا اور ہم نے مان لیا۔ بس۔"

انجنا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور کھسک کر اُس جھرنے کے اور قریب ہو گئی۔ چاندی کا دھارا گرنے سے وادی میں ایک نہایت دلکش ترنم موجزن تھا وہ خاموشی سے اس سرمدی سرود کو ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" کمل نے پوچھ ہی لیا۔

"یہ جھرنا کتنا خوش نصیب ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"صدیوں سے بہے جا رہا ہے۔ اپنے دل کا سوز بنا خوف اور جھجک کے دنیا بھر کو سنائے جا رہا ہے۔"

"ہاں پونم۔ جتنا اس کی خوش نصیبی پر رشک آ رہا ہے۔ اتنا ہی اس جھیل کو دیکھ کر دکھ بھی ہوتا ہے۔"

"وہ کیوں ــــ؟"

"اِس کی گہرائیاں نہ جانے کتنی صدیوں سے طوفان کے تھپیڑے جھیلتی چلی آ رہی ہے۔ لیکن خاموش ہیں، اپنے مدتوں کے رازوں کو چھپائے ہوئے۔ اس میں جو بھی لہر اٹھتی ہے، رازوں کو عیاں کرنے کی بجائے ان پر پردہ ڈال دیتی ہے۔"

"انسان کی زندگی بھی تو کبھی کبھی ایسی ہی گہرائیوں میں جا چھپتی ہے کمل بابو!"

"تم نے ٹھیک کہا۔ تھوڑی دیر پہلے جب تم اُن لڑکیوں کے ساتھ ساتھ شوخیوں اور اٹھکیلیوں پر اتر آئی تھیں۔ تو مجھے تمہاری زندگی

کا وہ کل یاد آگیا تھا جو اِس جھرنے کی مانند تھا۔"

"اور آج ......؟" اس نے تھرتھرا کر پوچھا۔

"آج تو اِس جھیل سا ہے۔" خاموش اتھاہ گہرا۔ اس نیلی اور سنجیدہ سطح کے نیچے نہ جانے ارمانوں کے کتنے طوفان مچل رہے ہیں۔"

یہ سُن کر انجنا جھینپ گئی۔ اُسے ذرا دیر کے لیے محسوس ہوا جیسے کمل اس کے دل کی گہرائیوں کو ناپنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ شاید اُس میں چھپے ہوئے پُر درد راز کو جذبات کی چنگاری سے سُلگا کر باہر لے آنا چاہتا تھا۔ وہ سنبھل گئی اور اُس نے اپنے ابھرتے ہوئے ارمان کو وہیں دبا دیا۔ جذبات جو مچلنے کو بے قرار تھے، ضبط کی کڑیوں میں قید ہو کر رہ گئے۔ لیکن انہیں ہمیشہ کے لیے دبائے رکھنا اور بھی مشکل ہو گیا

"کیوں چپ کیوں سادھ لی؟"

"آپ کے فلسفے پر غور کر رہی تھی۔ واقعی اپنی زندگی اِس جھیل کی سی ہے ہر گھڑی ہر لمحہ میں اپنے آپ کو انہی گہرائیوں اور اندھیروں میں دھکیل رہی ہوں جہاں سے لوٹ آنا بہت کٹھن ہے۔"

"یہ تمھارا وہم ہے — پونم! — تم چاہو تو اب بھی ان پستیوں سے ابھر کر بلندیوں پر آسکتی ہو۔"

"اس کے لیے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہے جو زندگی کے تمام اندھیروں کو جانتے ہوئے اُن کو ختم کرنے کی ٹھان لے۔ اور زندگی کو اُمیدوں کے ستاروں سے جگمگا دے۔"

"جانتی ہو وہ مضبوط سہارا کیا ہے؟"

اس نے بڑی معصومیت سے اور بھولے پن سے کمل کی جانب دیکھا

اور دیر تک ملتجی نگاہوں سے اُس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ خاموشی کا یہ سلسلہ چند لمحوں تک جاری رہا آخر کمل نے ٹھہر کر توڑتے ہوئے کہا

"محبت کا ۔ ایک پاکیزہ محبت ہی زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہے۔"

انجنا کو جیسے محبت کے لفظ نے ڈس لیا ہو۔ اُس کی رگوں میں اسکا زہر اُترتے ہی ایک بھونچال سا آ گیا۔ وُہ سہارا جو اس کے تمام مستقبل کو سیاہ کر گیا تھا آج پھر آزمائش بنا ہوا اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اُس خاموشی کے بوجھ کو دیر تک اُٹھا نہ سکی، آخر دبی آواز میں بولی۔

"وہ سہارا تو کب کا ٹوٹ گیا ۔ اب تو صرف یادیں رہ گئی ہیں۔"

"ایک بات کہوں ۔ بُرا تو نہیں مانو گی"؟

"اوں ہوں۔"

"محبت کی ان یادوں کو ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دو۔"

"کمل بابو . . . !"

"ہاں پونم . . . اب وہ محبت میں تمھیں دوں گا۔"

ایسی بات کی توقع کے باوجود وہ اسے سن کر لرز گئی۔ اُس کا چہرہ یکبارگی زرد پڑ گیا اس کے ہاتھ پاؤں سے ٹھنڈے پسینے چھوٹنے لگے۔

اچانک شالینی کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ وہ انہیں تلاش کرتی ہوئی وہاں تک آ گئی تھی۔ انجنا اُسے دیکھتے ہی وہاں سے چل پڑی اُس کے من میں بیٹھا ہوا چور اُسے ڈرانے لگا۔ جوں ہی اس نے قدم بڑھائے کمل نے اُسے پکار کر روک لیا۔ اور کہا۔

"میں تمھارے جواب کا انتظار کروں گا ۔ پونم!"

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور سنبھل کر شالینی کے سامنے آ گئی وہ

سب ان کے بیچ چائے تیار کر کے کب سے اُن کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

جب سب لوگ چائے پی رہے تھے تو کمل انجنا کے چہرے کی سنجیدگی کو پڑھ رہا تھا۔ اچانک شالو نے اُس کے کوٹ کے بٹن ہول میں ٹنگا پھول نکال لیا۔ اور بولی۔

"یہ کیا۔ پھول تو اکثر عورتوں کے بالوں میں لگتے ہیں۔ اور تم اُسے اس کوٹ پر لگا کر اس کی توہین کر رہے ہو۔"

یہ کہتے ہی اُس نے وہ پھول اپنے بالوں میں لگانا چاہا لیکن کمل نے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور بولا۔

"نہیں شالو... بھائی کے کوٹ میں لگا پھول کبھی بہن اپنے بالوں میں نہیں لگاتی!"

شالو کا ہاتھ وہیں رُک گیا۔ وہ پھول کو ہاتھ میں لیے اُن سب لڑکیوں کے چہروں کی طرف دیکھنے لگی۔ جو اُسے حیرت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ شالو نے جب انجنا کے چہرے پر نظر ڈالی۔ تو اُس نے شرم سے آنکھیں جھکا لیں۔ شالینی کے ذہن میں حیا کی اس ادا نے ایک نہ مٹنے والا نقش ثبت کر دیا۔ اُس نے اس بات کو طول نہ دیا۔ اور وہ پھول کمد کے بالوں میں لگا دیا۔ اُس پر سب کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ بے ساختہ بول اٹھیں۔

"تھری چیرز فار مس کمد۔"

اِس منظر کو دیکھ کر اگر کوئی جھینپ رہا تھا۔ تو وہ تھا کمل

انجنا جب پکنک سے گھر لوٹی۔ تو رات کا پہلا پہر بیت چکا تھا۔

وہ اتنی دیر تک گھر سے باہر کبھی نہیں رہی تھی۔ اور آج جب لڑکیوں نے اس بات کی ضد کی کہ وہ اُن کے ساتھ کمل بابو کے گھر میں رہ جائے تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اُس نے شالینی کو اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔ اور یہ بھی بتلایا کہ وہ ماں کی عدم موجودگی میں رات کو بابوجی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ ماں دو روز سے ہری دوار تیرتھ اشنان کو گئی ہوئی تھی پھر بابوجی کے علاوہ راجیو بھی اکیلا تھا۔ اور اُس کا جانا بہت ضروری تھا۔

کمل بابو نے اُس کی ذمہ داریوں کو سمجھا اور اُسے گیٹ سے اندر تک چھوڑنے کے لیے بڑھا۔ لڑکیاں جیپ گاڑی میں ہی بیٹھی رہیں۔ انجنا نے جب کمل بابو کو ساتھ آتے دیکھا تو بولی۔

"آپ جائیے — میں چلی جاؤں گی۔"

"نہیں — بابوجی بُرا مانیں گے۔ جب گیٹ تک آگیا ہوں۔ تو وہاں تک جانے میں کیا ہے۔"

وہ بحث نہ کر سکی اور آنچل سنوارتی ہوئی تیزی سے اندر کی طرف بڑھی۔

صدر ہال میں قدم رکھتے ہی اُسے کسی آواز نے چونکا دیا۔ کوئی کمرے میں بیٹھا بابوجی سے خوش گپیاں کر رہا تھا۔ جانی پہچانی آواز سے اُس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے پلٹ کر کمل کی طرف دیکھا۔ اور اشارے سے اُسے اندر چلے آنے کو کہا۔

بابوجی کے بالمقابل بنواری بیٹھا ان سے بات چیت میں مصروف تھا۔ اُسے دیکھتے ہی انجنا کو ایک دھچکا سا لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے دن بھر کی خوشیوں کو اچانک کسی منحوس سائے نے اپنی گھنا ؤنی چادر

سے ڈھانپ لیا ہو۔ وہ ابھی اپنی کپکپی پر قابو نہ پا سکی تھی کہ بابو جی اُسے دیکھ کر کہہ اٹھے۔

"تو وہ آگئی بہو ـــ" میں نہ کہتا تھا کہ آتی ہی ہوگی۔"

بنواری نے پلٹ کر گہری اور پر معنی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ وہیں کی وہیں رک گئی اس وقت اس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ بڑھ کر بابو جی کے قدموں کو چھو لے۔ تبھی کمل نے بڑھ کر بنواری سے ہاتھ ملا لیا۔

لالہ جگن ناتھ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ بنواری کو پہلے سے جانتا تھا۔ وہ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے ـــ

"بڑی دیر سے بیٹھے بہو کا انتظار کر رہے تھے۔"

"ہاں پونم ـــ" بنواری فوراً کہہ اٹھا۔ "آج انجو کا خط آیا تھا۔"

انجو کا نام سنتے ہی انجنا کو ایسا لگا جیسے اُس کے بدن میں کسی نے تیز دھار کا چاقو گھونپ دیا ہو۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی کمل بول اٹھا۔

"انجو.......کون ـ ؟"

"میری بیوی.....پونم اور وہ ایک ساتھ پڑھتی تھیں بچپن سے ایک ساتھ کھیلیں ہیں۔ اسی لیے اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں لوٹتے وقت پونم کو ساتھ لے جاؤں ـ چند روز کے لیے اس کا دل بھی بہل جائے گا اور یہ اپنی آنٹی سے بھی مل آئیں گی۔"

"لیکن مجھے کہیں نہیں جانا ـــ انہیں کہئے میری فکر نہ کریں۔"

"کیوں ڈپٹی صاحب ـ میں نہ کہتا تھا۔ آنٹی کا نام سنتے ہی یہ

بگڑ جائے گی۔ جب بے چاری پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا تھا تو کسی نے مدد نہ کی۔ اور آج ..... خیر جانے دیجئے۔"

کمل نے جب بے سُری باتوں کا سلسلہ سنا تو جانے کی اجازت لینے لگا۔ بنواری اور لالہ جی نے جب اسے رکنے کو کہا تو اس نے شالو اور اُس کی سہیلیوں کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی مجبوری کا اظہار کر دیا۔ وہ سب کی سب باہر جیب میں بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔ رات کا وقت اور فاصلے کا خیال آتے ہی لالہ جی نے اجازت دے دی۔ اور کمل سب کو گڈ نائٹ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ جانے سے پہلے جب اس نے انجنا کی طرف دیکھا تو وہ کچھ کھوئی کھوئی سی تھی۔ ڈرتے ڈرتے جب انجنا نے کمل سے نظریں ملائیں تو کمل کی خاموش نگاہیں اس کی زبان کی ترجمانی کرتی ہوئی ایک ہی بات دہرا رہی تھیں "مجھے تمہارے جواب کا انتظار رہے گا۔"

بنواری نے چور نظروں سے اُن کی خاموش نگاہوں کو پڑھا۔ اور اپنی زہریلی مسکراہٹ کو دبا کر پوچھا۔

"یہ ہی آپ کے دوست کا بیٹا ہے۔"

"جی۔ کالج کی چھٹیوں میں اِس کی بہن چند سہیلیوں کو ساتھ لے کر مینی تال آئی ہوئی ہے۔ آج پکنک کا پروگرام تھا۔ بڑے اصرار سے بہو کو بھی ساتھ کھینچ کر لے گئیں۔"

"چلو اچھا ہوا۔ ذرا دل بہل گیا۔ اور ڈپٹی صاحب یہ آپ جیسے زندہ دِل لوگوں کا ہی حوصلہ ہے۔ جو زمانے کی پروا کئے بغیر بہو کو اس طرح گھومنے پھرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔"

"یہ تو میرا فرض ہے — صاحب! بہو اور بیٹی میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔"

"واہ واہ — واہ واہ — کیا بات کہی ہے؟ — اگر آپ جیسے خیالات کے دو چار اور پیدا ہو جائیں — تو سماج کا کلیان ہو جائے۔ حال ہی کی بات ہے — ہمارے گاؤں میں ایک زمیندار نے اپنی جواں ودھوا بہو کی اپنے ہاتھوں دوسری شادی کر دی —"

بنواری کی اس بیچھوری بات پر لالہ جگن ناتھ نے پہلے اس کی طرف کڑی نظروں سے دیکھا اور پھر بہو کی طرف، جو یہ سن کر پسینہ پسینہ ہو گئی تھی۔ بابوجی کے ہونٹ کچھ کہنے کو پھڑک رہے تھے۔ لیکن وہ خاموش رہے۔ ادھر بنواری نے فوراً اپنی اس گستاخی کے لیے معافی مانگ لی۔

انجنا وہاں سے جانے لگی تو بنواری نے جیب سے ایک ڈبیا نکال کر اسے پیش کر دی۔ انجنا نے جب حیرت زدہ نظروں سے اس ڈبیا کی طرف دیکھا۔ تو اس نے ڈبیا کھول کر اس کی طرف بڑھا دی۔ ڈبیا میں سونے کی ایک زنجیر تھی جسے دیکھتے ہی وہ چونک اٹھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"انجو نے یہ تحفہ بھیجا ہے۔ راجیو کے لیے اور ہاں تمھیں قسم دی ہے جو انکار کرو —"

ڈپٹی صاحب نے بنواری کو بہت اصرار کرتے دیکھا تو بہو کو انکار کرنے سے منع کر دیا۔ بہو مجبوراً اس کے ارادوں کے سامنے جھک گئی۔ اور بولی —

"اگر یہ بات ہے۔ بنواری تو اسے اپنے ہاتھوں سے راجیو کو پہنا دو۔"

"ہاں ہاں — کہاں ہے راجیو؟ —"

"وہ اوپر سو رہا ہے۔" رمیا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا۔ اور میز پر رکھے چائے کے خالی برتن اٹھانے لگی۔ بنواری نے وہ زنجیر مضبوطی سے تھام لی اور انجنا کے ہمراہ اُس کے کمرے تک چلنے کو تیار ہو گیا۔

رمیا تیزی سے باہر چلی گئی۔ تو بابوجی بہو سے بولے۔

"بنواری بابو کا کہنا ہے۔ کہ اُن کے سالے کی زمین ہے ہردوار میں گنگا کے کنارے۔"

"جی" انجنا نے گھبرا کر کہا۔

"شیکھر کی ماں نے آشرم کے لیے جو جگہ لینی ہے۔ بنواری بابو ہی سے کیوں نہ لے لی جائے۔ انہوں نے بہت سستے داموں میں دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاں بہو تم۔ وہ اپنا ہزاری ہے نا۔ انجو کا بھائی اس کی زمین گروی پڑی ہوئی ہے ضرورت مند ہے۔ آدھے داموں میں مل جائے گی۔ کہو تو بابوجی کو دلا دیں۔"

"یہ سب آپ لوگ جانیں۔ میں تو اُس کے بارے میں کچھ بھی فیصلہ نہیں دے سکتی۔"

"تو ایک کام کرو بہو۔ اُس روز جو روپیہ دیا تھا نا تمہیں۔ اس میں سے پانچ ہزار بنواری بابو کو دے دو۔ فیصلہ ہو گیا تو وہیں بات پکی ہو جائے گی۔"

بابوجی کی بات سن کر انجنا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ پھر بھی جیسے تیسے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بنواری کو ساتھ لے کر

اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی بنواری نے اس زنجیر کو اپنی انگلیوں میں نچایا۔ اور راجیو کے معصوم چہرے کی طرف دیکھ کر بولا ۔

"اس کو کالک لگا کر رکھا کرو ۔ کہیں بُری نظر نہ لگ جائے۔"

"انجنا نے پلٹ کر بنواری کی طرف دیکھا جو بڑے غور سے بچے کو دیکھ رہا تھا۔ جوں ہی اس نے وہ زنجیر اس کے گلے میں ڈالنا چاہی۔ انجنا نے لپک کر اس کے ہاتھوں سے چھین لی۔ اور بولی ۔ "رہنے دو ۔ مت چھوؤ اِسے۔"

بنواری نے ایک خاص ادا سے انجنا کی طرف دیکھا۔ جس کے نتھنے غصّے سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرایا اور بولا ۔

"واہ جواب نہیں تمھارا ۔ خود ہی پیار سے بلوایا ۔ اور خود ہی دھتکارنے لگیں۔"

"میں نے تمہیں جان بوجھ کر یہاں بلایا ہے۔"

"کیوں ۔ ؟"

"اس لیے کہ تمھیں بتاؤں ۔ کہ جن ارادوں سے تم یہاں آئے ہو۔ وہ کبھی پورے نہ ہوں گے ۔"

"کوئی بات نہیں ۔ اگر پورے نہ ہوئے تو چلا جاؤں گا۔"

"تمھیں بابو جی کے سامنے ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئیں تھیں۔"

"اوہ سمجھا ۔ شادی کی بات ۔ ایک بات بتاؤں انجو۔" اس نے نظروں کو ادھر ادھر گھما کر اطمینان کرتے ہوئے پوچھا ۔ "اوہ انجو نہیں پونم! کیا یہ سچ نہیں کہ تمہیں کمل بابو سے پیار ہو گیا ہے۔"

"تمہیں اس سے کیا ــــ؟"

"بیاہ کا سوداگر جو ہوں ــــ کوئی پتے کی بات ہی بتاؤں گا۔"

وہ چپ ہو گئی ۔ اُس کا انگ انگ غصے سے پھڑک رہا تھا لیکن وہ اپنی مجبوریوں میں بری طرح جکڑی ہوئی تھی۔ اُسے خاموش دیکھ کر وہ پھر بولا ــــ

"کمل بابو کا کیا ارادہ ہے ــــ؟"

"ان کی چھوڑ دو ــ تم بتاؤ تم کیا ارادہ لے کر یہاں آئے ہو۔؟"

"اپنی پرانی محبت کو پھر سے حاصل کرنے یا پھر اپنی بدبختی کی قیمت..."

"انجنا نے فوراً سامنے کی الماری کھولی اور اُس میں سے روپیوں کا ایک بنڈل نکال کر اُس کے ہاتھوں میں تھما دیا اور بولی ــــ" گن لو پورے پانچ ہزار ہیں۔"

"وہ تو ہرندوار کی زمین کی پیشگی ٹھہری ــــ انجو کے بھائی کی رقم۔ مجھے دلدار کا منہ بند کرنے کا بھی تو کچھ دو ــــ"

انجنا نے اسی گھبراہٹ میں کچھ اور رقم نکالی اور اُسے تھما دی۔ نوٹوں کی جھلک دیکھتے ہی بنواری کی آنکھیں چمک اٹھیں اور دل خوشی کے مارے اچھلنے لگا اور وہ مسکراتا ہوا کمرے سے باہر جانے لگا۔

انجنا نے جب اُسے خشمگیں نظروں سے دیکھا تو وہ رک کر بولا ــــ

"تم کتنی اچھی ہو پونم ــــ؟"

"اب کبھی دوبارہ یہاں آئے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

بنواری نے شرارت آمیز انداز سے اُس کے چہرے پر نظر ڈالی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور جاتے ہوئے بولا ــــ

"خیال رکھنا۔ انجو کی بھیجی ہوئی یہ زنجیر کسی دوسرے کو نہ دکھانا۔"
"کیوں۔؟"
"یہ اصلی نہیں نقلی ہے۔"

بنواری چلا گیا۔ لیکن انجنا کی زندگی میں ایک اتھل پتھل بپا کر گیا۔ اُسے ایسا جان پڑا جیسے ایک ساتھ کئی ہتھوڑوں نے اُس کے دماغ پر چوٹیں لگانی شروع کر دی ہوں۔ اس احساس سے وہ بوکھلا اُٹھی جن ستاروں کو چھونے کی تمنّائیں وہ نامعلوم منزل کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ اُن کو سیاہ بدلیوں نے گھیر لیا۔

وہ نڈھال سی ہو کر بستر پر بیٹھ گئی۔ سامنے وہ نقلی سونے کی زنجیر پڑی تھی، جو بنواری راجیو کیلئے دے گیا تھا۔ اُسے ایسا لگا جیسے وہ زنجیر نہ ہو۔ بلکہ بل کھائے سنہری ناگن بیٹھی ہو — وہ تڑپ کر اُس کی طرف بڑھی۔ غصّے اور نفرت سے اُسے اٹھایا۔ اور پورے زور سے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

ٹھیک اسی وقت کوئی کمرے میں چلا آیا۔ انجنا نے دیکھا سامنے رمّیا کھڑی تھی۔ رمیّا نے اُسے سونے کی زنجیر باہر پھینکتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ چلا اٹھی — "یہ کیا۔ بی بی جی؟

"تم چپ رہو — تمھیں اِس سے کیا۔؟"
"مجھے — کچھ بھی تو نہیں۔ لیکن . . . ."
"جاؤ — تم اپنا کام کرو۔"
"جی — بی بی جی"۔

رمیّا چپ چاپ بستر لگانے لگی۔ اس کی نگاہیں بار بار مالکن کی

گھبراہٹ کا اندازہ لگا رہی تھیں۔ کمرے میں بالکل خاموشی تھی۔ لیکن وادی میں چلتی ہوئی سرد ہوا کی سائیں سائیں دونوں کے کانوں میں گونج رہی تھی جب کافی دیر تک مالکن نے رمیّا سے کچھ نہ کہا ۔ تو وہ بول اٹھی۔

"جانتی ہیں۔ بی بی جی ۔ آج رات طوفان آنے والا ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟" انجنا نے جھنجلا کر پوچھا۔

"پہاڑوں میں سے آتی ہوئی آواز سنائی دے رہی ہے نا آپ کو؟ یہ طوفان آنے کی نشانی ہے۔"

"ہوگی ۔ میں کیا کروں؟"

"یوں ہی کہہ دیا۔ آپ جب سوئیں ۔ تو کھڑکیاں دروازے سب بند کر لیں۔"

رمیّا چلی گئی۔ لیکن اُس کی کہی ہوئی بات انجو کے دماغ میں بُری طرح کھٹکنے لگی۔ طوفان کے خوف سے اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ طوفان اس وادی میں نہیں اس کی اپنی زندگی میں آنے والا تھا۔ ہوا کی سائیں سائیں کے ساتھ اُس کی ذہنی کشمکش بھی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی گئی۔

اور پھر ہوا کے ایک تیز جھونکے نے کھڑکی کے کواڑوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا۔ اُس کے ساتھ ہی کونے میں رکھا ہوا پیڈسٹل لیمپ فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔ ایک عجیب سا شور ہوا۔ اور انجنا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بتی کے بجھ جانے سے کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔

انجنا نے اپنی خوف زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی۔ چاروں طرف دل دہلا دینے والا اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ طوفان جس کے

بارے میں رمیا نے اُسے آگاہ کیا تھا، ویران وادیوں سے ہوتا ہوا بستی میں آپہنچا تھا۔ اس نے پلٹ کر اندھیرے میں ہی ایک نظر راجیو پر ڈالی جو اس طوفان سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔ اور لپک کر کھڑکی کے کواڑ بند کر دیے۔

(۱۵)

بادلوں کی گرج اور برکھا کے شور نے آج نینی تال کی وادیوں میں طوفان برپا کر رکھا تھا۔ کل تک جو سپید بدلیاں گھاٹیوں کو چومتی ہوئی دور نکل جاتی تھیں۔ اب کالی گھٹائیں بن کر انھیں ریزہ ریزہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔

کمل اپنی لائبریری میں بیٹھا جنگلات کے اُن نقشوں کا معائنہ کر رہا تھا جو نئے ٹھیکوں کے لیے کھلنے والے تھے۔ اُس نے اپنی لائبریری میں ہی اپنے سونے کا بندوبست کر لیا تھا کیونکہ اس کی خوابگاہ پر شالو اور اس کی سہیلیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔

جیسے ہی وہ دفتر کی کسی فائل کے لیے صدر کمرے میں آیا اس کی نظریں اپنی خوابگاہ میں سوئی ہوئی ان لڑکیوں کے چہروں پر پڑیں جو اس طوفان کے شور سے بے خبر میٹھی نیند سو رہی تھیں۔ شالو کی تینوں سہیلیاں دن بھر کی تکان کے بعد ایک دوسری سے چپکی پڑی سو رہی تھیں۔ اور بڑی عجیب لگ رہی تھیں۔ اُن کے اس انداز کو دیکھ کر کمل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن دوسرے لمحے وہ

جھینپ کر اپنے آپ میں آگیا۔

شالینی اُس کے لیے کافی کا پیالہ لے کر باورچی خانے سے اندر آچکی تھی۔ بھیا کو اس خوابگاہ میں جھانکتے ہوئے دیکھ کر اُس سے نہ رہا گیا۔ اور وہ شرارت آمیز لہجے میں پوچھ بیٹھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو — بھیا —؟"

"کچھ نہیں — کچھ بھی تو نہیں — ہاں اس طوفان کو دیکھ رہا تھا۔"

"باہر کے طوفان کو یا اس کے طوفان کو جو تمہارے دل میں اٹھ رہا ہے؟"

"شالو......" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اور بہن کو اِس گستاخی کی مزید اجازت نہ دیتے ہوئے اپنی لائبریری میں لوٹ آیا۔ اُس نے پھر سے ایک فائل کی ورق گردانی شروع کر دی۔

شالینی نے کافی کا پیالہ اُس کے سامنے لا رکھا۔ کمل نے نگاہیں اٹھا کر بہن کی طرف دیکھا جو سہمی ہوئی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ پھر کمل فائیل کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد شالینی نے کہا کہ کافی سرکا ہو جائے گی۔ پھر کمل نے کافی کا ایک گھونٹ بھرا۔ گرم گرم کافی سے اس کی زبان جل گئی اور اس نے پیالہ ایک دم میز پر رکھ دیا۔ اس پر شالو کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"جاؤ سو جاؤ —" وہ بولا۔

"نیند نہیں آرہی —"

وہ چپ ہو گیا۔ اور اپنی نگاہوں کو فائلوں میں الجھا کر آہستہ آہستہ

کافی کے گھونٹ بھرنے لگا۔ شالینی سامنے بیٹھ گئی اور چپ چاپ اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کمل بھی نظریں اٹھا کر چپکے سے بہن کی طرف دیکھ لیتا۔ جو مسلسل اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بالآخر وہ بول اٹھا ___

"کیا دیکھ رہی ہو؟ ___"

"بھیا کا چہرہ کتنا اداس رہنے لگا ہے۔"

"تم نے غلط سمجھا شانو ..... میں تو پہلے سے بہت خوش ہوں۔ عزت کی نوکری ہے ___ ٹھاٹھ کی زندگی ہے۔ خوبصورت ماحول ہے ___ اور یہ چھوٹا سا گھر ___ پھر میں بھلا کیوں اداس رہنے لگا۔"

"ایک بات کی کمی جو ہے تمہارے جیون میں۔"

"کس بات کی؟"

"ایک خوبصورت ساتھی کی ....."

"شا ___ نو ___" اس کی تھرتھراتی آواز کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں بھیا ___ یہ کمی پوری ہو جائے۔ میری بھابی آ جائے۔ تو زندگی رنگا رنگ ہو جائے۔ ڈیڈی بھی اپنا دکھ بھول جائیں۔"

"ہاں شانو ___ کچھ دنوں سے میں بھی اس کمی کو محسوس کر رہا ہوں۔"

"تو کہہ دوں ڈیڈی سے ___ بھیا تیار ہو گئے۔" وہ چہک کر بولی۔

کمل نے ڈالیوں کو سامنے سے ہٹا دیا۔ اور اپنی بہن کی معصوم آنکھوں میں جھانکنے لگا جن میں مسرت کے آنسو چمکنے لگے تھے۔

کمل اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"کہو نا بھیا ___"

"وہ تو کہہ دوں ۔ لیکن لڑکی کہاں ہے ۔؟"

"ایک بات پوچھوں بھیا ۔ ؟" شالو نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں ۔"

"میری سہیلیوں میں سے تمھیں کون سی پسند ہے ۔؟"

کمل اس کی بات سن کر جھینپ گیا۔ اس کی جھینپ کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ پھر سے بولی ۔ "کہونا! کون تمھاری نظروں میں پوری اترتی ہے ۔ کمد! ریکھا! آشا! جسے کہو اسے کھینچ لاؤں تمھاری زندگی میں ۔"

"نہیں شالو ۔ ان میں سے کوئی بھی تو نہیں ۔ جو تمھارے بھیا کی زندگی بن سکے ۔"

"تو پھر اپنی پسند ہی کہہ دو ۔"

"ڈرتا ہوں ۔ تم مجھ سے ناراض نہ ہو جاؤ ۔"

"واہ ۔ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے ۔ تمھیں میری سہیلیاں پسند نہیں ۔ نہ سہی ۔ لیکن اپنی پسند بتلا دو ۔ میں اسی کو منا کر اپنے گھر لے آؤں گی!"

"کیا ایسا کر سکوگی ۔ شالو!"

"کیوں نہیں ۔ تم کہو تو آسمان کے تارے توڑ لاؤں ۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ شالو کی بیقرار نظریں اس کے جواب کے انتظار میں اس طرف دیکھنے لگیں۔ کمل سے بات نہیں بن رہی تھی کہ کیسے اپنے دل کی کیفیت اپنی بہن سے کہے ۔ شالو نے جب ضد کی تو اس نے ہمت سے کام لیتے ہوئے دبی زبان میں کہہ دیا۔

میری پسند پونم ہے ـــ شالو!"

پونم کا نام سنتے ہی شالینی کے دِل کو دھچکا سا لگا۔ اس نے ایک بار گھور کر بھائی کی طرف دیکھا اور اس کی چمکیلی نظریں بجھ گئیں۔ اُس کے ہونٹ تھرتھرانے لگے۔ اُسے بھائی کی بات کا یقین نہ آیا۔ ایسا لگا جیسے اُس نے اس کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دینے کے لیے ایک بہت بڑا مذاق کر دیا ہو۔ اُس کی خاموشی دیکھ کر کمل نے اپنی بات کو دہرایا کہ پونم ہی اُس کی زندگی کا سنگار بن سکتی ہے! شالینی بڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھی اور کرخت آواز میں بولی ـــ

"بیوہ ـــ اور وہ بھی ایک بچے کی ماں۔ کیا دنیا بھر کی لڑکیاں مر گئیں ہیں۔ جو تم نے ایسا سوچا بھیا!"

کمل اس کے یہ جملے سن کر جھینپ گیا۔ اُس نے جوں ہی اُس سے نگاہیں ملائیں۔ شالو نے چہرہ ہٹا لیا۔ غصے اور گھبراہٹ سے اس کے نتھنے پھول گئے تھے۔ وہ شانہ جھٹک کر اٹھی۔ کافی کا خالی پیالہ اُٹھایا اور بنا کچھ کہے سنے لائبریری سے باہر چلی گئی۔

کمل کا دل بجھ سا گیا۔ پونم کے بارے میں گھر والوں سے بات کرنے سے پہلے اُس نے بہن کا دل ٹٹول کر دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا رُخ دیکھ کر نراشا کی بدلیاں اُس کے دل کو چھو گئیں وہ پھر اپنی حقیقی دنیا میں لوٹ آیا۔ سامنے جنگلات کے نقشے اور ٹھیکیداروں کی فائلیں رکھی تھیں۔ جن کا مطالعہ کر کے صبح سے پہلے پہلے اسے پورے سال کی رپورٹ تیار کرنی تھی۔ وہ پھر سے اپنے کام میں لگ گیا۔ باہر کا طوفان بدستور جاری تھا۔ ہوا کا شور اور بادلوں کی گرج پھر سے اُس کے کانوں سے ٹکرانے لگی۔

لیکن اتنے شور میں بھی شالو کی وہ آواز اُسے سنائی دے رہی تھی۔ جس نے ایک طرح سے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

"بیوہ — اور وہ بھی ایک بچے کی ماں — کیا دنیا میں تمام لڑکیاں مر گئیں ہیں — جو تم نے ایسا سوچا بھیا۔"

جہاں کمل آدھی رات کو اکیلا بیٹھا اپنی تقدیر کا فیصلہ کر رہا تھا۔ وہاں انجنا نے بھی اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ وہ اُس جال کو توڑ کر باہر آجائے گی جس کے تاروں نے اُس کی زندگی کے ہر لمحہ کو جکڑ رکھا تھا۔ وہ آج آسمان کے اِن بادلوں کی طرح پھٹ جانا چاہتی تھی۔ تاکہ اُس کے سینے میں دبے ہوئے تمام ولولے نکل جائیں۔ اور وہ آرام اور اطمینان سے سانس لے سکے۔

برکھا برابر فضا میں اُدھم مچائے ہوئے تھی۔ لیکن وہ اُس سے بے نیاز اپنے بستر پر بیٹھی اپنی زندگی کی پوری داستان کو کاغذ کے پرزوں پر منتقل کر رہی تھی۔ وہ پونم کا نقاب اتار کر انجو کے وجود کو پھر سے سامنے لے آنا چاہتی تھی۔ دن رات کی گھٹن — دنیا کا خوف — بیواری کی دھمکیاں اور وہ جذبات جو کمل کی محبت میں انگاروں کی طرح اس کے سینے میں دبے دہک رہے تھے۔ وہ اُن سب کو سیاہی سے اُس سفید کاغذ پر نقش کر دینا چاہتی تھی۔ آج وہ کمل کو سب کچھ لکھ دینا چاہتی تھی تاکہ اس کی محبت میں گناہ کا عنصر شامل نہ ہو سکے۔ ماضی کی پرچھائیاں حائل نہ ہو سکیں۔

کبھی کبھی اس کا قلم رک جاتا۔ اور وہ اپنے اس فیصلے کو دل و دماغ

کی کسوٹی پر پرکھنے لگتی۔ لیکن دل ہر بار دماغ پر حاوی ہو جاتا اور وہ سلسلہ جاری کر دیتی۔ آج وہ اپنی زندگی کے ہر راز کو مکمل پر عیاں کر دینا چاہتی تھی۔ بھلے ہی وہ اس کا کوئی سا بھی مطلب لے۔ گھنٹوں کی محنت کے بعد اُس نے وہ خط مکمل کیا۔ بار بار اُسے پڑھا اور اُسے مکمل تک پہنچانے کے ڈھنگ سوچنے لگی۔ یہ خط کل اس کی تقدیر کا فیصلہ کر دینے والا تھا!

اگلے ہی روز صبح سویرے اُسے بابوجی کا بلاوا آ گیا۔ وہ جلدی جلدی کپڑے پہن کر اُن کی خوابگاہ میں جا پہنچی۔ اُن کے پیر چھوئے اور اُن کا حکم بجا لانے کو باندی کی طرح کھڑی ہو گئی۔ اس وقت وہ صبح کا ناشتہ کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ بڑبڑا کر دبی آواز میں بولی۔

"آج اٹھنے میں دیر ہو گئی — بابوجی —"

"ارے تو کیا ہوا — ہاں تمہاری ساس کی چٹھی آئی ہے تمہارے نام —" یہ کہہ کر انھوں نے ایک لفافہ انجنا کی طرف بڑھا دیا۔ انجنا نے گھبرائی ہوئی نظروں سے اُس لفافے کی طرف دیکھا۔ اور کانپتی ہوئی انگلیوں سے اُسے تھام لیا۔ وہ لوٹنے لگی تو بابوجی نے اُسے پڑھنے کو کہا۔ انجنا رُک گئی۔ اور لفافہ کھول کر چپ چاپ پڑھنے لگی۔

"کیا لکھا ہے شیکھر کی ماں نے —؟" وہ کچھ دیر کے بعد پوچھ بیٹھے۔

"راضی خوشی کی چٹھی ہے — آپ کی صحت کا خیال رکھنے کو لکھا ہے دس بارہ روز اور لگیں گے وہاں —"

"اسی لیے میں اُسے باہر نہیں بھیجتا ہوں۔ جہاں جاتی ہے جا کر بیٹھ جاتی ہے۔ گھر کا کوئی خیال نہیں رہتا —"

"تو کیا ہوا بابوجی — میں جو ہوں گھر میں۔"

"او — وہ تو ہو ہی — مجھے گھر کی چنتا نہیں بہو۔ در اصل بیٹھے بیٹھے جی اُکتا جاتا ہے — کوئی بات کرنے والا بھی تو نہیں ہوتا۔ ۔ ۔"

اور وہ چپ ہو گئے۔ وہ بنا سوچے سمجھے یہ سب کہہ گئے تھے جس نے ان کی بہو کو ایک دم سنجیدہ اور اُداس بنا دیا تھا۔ انجنا نے رُخ پلٹ لیا۔ اور خط پڑھنے کے بعد لفافے میں بند کر دیا۔

"کیا ہوا بہو — ؟" لالہ جگن ناتھ نے بہو کی سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں بابوجی — یوں ہی سوچ رہی تھی — گھر میں جب کوئی بات کرنے والا نہ ہو — تو دن کاٹنے کتنے کٹھن ہو جاتے ہیں۔"

بہو کی بات لالہ جگن ناتھ کے سینے پر بجلی کی طرح کوند کر رہ گئی۔ وہ اُن کے کمرے کی بے ترتیب چیزوں کو سنبھال کر رکھنے لگی۔ اور وہ چپ چاپ بیٹھے اس کی کہی ہوئی بات پر غور کرتے رہے۔ پوری زندگی گذارنے کے بعد بھی آج بڑھاپے میں وہ شنکر کی ماں کی عدم موجودگی میں پریشان ہو گئے تھے۔ اور پونم جوانی کی یہ تپسیا کب تک کر پائے گی۔ اس بات کا خیال آتے ہی ان کا دل کانپ گیا۔

انجنا جب کمرے سے باہر جانے لگی۔ تو انھوں نے اُسے اپنے قریب بلایا۔ اور بات کا رُخ بدلتے ہوئے بولے — "لو، میں بھی کیا سٹھیا گیا ہوں — کام کیا تھا — اور کہانی کیا شروع کر دی۔"

اور وہ ایک فائل کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ انجنا نے وہ فائیل اٹھا کر اُن کو دے دی۔ لالہ جگن ناتھ نے اس میں سے کچھ سرکاری

کاغذات نکال کر انجنا کے سامنے رکھ دیئے۔ اور بولے۔

"بیمے کے کاغذات ہیں ــ جہاں جہاں کراس لگا ہوا ہے۔ وہاں دستخط کر دو۔"

"لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"ایک لاکھ کی پالیسی ہے۔ شیکھر نے تمہارے ہی نام کی ہوئی تھی۔ تم لوگوں کے پرانے پتے سے۔ یہاں آئی ہے۔"

انجنا نے کانپتے ہاتھوں سے اُن کاغذات کو پکڑ لیا۔ اور پتھرائی ہوئی سی نگاہوں سے سرسری طور پر ان کو دیکھا۔ بیمہ کمپنی شیکھر کا بیمہ اسے دے رہی تھی۔ اُس کی بیوہ کی جگہ ـــ اِس خیال کے آتے ہی اُسے ایک دھچکا سا لگا۔ لیکن وہ سنبھل گئی۔ وہ ان کاغذات کو لیکر جانے لگی تو لالہ جگن ناتھ نے کہا۔

"بہو ــ سب سے پہلا کام یہی کرنا ــ اور پھر کاغذات مالی کے ہاتھ کمل کو بھجوا دو۔ وہ دفتر میں اِن کا انتظار کر رہا ہوگا۔ جان پہچان کی وجہ سے جلد روپیہ حاصل کر لے گا۔"

انجنا اپنے کمرے میں لوٹ آئی اب اُس نے غور سے اُس ایک لاکھ کی پالیسی کو دیکھا۔ کراس لگے نشان جہاں اُسے اپنے دستخط کرنے تھے اسے گناہ کے دھبوں کی طرح نظر آئے۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا۔ کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے ــــ ایک طرف بابوجی کا حکم تھا اور دوسری طرف دل کی پکار۔ وہ ایک عجیب کشمکش میں مبتلا تھی۔

معاً اُسے کمل کو لکھے ہوئے خط کا خیال آگیا۔ اُس نے اپنے تکیے کے نیچے سے وہ خط نکالا جس میں اُس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا راز

اپنے محبوب سے بیان کر رہا تھا۔ وہ راز، ایک ایسی چنگاری تھی جو اگر سلگ اٹھتی تو نہ جانے کتنی زندگیوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر خاکستر کر دیتی لیکن انجنا سے اب یہ سب برداشت نہ ہو رہا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن اُس کی زندگی میں یہ طوفان آنے والا ہے اس لیے وہ زیادہ دنوں تک کیوں اسے دبائے رکھے۔ وہ اپنے آپ کو کمل کی امانت سمجھ رہی تھی۔ اور اس نے اپنی عبادت کو اب اُن کے فیصلے پر چھوڑ دیا تھا۔ آج اُسے اس طوفان سے زیادہ اپنی پوجا پر بھروسہ تھا۔ اُس تپسیا پر وشواس تھا، جو وہ پچھلے کئی مہینوں سے کرتی آ رہی تھی۔

اُس نے اس خط کو دوبارہ پڑھا۔ اور اُس کے آخر میں دو سطریں اور بڑھا دیں۔ اس نے اپنی اُس مجبوری کو بھی عیاں کر دیا۔ جس کی وجہ سے وہ اس بیمے کے کاغذات پر دستخط کرنے جا رہی تھی۔ جس کی حقدار وہ نہ تھی۔ اُس نے لفافے کو احتیاط سے بند کر دیا۔ اور پھر جلدی جلدی کر اس لگے تمام نشانوں پر اپنے دستخط کر دئے۔

اُس نے جب وہ تمام کاغذات ایک بڑے لفافے میں بند کر کے مالی کے حوالے کیے تو اُس کا دل کانپ رہا تھا۔ انہیں کاغذات میں اُس نے اپنا خط بھی رکھ دیا اور مالی کو تاکید کر دی کہ وہ کاغذات کو کمل بابو کے ہی سپرد کر دے۔ مالی کی سوالیہ نگاہوں سے بچنے کیلئے اُس نے کاغذات کی اہمیت بیان کر دی اور پھر تولیہ اٹھا کر غسل خانے میں چلی گئی۔

مالی جب کاغذات لے کر کمل کے یہاں جا رہا تھا۔ تو لالہ جگن ناتھ نے بھی انہیں وہاں تک تاکید سے پہنچانے کے لیے کہا۔ اور پھر بولے

"ذرا بہو سے کہہ دے۔ میری دوا اور پانی دے دے۔"

"وہ تو غسل کو گئی ہیں سرکار ۔"

"کوئی بات نہیں ۔ تو ہی ذرا جا کر میرے کمرے میں سے وہ دوائی لے آ ۔ جو پلنگ کے سرہانے میز پر رکھی ہے ۔ اور ایک گلاس پانی بھی ۔"

"جی بہت اچھا کہہ کر مالی نے کاغذات کا وہ لفافہ ان کے پاس رکھ دیا اور ان کے کمرے کی طرف چلا گیا ۔ لالہ جی کی نظر اس لفافے پر پڑی تو اچانک انہیں خیال آیا کہ دیکھیں بہو نے ٹھیک جگہوں پر دستخط کئے ہیں یا نہیں اور پھر جیسے ہی انھوں نے بیمہ کے کاغذات لفافے سے باہر نکالے ۔ ان میں سے وہ چھوٹا لفافہ کھسک کر فرش پر جا گرا ۔ لالہ جی نے جھک کر وہ لفافہ اٹھا لیا ۔ اور اس پر لکھے ہوئے نام کو پڑھنے لگے ۔

کمل کا نام پڑھ کر ان کا بوڑھا بدن ڈول گیا ۔ ان کی نگاہوں میں شک اور وہم ابھر آیا ۔ بہو کا خط کمل کے نام اور وہ بھی بند لفافے میں ۔ یہ دیکھ کر ان کا دل دھڑکنے لگا ۔ اور پھر کچھ سوچ کر وہ خط انھوں نے اپنی جیب میں ڈال لیا ۔ اور بھٹی بھٹی نظروں سے بیمہ کے کاغذات کا معائنہ کرنے لگے ۔ جس پر جگہ جگہ پونم کے دستخط تھے ۔

مالی کے آنے کی آہٹ ہوئی تو انہوں نے فوراً کاغذات کو پھر سے لفافے میں ڈال کر اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا ۔ اس وقت انہیں اپنے ہی دیئے ہوئے کاغذات سے خوف سا آنے لگا تھا ۔ مالی نے قریب آ کر ان کی دوا کی شیشی انہیں پکڑا دی اور پانی کا گلاس میز پر رکھ دیا ۔ لالہ جی نے مالی کی طرف دیکھا اور اشارے سے اسے لفافہ لے جانے کو کہا ۔

وہ کاغذات لے کر چلا گیا ۔ لالہ جی نے دوا کی شیشی سے دو گولیاں نکالیں اور پانی کی مدد سے انہیں گلے میں اتار لیا ۔ گولیاں لیتے ہی ان

کے بدن کی کپکپی کچھ کم ہو گئی۔ رمتیا بچے کو اٹھائے باغیچے میں جا رہی تھی۔ انہوں نے اُس سے بہو کے بارے میں دوبارہ تحقیقات کی۔ وہ غسل خانے میں نہا رہی تھی۔ گھر میں کوئی دوسرا نہ تھا انہوں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور ایک جھجک کے ساتھ اُس خط کو جیب سے نکال لیا۔

انہوں نے بہو کے خط کو کانپتے ہاتھوں سے کھولا اور اُسے پڑھنے لگے۔ جوں جوں ان کی نگاہیں خط کی سطروں پر بڑھ رہی تھیں ان کا رنگ ہوا ہوتا جا رہا تھا۔ اُن کی بہو اس گھر میں بہروپ بھر کر آئی ہوئی تھی۔ یہ جان کر تو جیسے اُن کا اپنے آپ پر سے وشواس اٹھ گیا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ کہ جس دیوی کی وہ دل ہی دل میں پوجا کرتے تھے۔ وہ اُن کی بہو تو نہ تھی۔ بلکہ وہ لڑکی تھی جو کمل کی شادی کے وقت گھر سے بھاگ گئی تھی۔ انہیں اب اس کی ہر بات میں فریب اور دھوکا نظر آنے لگا تھا۔ وہ راجو کو لے کر کس ارادے سے یہاں آئی تھی۔ اس کا اندازہ لگانا اب اتنا مشکل نہ تھا لیکن جہاں انہیں اپنی بہو کا اصلی روپ جان کر رنج ہوا ان کے رنج کو اس احساس نے قدرے کم بھی کر دیا کہ وہ حقیقت جو کل عیاں ہونے والی تھی وہ اس سے آج ہی واقف ہو گئے تھے۔

تبھی بہو کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ غسل سے فارغ ہو کر باہر آ چکی تھی اس نے جوں ہی رمتیا کو آواز دی۔ لالہ جی نے وہ خط مٹھی میں بھینچ لیا۔ اور جلدی سے اُسے اپنے کوٹ کے اندرونی جیب میں ڈال لیا

وہ ملازمہ کو تلاش کرتی ہوئی اور اپنے گیلے بال جھٹکتی ہوئی صدر دالان تک چلی آئی۔ جہاں لالہ جی بیٹھے تھے۔ لالہ جی کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹھک گئی۔ اور جلدی سے آنچل سنوار کر نظریں جھکا لیں۔ اس آنچل میں چھپی وہ دیوی

آج ان کے سامنے ایک مکار عورت کا روپ دھارے کھڑی تھی۔
انجنا نے جب انہیں اپنی طرف اجنبیوں کی طرح دیکھتے ہوئے دیکھا تو وہ قریب آکر بولی۔
"میں آپ کو دوا دینا تو بھول ہی گئی بابو جی۔"
"میں نے لے لی ہے۔"
تبھی انجنا نے سامنے میز پر رکھی دوا کی اس شیشی کو دیکھا جس میں آخری دو گولیاں رہ گئی تھیں۔ اس نے شیشی کو ہاتھ میں لے کر کہا۔
"ڈاکٹر نے کہا ہے ـــ دس دن تک یہی دوا جاری رہنی چاہیئے۔"
"ڈاکٹر کا کیا ہے۔ دوا لکھ دی۔ اور چلے گئے۔ یہ سوچنا تو ہمارا کام ہے کہ کتنی مہنگی ہے؟"
"ایسا بھی کیا بابو جی! ـــ جان ہے تو جہان ہے۔"
تم ٹھیک کہتی ہو ـــ لیکن جب جہان کا رکھوالا نہ ہو، تو کنوئیں بھی دھیرے دھیرے خالی ہو جاتے ہیں۔ اب تو ہمیں اس بڑھاپے میں خود ہی اپنا سہارا بننا ہے بہو۔"
انجنا نے غور سے دیکھا۔ ان کی پلکوں میں آنسو آتے آتے رہ گئے تھے۔ وہ اُن کے قریب چلی گئی۔ اور تولیے سے اُن کا منہ صاف کر دیا۔ جو ناشتہ کے بعد ٹھیک سے صاف نہ ہوا تھا۔
"بابو جی ..... !" اس نے ملتجیانہ نظروں سے لالہ جی کی طرف دیکھا۔ لالہ جگن ناتھ نے بھی پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا ان کا چہرہ بےحد سنجیدہ تھا۔
"ایک بات کہوں۔ آپ بُرا تو نہ مانیں گے؟"
اُس کے سوال کو سن کر جیسے لالہ جی کا سانس رُک گیا گویا وہ اپنی

زندگی کا وہ راز ان پر عیاں کرنے والی ہو۔ کمل کی محبت کے جنون میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والی ہو۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے اثبات میں سر ہلا دیا انجنا نے رُخ بدل کر کہا۔

"میں نے ایک لاکھ کے بیجک پر دستخط کر دئے ہیں۔"

"وہ میں جانتا ہوں۔"

"لیکن اُس روپیہ کا حق آپ کو ہے صرف آپ کو۔"

لالہ جی نے پلکیں اٹھا کر گہری نظروں سے بہو کی جھیل سی آنکھوں میں جھانکا۔ انہیں ان جذباتی باتوں کے پیچھے ایک فریب کی جھلک دکھائی دی۔ آج انہیں بہو کی ہر بات ہر حرکت میں بناوٹ لگ رہی تھی اس کی پلکوں میں آئے ہوئے آنسو بھی آج انہیں انگارے معلوم ہو رہے تھے لیکن وہ ضبط کرتے ہوئے بولے۔"

"بہو کے حقوق ایک باپ کیسے چھین سکتا ہے!"

"چھیننے کو کون کہتا ہے۔ وہ تو میں خود دے رہی ہوں آپ کو۔"

"خیرات سمجھ کر ۔ ۔ ۔ ۔" انہوں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ ان الفاظ نے اور اُن کی بے رُخی نے انجنا کے دل پر کاری ضرب لگائی اور وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے لالہ جی کی طرف دیکھنے لگی۔ جو نہ جانے اس سے کیا کہنا چاہتے تھے لیکن بات منہ سے باہر نہ آ رہی تھی۔

"شاید آپ نے مجھے غلط سمجھا۔ بابو جی" بالآخر انجنا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں بہو۔ اگر اپنی سمجھ سے میں سچ کو پہچان سکتا۔ تو آج اپنے بیٹے کا غم نہ کھانا پڑتا۔"

انجنا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پھر بھی اس نے اور کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور چپ چاپ باہر چلی گئی۔ صدر ہال سے وہ باہر باغیچے میں چلی آئی لالہ جگن ناتھ اُسے اب تک انہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

راجیو باغیچے میں کھیل رہا تھا وہ بھی زبردستی اپنا دل بہلانے کے لیے اس سے کھیلنے لگی۔ بار بار اس کے ذہن میں ایک ہی بات آ رہی تھی کہ آج لالہ جی کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ کیوں ایسی اکھڑی باتیں کہہ رہے تھے جن میں بے رخی بھی تھی اور شک و شبہ کی سیاہی بھی۔

(۱۶)

انجنا جب مندر سے لوٹی۔ تو صدر ہال میں چند آوازوں کو سن کر ایک لمحہ کے لیے رک گئی۔ سامنے کمل کی جیپ گاڑی کھڑی تھی۔ اس کی موجودگی کا احساس کرتے ہی وہ کانپ گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں پر سرد پسینے کی لہریں سی پھوٹ پڑیں۔ آج وہ اس کا سامنا کرتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ اس پر اپنی زندگی کے راز کو عیاں کے بعد وہ پہلی بار اُس کا سامنا کرنے جا رہی تھی۔ اور یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا امتحان تھا۔

ابھی وہ اس کشمکش میں الجھی ہوئی تھی کہ کسی آواز نے اسے چونکا دیا یہ آواز شالینی کی تھی۔ جس نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اور تیزی سے اُس کی طرف بڑھتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ وہ قریب آئی اور اُسے اپنی باہوں میں بھر لیا وہ بے حس سی اس کے ساتھ اندر چلی آئی۔ اندر کمل لالہ جی کے ساتھ بیٹھا خوش گپیاں کر رہا تھا۔ انجنا کو دیکھتے ہی وہ ذرا دیر

کے لیے بات کرتے کرتے رک گیا۔ کمل کی طرف دیکھتے ہی وہ ایک بار پھر جھینپ گئی۔ کمل نے گہری نگاہوں سے انجنا کی طرف دیکھا۔ اور پھر مسکرا دیا۔ انجنا کو محسوس ہوا جیسے اس ایک ہی نگاہ میں اس نے اپنے دل کی بات سمجھا دی ہو۔ اس نے نمسکار کے لیے ہاتھ جوڑے جبکہ کمل نے مدھم آواز میں کہا ــــ

"ہیلو۔۔۔۔"

نہ جانے آج اس 'ہیلو' میں کیا کچھ تھا جسے سُن کر انجنا کے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی اور وہ لہرا اُٹھی۔ پھر اس نے بڑھ کر بابوجی کے پیر چھوئے اور پھر مندر سے لایا پرشاد اُن کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے ہاتھ پھیلا دیئے اور بہو کی طرف دیکھنے لگے۔ عورت زندگی میں اتنا بڑا ناٹک کھیل سکتی ہے! انہیں ابھی تک اِس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا لیکن انہوں نے زبان سے کچھ اور ہی کہا ــــ وہ بولے۔

"تم مندر ہو آئی ہو بہو ــــ دو چار گھڑی دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں کر سکتا۔۔۔۔"

"واہ چاچاجی ــــ آپ کو مندر جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

شالینی نے فوراً اُن کی بات کو کاٹ دیا۔

"وہ کیوں؟"

"جس گھر میں پونم جیسی دیوی براجمان ہو ــــ اس گھر کے لوگوں کو مندر جانے کی کیا ضرورت ہے وہ گھر بھی تو کسی مندر سے کم نہیں ہے۔"

بابوجی خاموش رہے۔ انجنا نے جھینپ کر شالینی کے چٹکی کاٹی جیسے انجانے میں وہ کوئی غلط بات کہہ گئی ہو۔ اور پھر اس بحث سے بچنے

پھیلاؤ اُس نے اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ اُس نے شالو کو بھی اپنے ساتھ چلنے کا اِشارہ کیا۔ کمل جواب تک خاموش تھا اسکے بڑھتے ہوئے قدم دیکھ کر بولا۔

"واہ اس گھر کی دیوی کیا ہیں کہ ہمیں پرشاد دینا ہی بھول گئیں۔"

"اوہ ....." وہ جاتے جاتے رک گئی اور کمل کی طرف پلٹی۔

لالہ جی نے چور نگاہوں سے دونوں کے چہروں کو پڑھنے کی کوشش کی اور انجنا کے بدن کی لرزش کو بھی محسوس کیا۔ جبکہ وہ پرشاد دے رہی تھی۔

جوں ہی وہ پرشاد دے کر پیچھے کو ہٹی۔ لالہ جگن ناتھ نے بیمہ کمپنی کا وہ فارم سامنے رکھ دیا۔ جو کمل اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ انجنا نے سوالیہ نگاہوں سے لالہ جی کی طرف دیکھا تو وہ بولے۔

"یہ دوسرا فارم ہے حلفیہ بیان کے لیے۔ سرکاری کاموں کا بھی جواب نہیں۔ ہمیں سے پوچھتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ ؟"

"وہ بھی مجبور ہیں۔ انکل۔ ! ورنہ آپ جانتے ہیں۔ ہر برس کتنے ہی بیمے وہ لوگ لے جاتے ہیں۔ جن کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ کیوں پونم؟" شانتی نے ایسے ہی کہہ دیا۔ لیکن اس کی بات پر جیسے انجنا کے پاؤں تلے کی زمین سرک گئی۔ وہ پتھر کی مورت بنی وہیں جم کر رہ گئی۔

انجنا نے کانپتے ہاتھوں سے اُس حلف نامہ پر دستخط کر دیئے۔ لالہ جی اس کی ہر حرکت بڑے غور سے دیکھ رہے تھے دستخط کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اس کی اُنگلیوں کی کپکپاہٹ دیکھ رہے تھے۔

"بہو کا خیال ہے ـــــ یہ رقم مجھے ملنی چاہیئے۔" وہ اچانک بولے۔

"اس میں جھوٹ کیا ہے۔ اس پر تو آپ ہی کا حق ہے۔" کمل نے جواب دیا۔
"جب تک آپ اس کے سر پر ہیں۔ اسے اپنے حقوق کی کیا فکر ہے۔"
"لیکن بڑھاپا کب تک یہ ذمہ داریاں اٹھا سکتا ہے۔ اور پھر یہ اس بیٹے کی کمائی ہے جو اس کی زندگی میں نصیب نہ ہوئی۔ اب اسے لے کر کیا کروں گا۔"
"ایک بات کہوں — بابو جی — ؟" انجنا نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"کہو — !"
"آپ اس رقم کو لے کر راجیو کے نام جمع کرا دیں۔ تاکہ اس کا بچہ ذرا سُرخرو ہو جائے۔ میں اسے بالکل نہیں چھوؤں گی۔"
انجنا نے انہیں اپنے دل کے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ اور خود اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ شالینی نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ لالہ جی اور کمل دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ بہو راجیو سے اس قدر محبت کرتی ہے ان دونوں کو یہ سن کر کچھ عجیب سا لگا۔
"کمل . . . ." لالہ جگن ناتھ نے اس خاموشی کو ختم کرتے ہوئے کہا۔
"یس انکل . . . ."
"کبھی کبھی یہ سوچ کر دل دہل جاتا ہے کہ میرے بعد بہو کا کیا ہوگا ؟ ؟"
"آپ بھی کیا سوچنے لگے۔ کل کس نے دیکھا ہے ؟"
"تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن آج کا تو احساس ہے مجھے۔"
"میں سمجھا نہیں . . . ."
"پڑوس کی مسز نگم جی کہہ رہی تھی۔ بہو کو ہر کسی سے یوں گھل مل کر نہ رہنا چاہئے۔ بدنامی کا اندیشہ ہے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔"

"وہ تو کہے گی ہی — خود جو بیوہ ہے — کسی دوسرے کو ہنستا کیسے دیکھ سکتی ہے — ورنہ سارا نینی تال جانتا ہے کہ وہ کیا ہے!"

"لیکن ہمیں تو زمانے کے ساتھ چلنا چاہیئے — اسی سماج میں رہنا ہے ہمیں۔"

"او! آج تو آپ ایسی بات کر رہے ہیں۔ جیسے آپ کو اپنی بہو پر وشواش نہ رہا ہو۔"

"نہیں کمل۔ یہ بات نہیں اس دیوی پر تو پورا بھروسہ ہے" ڈر ہے تو سماج کے بدلتے دھارے کا۔ کہیں وہ بھی کل کا غم بھول کر آج کے رنگ میں رنگ گئی تو . . . . . ."

"تو کیا — کسی کے دل کو کون پا سکا ہے۔ جذبات کبھی امڈ بھی سکتے ہیں۔ لیکن پونم ایسی نہیں ہے — میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔"

"ایک بات سوچی ہے میں نے کمل —" انہوں نے قدرے جھجک کے ساتھ کہا۔

"کیا!"

"کسی سے کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے —"

"کہئے نا — میں تو آپ کے دل کا درد سمجھتا ہوں۔"

"سوچتا ہوں — سوچتا ہوں — بہو کی دوسری شادی کر دوں۔"

لالہ جی کی بات سنتے ہی کمل ہکا بکا رہ گیا۔ اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ لیکن اس نشتر سے رگوں میں درد کے بجائے ایک گدگداہٹ پیدا ہو گئی۔ اندھیرے اندر اندھے خوابوں میں ایک دھندلی سی امید کی روشنی نظر آنے لگی اور وہ

انجنا کے تصور میں کھو گیا۔ لالہ جی بڑے غور سے اُس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو پڑھتے رہے۔ جب وہ کافی دیر تک اپنے آپ میں ڈوبا رہا تو انہوں نے سوال کیا۔

"کیوں۔ چپ کیوں ہو گئے؟ تمہیں اچھا نہیں لگا میرا ایسا سوچنا؟"

"جی نہیں ..... جی ہاں ..... بھلا اس میں برا ہی کیا ہے۔" وہ بڑبڑا کر بولا۔ اور پھر ڈپٹی صاحب کی پُر معنی نگاہوں کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"لیکن ..... وہ مانے گی کیا؟"

"اس سے پہلے تو مجھے سوچنا ہے کہ کیا کوئی اُس سے بیاہ کرنے پر راضی ہو جائے گا۔"

ڈپٹی صاحب نے کہا۔ لیکن اُس کا جواب سننے سے پہلے ہی دونوں کا رُخ بدل گیا۔ شالینی انجنا کے کمرے سے لوٹ آئی تھی۔ وہ تیزی سے اچھلتی ہوئی ان کے قریب آئی اور ڈپٹی صاحب سے اُن کی بہو کو اپنے ساتھ لیجانے کی اجازت مانگنے لگی۔ شالینی دوسرے دن ہی نینی تال سے جانے والی تھی۔ اُس کی سہیلیاں چار روز پہلے جا چکی تھیں۔ اب وہ اکیلی تھی۔ آج کا دن وہ انجنا کے ساتھ گذارنا چاہتی تھی۔ اس لئے کچھ شاپنگ کا پروگرام بنایا تھا۔

"لیکن مجھے کب انکار ہے بیٹی۔" وہ اس کی یہ تفصیل سن کر بولے۔

"آپ کو تو نہیں۔ لیکن اُسے ہے۔"

"وہ کیوں۔؟"

"آپ گھر پر اکیلے ہیں نا۔ اسلئے۔"

"لو۔ جیسے میں کوئی بچہ ہوں۔"

تبھی ان کی بہو صد رحال کے زینہ پر آٹھہری۔ کمل اور لالہ جی نے ایک ساتھ نگاہیں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ شالینی نے جب اپنی بات کو دہرایا تو اُس نے پھر انکار کر دیا۔ اور بولی ــ!

"گھر کا سارا کام پڑا ہے۔"

"سب ہو جائے گا۔ بہو رمیّا ہے۔ مالی ہے اور پھر شالو کون سا روز روز یہاں آنے والی ہے۔"

انجنا نے جب دوبارہ ضد کی۔ تو کمل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ایک راستہ ہے ـــ دونوں کی بات رہ جائے گی۔"

"کیا ــ؟"

"دونوں مل کر گھر کا کام نپٹا لو۔ اور میں بھی اپنا کام نپٹا لوں۔ لوٹتے وقت دونوں کو لیتا چلوں گا۔"

کمل کے مشورے نے ہر کسی کو چُپ کرا دیا۔ اور انجنا کو مجبوراً شالو کی بات ماننی پڑی۔ اور اُس نے جانے کا اقرار کر لیا۔ تبھی کمل "شالو کو وہاں چھوڑ کر جانے لگا تو بابو جی نے اس سے پوچھا۔

"کب تک لوٹو گے کمل ــ؟"

"دوپہر تک......"

"تو کیوں نا آج ان دونوں کا امتحان لیا جائے۔"

"وہ کیسے انکل ــ؟"

"ان کے ہاتھ کا پکا کھانا کھا کر۔"

"خیال برا نہیں۔ لیکن یہ مانیں گی....."

"اس میں ماننے نہ ماننے کی کیا بات ہے"۔ انجنا فوراً کہہ اٹھی اور پھر

لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے پھر کہا "بلکہ یہ تو ہماری خوش نصیبی ہوگی کہ آپ ہمارے گھر میں کھانا کھائیں۔"

کمل دوپہر کے کھانے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ وہ دونوں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں۔ لیکن ڈپٹی صاحب کے دل و دماغ کا بوجھ بڑھتا ہی گیا۔ آج انہوں نے کمل کے دل کو ٹٹولنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن بات ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ کمل اور اپنی بہو کے دل میں اٹھتے ہوئے طوفان سے آگاہ ہو چکے تھے وہ اپنی زندگی میں ہی یہ گتھی سلجھا دینا چاہتے تھے۔ لیکن یہ سوچتے سوچتے جب کبھی انہیں یہ خیال آجاتا۔ کہ انجنا نے ہوم ین کمران کے دشواس کو دھوکہ دیا ہے تو وہ غصے کے گھونٹ پی کر رہ جاتے اس دیوی کا تصور ایک نیا روپ لے لیتا۔ اور وہ اس ناٹک کی گہرائی تک پہنچنے کی ناکام کوشش کرنے لگتے۔ کمل کے چلے جانے کے بعد وہ متواتر یہی سب سوچتے رہے۔

انجنا آج بے حد خوش تھی۔ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو چکی تھی۔ کہ کمل نے آج اس کی زندگی کا راز جان لیا ہے۔ اُس خط نے کمل کو بدظن نہیں کیا بلکہ سچائی کی جھلک ملتے ہی وہ اُس کے اور قریب آگیا۔ اور آج اس کے ہاتھوں کا بنا کھانا کھا کر وہ اس کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے۔

وہ بڑی پھرتی سے ہر کام کئے جا رہی تھی۔ آج اس نے اپنے ہاتھوں سے مصالحہ پیسا۔ سٹوو جلایا۔ اور ترکاری کاٹنے لگی۔ شانتی نے اس کا ہاتھ بٹانا چاہا۔ لیکن اس نے منع کرتے ہوئے کہا۔

"تو بس میرے پاس بیٹھی رہ۔۔ کام خود بخود نپٹ جائے گا۔"

"وہ تو دیکھ رہی ہوں — یوں بھی اپنے بس کا نہیں ہے اس طرح مشین
بننا۔"
"گھبراؤ نہیں — سسرال جاؤ گی تو اپنے آپ مشین بن جاؤ گی۔ میکے کا راج
ہے۔ دو چار روز آرام کر لو۔"
"پلو تم —"
"ہوں —"
"تم نے تو اپنے میکے میں خوب عیش و آرام کے دن کاٹے ہوں گے۔"
"نہیں اپنے تو نصیب ہی الٹے رہے — بچپن میں ہی ماں باپ
چل بسے۔ ماموں نے پالا پوسا۔ بیگانوں کی طرح — اور پھر جو زندگی کے
سپنے پورے ہونے لگے تو اپنے پریتم کو کھو بیٹھی۔"
یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شالینی نے اس کے
دل کی کیفیت کو سمجھا اور سنجیدگی کو مسکراہٹ میں بدلتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"کیا ایسا ممکن نہیں ہے پونم کہ جو سپنے ادھورے رہ گئے۔ انہیں
اب پورا کر لیا جائے —"
انجنا نے شالو کی بات کو سنا اور عجیب نظروں سے اس کی طرف
دیکھنے لگی۔ شالو کے ہونٹوں پر ابھی تک مسکراہٹ چمک رہی تھی۔ انجنا
اس کے دل کی بات کو سمجھ گئی۔ پھر بھی انجان سی بن کر بولی۔
"وہ کیسے......"
"دوسرا بیاہ کر کے۔"
انجنا کو یہ سن کر اچھا بھی لگا اور برا بھی۔
"یہ تم کہہ رہی ہو شالو۔ ؟" اس نے کہا۔

"ہاں — ایک لڑکی ہی دوسری لڑکی کے دل کی گہرائیوں کو پہچان سکتی ہے۔"

"لیکن میرے آنچل پر داغ ہے —"

"وہ تو چاند میں بھی ہوتا ہے۔"

"تم بھول رہی ہو۔ میں کسی شریف گھرانے کی بہو ہوں۔"

"لیکن میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ تم ایک لڑکی بھی ہو۔ خوبصورت اور جوان جس کے من میں سینکڑوں آرزوئیں امیدیں اور امنگیں ہیں۔

"سماج والے اسے پاپ کہیں گے۔"

"کہنے دو — لیکن عورت کے دل کو سمجھنے والا کوئی نہیں کہے گا۔"

"لیکن میں یہ کیسے بھول جاؤں — کہ میں ایک ماں بھی ہوں۔"

"دنیا میں کئی نیک دل ایسے بھی ہیں جو تمھارے بچے کو بھی اپنا لیں گے"

"نہیں یہ اتنا آسان نہیں ہے — کون ہوگا — جو اپنے من پر اتنا بڑا پتھر رکھ سکتا ہے؟"

"ایک ہے —"

"کون — ؟"

"میرا بھیا — کمل —!"

کمل کا نام سنتے ہی وہ کچھ ایسی بدحواس ہوئی کہ چھری کی تیز دھار سے اس کی انگلی کٹ گئی۔

شاہینی نے لپک کر ایک آب خورہ اٹھایا اور اس کی انگلی پکڑ کر برفیلے پانی میں ڈال دی۔ انجنا ابھی تک خاموش تھی۔ اس نے شاہینی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔

"جانتی ہو کل رات بھیا نے مجھ سے کیا کہا تھا" شالینی نے کہا۔
"کیا ___؟" اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔
"بولے۔ اگر یونم تمھاری بھابی بن جائے۔ تو کیسا رہے گا؟"
"تو پھر تم نے کیا کہا ___؟"
"پہلے تو مجھے کچھ عجیب سا لگا۔ لیکن جب میں نے بھیا کے دل کو ٹٹولا۔ تو ہاں کر دی۔"
"کیوں ان کے دل میں کیا چھپا تھا"
"تمھارا پیار . . . ."
شالینی کے جواب پر وہ چھوئی موئی ہو گئی اور چپ چاپ انگلی کو پانی سے نکال کر پھر کام میں لگ گئی۔
اب شالینی بھی خاموشی سے اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔ لیکن وہ اُس کے دل کی دھڑکنوں کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اس کی بات پر انجنا ناراض ہونے کے بجائے شرما کر رہ گئی تھی۔
ادھر انجنا کو شالینی کی بات نے یقین دلا دیا تھا کہ اُس کا خط پانے کے بعد ہی کمل نے اپنی بہن کا دل ٹٹولا ہوگا۔ اور اس احساس نے اُن کے درمیانی فاصلوں کو اور بھی کم کر دیا۔
دوپہر کے کھانے کے بعد حسب وعدہ انجنا شالینی اور رکمنی کے ہمراہ بازار کے لیے چل پڑی۔ آج اس نے ساڑھی بھی شالینی ہی کی پسند کی پہنی تھی ساڑھی سادہ تھی لیکن بے حد نفیس۔ لالہ جگن ناتھ کو بھی بہو کے اس لباس میں آنے والے کل کا تصور چھپا ہوا نظر آیا۔ آج وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں اس کے اپنے بس میں نہ تھیں

بلکہ آج تو اس کی چال میں ایک عجیب لچک اور تمکنت آگئی تھی۔ اس کے انداز ہی بدل چکے تھے۔

دن بھر وہ ان کے ساتھ مارکیٹ میں گھومتی رہی۔ شالینی جی بھر کر شاپنگ کرتی رہی اور اس کے بھیا بل پر بل چکاتے رہے۔ اس دوران میں انجنا خاموشی سے بہن بھائی کے سوال جواب سنتی رہی۔ وہ ہر قدم پر کسی نہ کسی بہانے انجنا کی تعریف کر جاتا۔ اور جب شالینی اُسکے اشارے کو سمجھ جاتی تو وہ جھینپ جاتا۔ یہ دیکھ کر انجنا دل ہی دل میں مسکرانے لگتی اُسے اپنی پوجا سپھل ہوتے دکھائی دے رہی تھی۔

اچانک ایک دکان پر جبکہ وہ شالینی کے لیے ساڑھیاں پسند کر رہی تھی۔ تو شالینی نے انجنا کی پسند کی ایک ساڑھی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میری بات مانو — پونم! یہ ساڑھی تم لے لو۔ تمھارے رنگ اور بدن پر خوب کھلے گی۔"

"نہیں شالو — یہ موقع نہیں۔"

"موقع ہوتا نہیں — بنا لیا جاتا ہے یہی دستور ہے زمانے کا۔" کمل نے جھٹ سے مداخلت کی۔ اور گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ آپ تو جانتے ہیں —"

"یہی نا — کہ ایسی چمکدار ساڑھی پہننے کی تمہیں اجازت نہیں۔؟"

"آپ سمجھتے ہیں۔ تو پھر کیوں کریدتے ہیں۔"

"اس لیے کہ ایک نا ایک دن تمہیں یہ بناوٹی لباس اُتار کر اپنی پسند کا لباس پہننا ہوگا۔"

"بھیا نے ٹھیک کہا ہے اور پھر یہ ساڑھی تو تمہیں بھیا تحفے میں دے

رہے ہیں؟"

"ہاں۔ ہاں۔ میری طرف سے ایک حقیر تحفہ"

"وعدہ رہا۔ آپ کا یہ تحفہ ضرور لوں گی۔"

"کب۔۔۔۔؟"

"وقت آنے پر۔"

کمل نے کافی اصرار کیا۔ لیکن انجنا نے اُسے مجبور کر دیا کہ۔ وہ تحفہ اس وقت نہیں لے سکتی۔ وہ نراش ہو گیا۔ اور اپنی مایوس نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "خیر وہ وقت بہت دور نہیں۔"

وہ شرم سے لہرا گئی۔ اور اپنے دانتوں سے ناخن کاٹنے لگی۔ پھر شالینی کو خرید و فروخت میں مصروف دیکھ کر اور کمل کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر وہ چپکے سے کھسک کر شوروم کے باہر والے برآمدے میں چلی گئی۔ کمل نے جب بل چکانا چاہا۔ تو شالینی دکان دار سے دوسرے ڈیزائن نکلوا بیٹھی۔

کمل بھی جو کافی دیر سے اس زنانہ شاپنگ سے بور ہو رہا تھا آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ جہاں انجنا تنہا کھڑی سامنے پھیلی ہوئی جھیل کو دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کے قریب آ کھڑا ہوا وہ اسکی موجودگی کا احساس کرتے ہی چونک پڑی۔

"کیا دیکھ رہی ہو۔۔؟"

"کچھ بھی تو نہیں۔ شالو کہاں ہے۔۔؟"

"اسی دھن میں ہے۔ ایک ساڑھی کا رنگ بدلنے کی سوچ رہی ہے"

وہ چپ ہو گئی اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے خط کا حوالہ دے کر اس

سے کچھ پوچھتی وہ اپنے چور دل سے گھبرانے لگی ۔ پھر یونہی بات کرنے کے لیے اس نے کہہ دیا۔

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ۔"

"کیا ۔ ؟"

"میرے بارے میں شالو کو سب کچھ کہہ کر ۔"

"اوہ ۔ وہ تو میرے دل کی کیفیت تھی۔ جو میں نے بیان کردی۔ تمہارے بارے میں تو کچھ نہیں کہا میں نے ۔"

"سچ ۔۔۔۔"

"ہاں پونم ۔ اور اگر اُس سے دل کی بات نہ کہتا تو یہ بات پتا جی تک کیسے پہونچتی ۔"

"کیا وہ مان جائیں گے ؟ ۔"

"کیوں نہیں ۔ اس وقت تو انہیں بیٹے کی خوشی کا خیال ہے اپنے وقار کا نہیں ۔"

"وہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایسی بہو کو اپنا لیں گے ؟"

"اپنانا ہی ہوگا ۔ پونم ! میں جو تمہیں اپنانا چاہتا ہوں ۔" یہ کہتے کہتے وہ اس کے اور قریب آ گیا۔ انجنا نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اب ان آنکھوں میں اُسے اپنا ہی تصور دکھائی دے رہا تھا ۔

"تمہارا سنسار تو مجھے اپنا لے گا ۔ لیکن یہاں کا کیا ہوگا ۔" وہ رُک رُک کر بولی ۔

"میں سمجھا نہیں ۔"

"یہ بات بابو جی تک کون پہنچائے گا ۔ پھر وہ اس کی مخالفت بھی تو

کر سکتے ہیں۔"

"مجھے اُن پر بھروسہ ہے۔ وہ تمہیں بیٹی سمجھ کر کنیادان کر دیں گے۔"

تبھی شالینی ساڑھیوں کے پیکٹ اٹھائے باہر چلی آئی اور انہیں یوں ایک دوسرے کے قریب دیکھ کر بولی۔

"واہ بھیا۔ تمہارا بھی جواب نہیں۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔"

"اور کیا کرتا۔ یہاں پونم بھی تو اکیلی تھی۔"

"اور وہاں سیلز مین نے حساب میں دس روپے زیادہ لگا لیے تھے۔"

"پھر کیا ہوا۔؟"

"میں نے فوراً بھانپ لیا اور ٹوٹل لگاتے ہی میں اس پر برس پڑی"

"اس کا مطلب ہے تم نے دس روپے کا نوٹ بچا لیا۔"

"ہاں۔"

"تو چلو۔ کہیں بیٹھ کر اس کی چائے پئیں۔ بہت تھک چکے ہیں۔"

اس پر شالینی اور انجنا دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ انجنا نے گھر جانے کی جلدی کا اظہار کیا۔ تو شالینی نے انکار کر دیا۔ اور اسے کھینچتے ہوئے سامنے کے ریسٹوران میں لے گئی۔ کمل نے بہن کے ہاتھوں سے چند پیکٹ لے کر خود پکڑ لیے اور اُن کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔

انجنا کبھی سپنے میں بھی یہ نہ سوچ سکتی تھی۔ کہ کمل اُس خط کے بعد اس کے اس قدر قریب آجائے گا۔ وہ اُس کے دل کے درد کو اس حد تک بانٹ لے گا۔ وہ اُس کی پریشانیوں کو اس آسانی سے اپنا لے گا۔ اسے اب اپنے آپ پر اپنی زندگی پر بھروسہ ہونے لگا۔ اس میں بڑی سے

بڑی مشکل کا سامنا کرنے کی ہمت آگئی۔

تینوں جب ریسٹورانٹ کے بیرونی حصہ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ تو ایک شال دوشالے بیچنے والا ان کے قریب آیا۔ اور انہیں بار بار دیکھنے کے لیے مجبور کرنے لگا۔ نہ جانے کیا سوچ کر انجنا نے ایک سلیٹی رنگ کے دوشالے کو چھو کر پوچھا۔

"کتنے کا ہوگا ۔۔۔؟"

"تین سو روپیہ ۔۔۔ میم صاحب۔"

"بہت زیادہ ہے۔"

"ہاں جی تو ایسا ہے میم صاحب ۔۔۔ لے لیجئے۔ اصلی پشمینے کا ہے۔"

"کیا کرو گی ۔۔۔" شالینی نے سوال کیا۔

"یوں ہی ۔۔۔ سوچا بابوجی کے لیے لے لوں۔"

"ارادہ بُرا نہیں ۔۔۔" کمل نے کپڑے کو انگلیوں سے پرکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو پسند ہے" انجنا نے پوچھا۔

"کیوں نہیں ۔۔۔ اور بابوجی تو پھولے نہیں سمائیں گے یہ دیکھ کر کہ اُن کی بہو کتنا خیال رکھتی ہے اُن کا۔"

اُس کی سرسری طور پر کہی ہوئی یہ بات انجنا کے دل پر آ لگی۔ لمحہ بھر کے لیے اس نے کچھ سوچا اور پھر وہ دوشالہ خرید لیا۔ آج زندگی میں پہلی بار اس نے بابوجی کے لیے کچھ خریدا تھا۔ اُس نے جب کنکھیوں سے بہن بھائی کی طرف دیکھا تو چہروں پر ایک لالی آگئی۔

(۱۷)

شام ڈھل چکی تھی۔ رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ نینی تال کی پہاڑیوں پر اپنی سیاہ چادر پھیلاتا جا رہا تھا۔ ہوا بالکل ساکن تھی۔ دور دور تک خاموشی سائیں سائیں کر رہی تھی۔

انجنا جب گھر لوٹی تو اُسے ڈر لگ رہا تھا۔ اُسے آنے میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ بابوجی گھر پر اکیلے بیٹھے اکتا چکے ہوں گے اور ہر لمحہ اُس کی واپسی کا انتظار کر رہے ہوں گے، یہ سوچ کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ دبے قدموں سے اندر پہونچی۔

مدھم روشنی میں جونہی وہ زینے کی طرف بڑھی۔ بابوجی کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ "کون ہے؟"

اُس نے پلٹ کر ہال کے کونے میں دیکھا۔ جہاں وہ آرام کرسی پر بیٹھے تھے آج وہ اپنے کمرے میں نہیں گئے تھے۔ انجنا نے بڑھ کر چھت کی بڑی روشنیاں جلا دیں۔ اور ان کے قریب جاتے ہوئے بولی۔

"آپ ابھی تک سوئے نہیں ہیں۔؟"

"نہیں۔ گھر کی رکھوالی بھی تو کرنی تھی۔"

"رمیا کہاں ہے۔؟"

"راجیو کو سُلا رہی ہے۔"

"اور مالی۔؟"

"شام کو گاؤں چلا گیا۔ چھٹی پر!"

"کیوں — ؟"

"اس کی بھاوج گھر سے بھاگ گئی ہے ۔ گھر والوں نے اُسے بلوا بھیجا ہے ۔"

ان کے منہ سے یہ جملہ سنتے ہی وہ جھینپ گئی ہاتھ کے پیکیٹ کو اسی طرح تھامے وہ اُن کی خوابگاہ میں چلی گئی اور پیکیٹ کو ایک طرف رکھ کر ان کا بستر ٹھیک کرنے لگی۔

لالہ جگن ناتھ اپنی کمزور ٹانگوں سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اندر آ گئے ۔ اور بہو کے قریب آ کے جب بستر ٹھیک ہو گیا تو وہ اس پر بیٹھ گئے ۔ بہو نے احتیاط سے ان کی ٹانگوں کو لحاف سے ڈھانپ دیا ۔ اور بولی ۔

"کھانا کھا لیا تھا آپ نے ؟"

"نہیں — بھوک ہی نہیں لگی ۔"

"ٹھہرئیے میں بنا لاتی ہوں — تھوڑا سا کھا لیجئے ۔"

"نہیں بہو — آج پیٹ میں اپھارہ ہے ۔ بیٹھے بیٹھے ہاضمہ بگڑ گیا ہے"

"میری بات مانیے" — کچھ دن کے لیے آب و ہوا تبدیل کرنے کہیں چلے جائیے ۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے ۔ یہاں کا پانی آپ کے لیے اچھا نہیں"

"وہ تو کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہتے ہیں ۔ لوگ میدان چھوڑ کر پہاڑوں پر صحت بنانے آتے ہیں اور وہ مجھے یہاں سے چلے جانے کو کہتے ہیں ۔"

تبھی انجنا نے پیکٹ کھولا اور وہ دوشالہ پھیلا کر ان کے سامنے رکھ دیا ۔ وہ حیران ہو کر پہلے اُس دوشالے کو اور پھر بہو کی طرف دیکھنے لگے ۔

"یہ کیا ہے ؟"

"آپ کے لیے ۔ پہلے والا بہت پرانا اور بیکار ہو چکا ہے۔"
"پرانی چیزوں سے یوں منہ موڑنا اچھا نہیں۔"
"نہیں بابوجی ۔ جب تک ہم ان چیزوں کو چھوڑیں گے نہیں۔ نئی کیسے اپنائیں گے۔"

آج بہو کی باتوں میں انوکھا پن تھا۔ اس کے لہجے میں خود اعتمادی امڈ پڑی تھی۔ بابوجی یہ دیکھ کر چپ ہو گئے۔ پھر انہوں نے انگلیوں سے اس پشمینے کی بر کو ٹٹولا اور پھر بہو کی طرف دیکھ کر بولے۔

"کتنا خیال رہتا ہے تمھیں میرا....؟"

"مجھے نہ ہو۔ تو کون کرے گا یہ سب کچھ۔" اس نے جلدی سے دوشالہ لپیٹا اور بابوجی کے تکیے کے برابر رکھ دیا۔ تبھی اس کی نظریں سرہانے کی میز پر رکھی اُس ایش ٹرے پر پڑیں۔ جس میں سگرٹ کے کئی ادھ جلے ٹکڑے پڑے تھے۔ جب اس نے وہ ایش ٹرے اٹھائی تو بابوجی بولے۔

"رمیا کو صاف کرنے کو دی تھی ۔ پگلی یہاں رکھ کر چلی گئی۔"
"کوئی آیا تھا کیا۔ ؟"
"ہاں ۔ بنواری ۔ تمہاری آنٹی کا رشتے دار۔"

بنواری کا نام سنتے ہی اچانک اُس کے چہرے کی لالی زردی میں بدل گئی۔ آنکھوں کی چمک مدھم پڑ گئی۔ اس کے دل کی اس کیفیت کو لالہ جگن ناتھ نے بھانپ لیا۔ بنواری کا نام سنتے ہی جیسے اُسے کسی بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ اس نے دبی آواز میں پوچھا۔

"کیا کرنے آیا تھا۔ ؟"

ہردوار کی زمین کا سودا پکا کر آیا ہے۔ بقایا کی رقم چاہتا تھا۔ تاکہ زمین کی رجسٹری ہو جائے۔"

"آپ نے کیا کہا ——؟"

"فی الحال ٹال دیا۔ سوچا جلد بازی اچھی نہیں۔"

وہ چپ ہو گئی اور ایش ٹرے لے کر کھڑکی تک چلی گئی۔ راکھ اور سگریٹ کے ٹکڑے باہر پھینک دیئے اور اسے صاف کر کے پھر سے میز پر رکھ دیا۔ انجنا کی سنجیدہ صورت کی طرف دیکھتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"مجھے یہ آدمی پسند نہیں آیا۔ کوئی چار سو بیس لگتا ہے۔"

"آپ نے اسے ٹھیک سمجھا۔ میں آپ سے اس روز بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔ بنواری اچھا آدمی نہیں۔"

"مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں وہ پانچ ہزار کی رقم ہضم نہ کر جائے۔"

وہ چپ رہی کوئی جواب ہی نہ بنا اس سے۔

"کیا ناطہ ہے تمہارا اس سے؟"

"کچھ بھی تو نہیں۔ وہ زبردستی ہمارا رشتہ دار بننا چاہتا ہے۔"

"اس سے تمہاری جان پہچان کہاں ہوئی؟"

بابوجی کے اس سوال نے اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑا دیں۔ اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون جیسے ایک دم پانی بن کر بدن سے پھوٹ پڑا۔ اور وہ بھکی بھکی نگاہوں سے سسر کا سامنا کرتے ہوئے بولی۔ "برسوں پہلے... اس نے میرے ساتھ رشتہ جوڑنے کی پیش کش کی تھی۔"

"تب......"

"میرے گھر والوں نے انکار کر دیا تھا۔"

"کیوں — ؟"

"اس کا چال چلن اور آوارگی دیکھ کر۔" انجنا نے جذبات سے مغلوب ہو کر دل کی بات کہہ دی۔ اور پھر جلدی سے دیوار میں لگی الماری کی طرف بڑھی اور ان کے لیئے دوا کی شیشی نکالنے لگی۔ وہ چپ چاپ بیٹھے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتے رہے۔

انجنا نے دوا کی شیشی کھولی اور ایک خوراک پیالے میں انڈیل کر پیالہ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"اپنی تو زندگی بس اب دو چار دوائیوں میں اٹک کر رہ گئی ہے۔"

"نہیں ایسا نہ کہیے۔"

"حقیقت سے کیسے مُنہ چھپا لوں۔ بہو! اب تو زندگی ایک بوجھ سا لگنے لگی ہے۔ نہ جانے کب اور کس وقت دم نکل جائے۔"

انجنا نے بحث نہ کی اور دوا کی شیشی بند کر کے الماری میں واپس رکھ دی۔ بات بدل کر بولی۔

"دودھ کتنی دیر بعد لاؤں؟"

"کھانا — آج من نہیں۔"

"خالی پیٹ سونا بھی تو اچھا نہیں آپ کے لیے۔ تھوڑی دیر بعد لے آؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اُس کتاب کی طرف بڑھی، جو ایک طرف میز پر رکھی تھی۔ کم خوابی کی وجہ سے جگن ناتھ دیر تک کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور انجنا اس بات سے واقف تھی۔ اس لیے وہ کتاب اٹھا کر اس نے ان کے قریب رکھ دی۔ اور پھر ان کا چشمہ اٹھا کر انھیں پکڑا دیا۔ بہو کی خدمتگزاری

دیکھ کر اُن کا دل پگھل گیا۔ اور وہ چند لمحوں کے لیئے یہ بھول گیئے کہ وہ اصلی بہو نہیں بلکہ نقلی بن کر انہیں اپنانے آئی ہے۔ جب وہ گھر سے باہر کمل کے ساتھ تھی۔ تو وہ بیٹھے بیٹھے اندر ہی اندر سے کھول رہے تھے اور اب جب وہ اُن کے سامنے کھڑی تھی تو وہ اس کی تمام کمزوریوں کو بھول کر اس کے وجود میں ایک دیوی کا عکس دیکھ رہے تھے۔

"پونم ......" اچانک انھوں نے بہو کو نام سے پکارا۔ ان کی زبان سے پہلی بار اپنا نام سن کر انجنا کو تعجب ہوا۔ اور وہ اکھڑی ہوئی نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھنے لگی۔ ان کی آنکھوں میں ایک چمک ابھر آئی تھی۔

"کئی روز سے سوچ رہا تھا۔ تم سے ایک بات کہوں۔"

انجنا ان کا سوال سُن کر گھبرا گئی۔ آج وہ ان کے ہر سوال سے گھبرا رہی تھی۔ انہوں نے اسے خاموش دیکھ کر فوراً جملہ پورا کر دیا۔

"لیکن ڈرتا ہوں۔ کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔"

"نہیں تو — ایسی کیا بات ہے۔ آپ کہیے نا۔" اس نے اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہا ہوں — دن بدن کمل بابو کی دلچسپی تم میں بڑھتی جا رہی ہے۔"

"جی.....!" اس کے ہونٹ تھرتھرائے۔ "نہیں ..... تو۔"

"یا یوں کہا جائے کہ تم نے اپنا بھوشیہ بدل دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"نہیں نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔" انجنا نے اپنی بات قدرے پختہ لہجے میں کہی۔

"تو سچ کیا ہے بہو؟"

وہ لڑکھڑا گئی جیسے اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون وہیں منجمد ہو گیا ہو۔

اُسے لگا جیسے یہ پوچھ کر انھوں نے اس کے نازک دل کی ان سلوٹوں کو ادھیڑنا چاہا تھا جس میں اُس کی زندگی کے کئی راز چھپے ہوئے تھے۔ وہ گم سم سی کھڑی رہ گئی۔

"تمہیں اچھا نہیں لگا۔ میرا سوال؟" لالہ جگن ناتھ نے بہو کی خاموشی دیکھ کر پوچھا۔ "دل کی بات نہیں کہوگی مجھ سے"؟

"آپ اپنی بہو کا امتحان لینا چاہتے ہیں نا؟"

"نہیں، بلکہ اس کے دل میں چھپے اس درد کو جاننا چاہتا ہوں جو کوشش کرنے پر بھی زبان تک آتے جھجکتا ہے۔"

"میرا درد تو میرے نصیب نے دیا ہے مجھے۔"

"لیکن اپنا نصیب بننے کا حق تو تمہارے اپنے پاس ہے۔"

"نہیں۔ جب تک آپ کا سایہ میرے سر پر ہے۔ ایسا سوچنا بھی پاپ ہے۔"

"اگر تمہیں مجھ پر اتنا بھروسہ ہوتا تو تم مجھے اس عمر میں کبھی دھوکا نہ دیتیں کبھی وشواش گھات نہ کرتیں۔"

"بابوجی ــــ" اُس کے منھ سے ایک چیخ سی نکل گئی اور وہ بُت بنی بابوجی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جو اب تک زرد سے سُرخ ہو چکا تھا۔ وہ اس کا امتحان لیتے لیتے ایسی بھیانک بات کہہ بیٹھیں گے، اس کی اسے کبھی امید نہ تھی، شاید کملی نے ان سے کہہ دیا تھا، پھر بنواری نے آ کر ان کے کانوں میں زہر بھر دیا تھا۔ وہ اسی الجھن میں گرفتار چپ چاپ کھڑی رہی اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات چکر لگا رہے تھے، وہ ان کے کسی سوال کا سیدھا جواب نہ دے سکتی تھی۔ اور نہ ہی اب اس میں ان کی مشکوک نگاہوں کا سامنا کرنے کی تاب تھی۔

"چپ کیوں ہو گئیں" لالہ جی نے پوچھا۔

"لگتا ہے میری طرف سے کسی نے آپ کا من میلا کر دیا ہے" اُس نے رکتے رکتے دھیمی آواز میں کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ کسی نے تمہارے جیون کے تمام بھید بھاؤ مجھ پر ظاہر کر دیئے ہیں اور وہ کبھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا"

"کون ہے وہ ؟"

لالہ جگن ناتھ نے نگاہیں اٹھا کر اُس کے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اپنے دل کی بات نہ چھپا سکے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد بولے :

"تمہارا خط — جو تم نے کمل کو لکھا تھا"

ان کی یہ بات سنتے ہی وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ اُسے ایسا لگا جیسے کسی نے اُس کے دل میں تیز دھار کا چاقو اتار دیا ہو۔ اس کی پلکیں شرم سے زمین میں گڑھ گئیں۔ جب وہ زیادہ دیر تک ان کے روبرو نہ کھڑی رہ سکی تو اس نے رُخ بدل لیا اور کانپتی آواز میں بولی۔

"تو آپ نے ..... وہ خط پڑھ لیا"

"ہاں — اور یہ بھی جان گیا کہ تم میری بہو نہیں ہو۔ بلکہ انجنا نام کی ایک بہروپیا ہو"

"بھگوان میرا گواہ ہے — میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا۔ وہ تو ایک وچن تھا۔ جو میں نے آپ کی بہو کو دیا تھا، اور اُسے نبھا رہی ہوں"

"اگر تم نے ایسا وچن دیا تھا۔ تو پھر اُسے توڑ کر تم نے یہ خط کیوں لکھا۔ پونم سے پھر انجنا بننے کا فیصلہ کیوں کیا ؟"

"میں مجبور تھی — ان کے پرانے بندھن اور پھر بنواری جیسے شیطان کا

خوف — ہر گھڑی میری زندگی کو پریشانیوں میں جکڑے جا رہے تھے۔"

"لیکن تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ تمہاری زندگی کے تمام راز جان کر کمل پر ان کا کیا اثر پڑے گا۔"

"تو کیا وہ خط —؟"

"وہ خط اس تک نہیں پہنچا۔ وہ خط میرے پاس ہے۔"

"وہ خاموش ہو گئی۔ جب اُس کے سسر نے اُسے ایسی حرکت کے نتیجے سے آگاہ کیا۔ تو وہ حقیقت کو سمجھنے لگی۔ اس خط نے بھلے ہی ان کی زندگی میں بھونچال لا دیا تھا۔ لیکن اُسے خطرے سے بچا لیا تھا جس سے اس کی زندگی پارہ پارہ ہو جاتی اس راز کو جانتے ہی کمل کو اس سے شدید نفرت ہو جاتی اور پھر وہ کبھی اس کا نام تک نہ لیتا۔

بابو جی کی زبان کی برچھیوں کے وار زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی وہیں فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے بابو جی کے پاؤں پکڑ لیے اور ان پر اپنا سر رکھ کر معافی مانگتے ہوئے بولی۔

"میں مجبور تھی — بابو جی! آپ سب کچھ جان گئے ہیں میرے سینے کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں نے آپ کی امانت کو آپ تک پہنچا دیا ہے۔ اب میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ چپ چاپ۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو گی۔"

"کہاں جاؤ گی؟"

"کہیں بھی — لیکن اپنی بدنصیبی کا سایہ کبھی آپ کے خاندان یا اس بچے پر نہ ڈالوں گی۔"

"تم چلی گئیں — تو اس گھر کی رسوائی ہو گی — لوگ کہیں گے کہ

ڈپٹی صاحب کی بہو بھاگ گئی۔"

"وہ تو مر چکی۔ کب کی۔"

"لیکن لوگ کیسے مانیں گے؟"

"میرے جانے کے بعد ان پر سچائی ظاہر ہو جائے گی۔ انھیں پتہ چل جائے گا۔ کہ ہیں کوئی دھوکے باز مکار عورت تھی۔

"یا لوگ یہ سمجھیں گے۔ کہ ڈپٹی صاحب نے اپنی بہو کے گناہ کو چھپانے کے لیے ڈھونگ رچایا ہے — اپنی ذلت پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ کہانی گڑھی ہے۔"

ڈپٹی صاحب کی بات سن کر وہ سکتے میں آ گئی۔ ان کی اس بات کا اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ اس مجبوری اور بے بسی سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"ایک راستہ ہے۔" بابوجی بولے "جس سے اس گھر کی عزت بھی رہ جائے گی۔ اور تمہاری زندگی بھی سنور جائے گی۔"

"کیا — ؟"

"تمہاری زندگی کا یہ راز — ہم دونوں کے سوا تیسرا اور کوئی نہ جان پائے۔"

"لیکن ......"

"تمہیں میری بہو نے نیا جنم دیا ہے۔ تم انجنا کو بھول کر ہمیشہ کے لیے پونم بنی رہو۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔"

"بابوجی ...." فرطِ جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ سسکیاں بھرتے ہوئے بولی۔

"میں آپ کا یہ اپکار جیون بھر نہ بھولوں گی —— میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے نام کو کبھی بٹہ نہ لگنے دوں گی۔ میں آپ کے بیٹے کی بیوہ بن کر اپنی پوری زندگی آپ کے چرنوں میں گذار دوں گی —— راجیو کو ماں کا پورا پیار دوں گی انجنا آج سے مر گئی —— میں پونم ہوں۔ آپ کی بدنصیب بہو۔ آپ کے چرنوں کی دھول۔"

یہ کہتے کہتے اس کی گھگھی بندھ گئی —— وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔ اسے یوں لگا جیسے اُس کی زندگی لہروں کے ریلے میں بہتی ہوئی ایک کشتی تھی۔ اور آج اُسے پتوار مل گیا تھا۔ اس میں جینے کی ایک نئی ہمت آ گئی اس کے دل کی دھڑکنوں میں مقید خوف اچانک دور ہو گیا۔ وہ ایک مچلتی ہوئی لہر کی طرح اٹھی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

لالہ جگن ناتھ جو اپنی جگہ تکیہ کا سہارا لیے جوں کے توں بیٹھے تھے اس کی دلی کیفیت بھانپ کر مغموم ہو گئے۔

انجنا جلد ہی سے زینہ طے کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس وقت وہ اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اُس نے راجیو کی بھی پروا نہ کی جو رمیا کے ساتھ رسوئی گھر میں بیٹھا کھیل رہا تھا۔ اس نے دروازے کے کواڑ بند کر لیے۔ اور بند دروازے کا سہارا لے کر اپنی زندگی کے اس بار کے بارے میں سوچنے لگی جو آج ہلکا ہو گیا تھا۔

تبھی اسے کمل کا خیال آیا، جو اس کے کافی قریب چلا آیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ اس نے خط سے سب کچھ جان لیا ہوگا۔ وہ خود بھی اس کے کتنا قریب چلی گئی تھی۔ ان دونوں نے تو ایک دوسرے کو اپنے دلوں کے فیصلہ سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن اب جب وہ دیکھے گا کہ ایکا ایک انجنا نے اپنا رویہ

بدل لیا ہے تو وہ کیا سوچے گا، اس نے اپنا فیصلہ نوشالو کو بھی بتا دیا تھا اور ممکن ہے، شالو نے جاکر اپنے پتاجی سے بھی بات کر دی ہو۔ ان خیالات نے پھر سے اس کے ذہن پر ایک بوجھ بننا شروع کر دیا اور اس کی سوچنے سمجھنے کی قوت سلب ہونے لگی۔ دل آتش دان میں پڑے ہوئے انگاروں کی طرح سُلگنے لگا۔

معاً اسے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس کے نتھنوں تک جلتے ہوئے سگریٹ کی بو پہنچی اور وہ خوف سے تھر تھرا اٹھی کواڑ چھوڑ کر اُس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس نیم اندھیرے کمرے میں چاروں طرف نظر ڈالی۔ اور پھر یکا یک اس کے منہ سے ایک چیخ نکل کر کمرے میں گھُٹ کر رہ گئی۔

وہ بنواری تھا، صوفے میں دھنسا ہوا سگریٹ پی رہا تھا انجنا کی نظر پڑتے ہی اُس نے سگریٹ بجھا دیا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

انجنا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب آئی اور اپنی بدحواس آواز میں بولی۔

"تم یہاں — اس وقت"

"ہاں انجو! — جب باہر کے اجالوں میں تمہارا دیدار نہ ہو سکا تو چپکے سے ان اندھیروں میں آچھپا۔"

"یوں چوروں کی طرح یہاں گھس آئے کوئی کیا کہے گا؟"

"کچھ نہیں — ایک چور دوسرے چور کے کمرے میں گھسا ہے یہ کوئی خاص بات نہیں"

بنواری کے اس گستاخانہ جملے کا کوئی جواب دینے کے بجائے اُس کا

جسم بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا۔ لیکن پھر جلدی ہی اس نے دیوار پر لگا بجلی کا سوئچ دبا دیا۔ بتی نہیں جلی۔

"رہنے دو انجو۔ یہ چراغ اب تمہارے ہاتھوں سے نہ جل سکیں گے۔"

"بتی کو کیا ہو گیا؟"

"یہاں آتے ہی میں نے تار کھینچ دیئے تھے۔"

"لیکن کیوں — ؟" وہ قدرے تلخی سے بولی۔

"تاکہ میں آج اندھیروں میں ہی اپنی پرانی ملاقاتوں کو دُہرا سکوں۔"

"دہنوار ہی . . . . . ."

"ہاں انجو! اُجالوں میں تو تم نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔ تمہارے سسر نے آج انسانیت کے ناتے بھی میرا لحاظ نہ کیا اور میری بے عزتی کر دی۔ مجھے ذلیل کر کے گھر سے چلے جانے کو کہا۔ سوچا ان اندھیروں میں ہی تم سے دو چار باتیں کر لی جائیں۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو — بولو۔"

"پہلے اپنے اس انگارہ ہو رہے چہرے کو کچھ نرم کر لو۔ تو کہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ تمہیں کیا کہنا ہے؟"

"کیا جانتی ہو؟"

"یہی کہ تمہیں میرے راز کی قیمت چاہیئے۔ میرے ماضی کی آڑ لیکر تم اس گھر کی دولت لوٹنا چاہتے ہو۔ مجھے بدنامی کی دھمکی دے کر میرا جینا دوبھر کرنا چاہتے ہو۔"

"نہیں — اب مجھے کچھ نہیں چاہیئے، صرف تمہارا پیار چاہیئے۔"

اس شیطان کے منہ سے پیار کا لفظ اسے ایسا لگا جیسے اس نے

اس کے کانوں میں پگھلتا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو۔ وہ کھسکتی ہوئی اس سے ذرا دور چلی گئی۔ ہنواری بھی قدم بڑھاتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔ اس نے پھر سے انجنا کو پیار کا واسطہ دیا۔ اور ہمیشہ کے لیے اسے اپنانے کی قسمیں کھانے لگا، انجنا جوں جوں پیچھے ہٹتی وہ برابر آگے بڑھتا جاتا۔ اور پھر وہ ایک جگہ جم کر کھڑی ہو گئی۔

اب ہنواری نے اس کی بانہہ پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور ــــ اس سے پہلے کہ وہ اس کے ہونٹوں پر اپنے بھدے سے بدبودار ہونٹ رکھ دیتا۔ انجنا تڑپ کر اس سے الگ ہو گئی اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے آتشدان میں سے جلتی ہوئی ایک لکڑی اٹھائی اور اسے ہنواری کی آنکھوں کے سامنے کر دیا، ہنواری نے ایک ساتھ اس جلتی ہوئی لکڑی اور اس کی دہکتی ہوئی آنکھوں کو دیکھا اور ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

انجنا کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ آج وہ اپنی تمام مجبوریوں کو ختم کر دینا چاہتی تھی اور اسی لیے وہ جلتی ہوئی لکڑی لیے زخمی شیرنی کی طرح اس شکاری کی طرف بڑھ رہی تھی جس نے اس کا جینا حرام کر دیا تھا۔

اب وہ سچ مچ اس سے ڈرنے لگا اور تیزی سے اپنے قدموں کو پیچھے ہٹانے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گڑگڑانے بھی لگا۔ "پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ ارے ارے یہ کیا نادانی ہے۔ ایسا مذاق بھی کوئی کرتا ہے!"

"یہ مذاق نہیں کمینے ــــ ایک مجبور دل کی آگ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہیں بھسم کر دے گی" اور وہ اس کی طرف جھپٹی۔

اندھیرے کمرے میں پیچھے ہٹتے ہوئے وہ ایک دو بار کرسیوں سے

ٹکرایا۔ وہ وہاں سے بچ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن انجنا اسے موقع نہ دے رہی تھی۔ وہ آج اس کا منحوس چہرہ داغ دینے پر تل گئی تھی، اس نے آگے بڑھ کر لکڑی کا ایک بھرپور وار کیا لیکن بنواری پھرتی سے وہ وار بچا گیا اور پھر اسی افراتفری میں ایک کھلی کھڑکی کے پاس جا پہنچا۔ وہ اس کھڑکی سے نکل بھاگنا چاہتا تھا اور ابھی اپنے پر ہی تول رہا تھا کہ انجنا نے بڑھ کر وہ لکڑی اس کے چہرے پر چپکا دی۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ ڈگمگایا اور باہر چھت پر جا گرا چھت چونکہ ڈھلوان تھی اس لیے وہ قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے باغیچے میں جا رہا۔ اس کے گرنے سے ایک دھماکہ ہوا اور ساتھ ہی باغیچے میں کھلے کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ کوٹھی کے ملازم باہر آگئے۔ شور سن کر ڈپٹی صاحب بھی اپنی بندوق لے کر برآمدے تک آ پہنچے اور پھر بہو کے کمرے کی طرف بڑھے۔

انجنا ان آوازوں کو سن کر دہل گئی۔ اس نے دور باغیچے کے اندھیرے میں بنواری کو بھاگتے ہوئے دیکھا جو جھیل کی طرف گم ہو گیا۔ کتے دور تک اس کا پیچھا کرتے چلے گئے۔ اس نے پلٹ کر جھٹ سے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی کو آتشدان میں پھینک دیا۔ اور دروازہ کھولدیا۔

جب بابوجی اس کے کمرے میں پہنچے تو وہ بت بنی کھڑی تھی۔ بابوجی نے جب بڑھ کر کمرے کی بتی جلانا چاہی تو وہ نہ جلی۔ رمیاّ اور گھر کے دوسرے ملازم بھی بابوجی کے پیچھے پیچھے وہاں چلے آئے۔

"کیا ہوا بہو؟" ــــ لالہ جگن ناتھ نے ہاتھ میں لی ہوئی بندوق کا سہارا لیتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ چپ رہی گھر کے ملازمین کے سامنے وہ کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ مالک

کا اشارہ پاتے ہی تمام ملازم کمرے سے باہر چلے گئے۔ لالہ جی نے رمیا کو لیمپ لانے کے لیئے کہا۔ اور خود آہستہ آہستہ بہو کے قریب چلے آئے وہ اب تک ساکت کھڑی تھی۔ جیسے اس میں حرکت کرنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

"کیوں بہو ؟ — کون تھا۔؟"

"بنواری ......" اس نے کانپتے ہونٹوں سے بس اتنا ہی کہا۔

"اوہ! اس کمینے کی یہ مجال — خیر گھبراؤ نہیں — میں دیکھ لوں گا اُسے — تم سب کھڑکیاں دروازے بند کر لو — میں ابھی پولیس کو خبر کرتا ہوں"۔

"نہیں بابوجی! — ایسے آدمی کو منھ لگانا اچھا نہیں۔ کہیں یہ ہمارے گھرانے کی بدنامی کا باعث نہ بن جائے۔

لالہ جی نے ایک اچٹتی ہوئی نظر بہو پر ڈالی اور چپ چاپ لوٹ گئے۔ تبھی رمیا مٹی کے تیل کا لیمپ لیے اندر آئی اور اُسے پلنگ کے برابر میز پر رکھ دیا۔ دھندلی روشنی نے کمرے کی ہر چیز کو نمایاں کر دیا۔ انجنا نے دیکھا۔ رمیا قریب کھڑی اُس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہی ہے نگاہیں ٹکراتے ہی وہ جھینپ کر بولی۔

"یہ کھڑکیاں وغیرہ بند کر دوں، بی بی جی!"

"کیوں — ؟"

"کہیں وہ پاجی پھر نہ آجائے۔

"کون — ؟

"آپ کا رشتہ دار بنواری بے —"

انجنا نے دیکھا۔ یہ نام لیتے وقت رمیا کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ اس نے مالکن کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ اس کی رازدار ہو اور پلٹ کر باہر جانے لگی۔

"رمیا ——"

وہ رُک گئی۔

"راجیو کہاں ہے —— ؟"

"بابو جی کے پاس ——"

"اسے یہاں لے آؤ۔"

"اچھا بی بی جی۔"

رمیا نے کہا اور تیزی سے باہر چلی گئی۔ کمرے میں پھر پہلی سی خاموشی چھا گئی دور سے ابھی تک کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

(۱۸)

شبنم نے جوں ہی اسپرٹ سے بھری ہوئی روئی سے بنواری کے چہرے کو چھوا۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا، اس کی اس بچوں والی حرکت پر وہ مسکرادی اور بولی ——

"جواب نہیں ۔ وار کرنے والی کا —— چہرہ ہی داغ دیا۔"

"چہرے کا یہ داغ تو آہستہ آہستہ مٹ جائے گا شبّو —— لیکن دل کا داغ مٹنے والا نہیں۔"

"رحم آتا ہے بنواری تم پر —— زندگی بھر زمانہ ڈرتا رہا تم سے ۔ اور

اب تم ڈر گئے ہو اس معمولی سی لڑکی سے۔ لعنت ہے تمہارے جینے پر۔"
"شبنو۔۔۔!" وہ غصّے سے جھنجلا اٹھا۔
"میری عزت کو نہ للکارو۔ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"
"زیادہ سے زیادہ کیا کرو گے۔۔۔ بے چاری کا خون اور کیا۔"
"شاید اب مجھے یہی کرنا پڑے۔"
"جب جواری ہار جاتا ہے تو وہ ایسی ہی باتیں سوچنے لگتا ہے۔"
"بکواس بند کرو۔"
"لو چپ ہو گئی۔ بس۔" شبنم نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور وہاں سے جانے کے لیے اٹھی۔ بنواری نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچ کر اپنی گود میں گرا لیا۔ وہ ایک مچھلی کی طرح تڑپی لیکن بنواری کے شکنجے سے آزاد نہ ہو سکی۔

"کیوں ناراض ہو گئیں کیا۔۔۔؟" بنواری نے کہا۔
"تم سے ناراض ہو کر جان آفت میں ڈالنی ہے کیا۔۔۔؟"
بنواری نے اس کے گال کو زور سے دانتوں سے کاٹا۔ وہ چلائی اور اس نے کس کر بنواری کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔۔۔ بنواری مار کھانے پر بھی ہنس دیا اور بولا۔
"تیری انہیں اداؤں نے ہی تو مجھے قیدی بنا رکھا ہے۔"
"تو دُم ہلاتے اس الّو کے پاس گالیاں کھانے کیوں چلے جاتے ہو۔ مجھے یہاں دوبارہ کیوں بلایا ہے۔"
"ان گالیوں میں بھی مزا ہے۔ شبنو! ایک ایسا مزا ہے جس کا اندازہ تم اس وقت نہیں لگا سکتیں۔"

"جس دولت کے خواب تم دیکھ رہے ہو بنواری ۔ وہ تمہارے ہاتھ لگنے کی نہیں۔"

"کیوں ۔۔۔ ؟"

"اس لیے کہ وہ انجنا کے ہاتھ میں ہے۔"

"میں بھی تو اسی تاک میں ہوں ۔ کہ کچھ بانٹ لوں۔"

"پیار سے چاہو۔ تو عورت سب کچھ مرد کے حوالے کر سکتی ہے۔ لیکن وہ تم سے نفرت کرتی ہے تمہیں ایک کھوٹی کوڑی بھی نہ دے گی۔"

"تو میں اپنا حصہ نفرت سے ہی لے لوں گا۔" اس نے مستحکم لہجے میں کہا۔ اور اُٹھ کر سامنے سے شراب کی بوتل نکال لی۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹتا شبنم خالی گلاس لیے پہلے ہی سامنے آ گئی۔

بنواری نے دیکھا۔ آج وہ ایک ہی گلاس لیے کھڑی تھی۔ شبنم نے وہ گلاس میز پر رکھا اور شرابی نگاہوں سے بنواری کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ شرارت آمیز مسکراہٹ سے بولا۔

"کیا ارادہ ہے ۔"

"کچھ نیک نہیں۔"

"تو لاؤ دوسرا گلاس۔" بنواری نے اپنا جام بھرتے ہوئے کہا

"آج پینے کا موڈ نہیں۔ تم تو جانتے ہی ہو۔ میں کسی کا غم نہیں بانٹتا۔"

"کون کہتا ہے ۔ میں غمگین ہوں۔"

"خوش بھی تو نظر نہیں آتے۔"

"میرے جذبات سے کھیلنا تو نے کس سے سیکھا ہے شبو!"

"تمہاری گستاخیوں سے۔"

بنواری نے وہ بھرا ہوا جام اُسے پیش کیا۔ لیکن شبنم نے انکار کر دیا بنواری نے زبردستی گلاس کو اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہ لڑکھڑائی۔ اس نے ہونٹوں کو گلاس سے الگ کرنے کی کوشش کی لیکن بنواری نے اُسے اس کے بالوں سے پکڑ لیا۔ اور زبردستی اس کے حلق میں شراب انڈیلنے لگا۔ وہ تلملائی بڑبڑائی اور اسی ہڑبڑاہٹ میں اسے اُچھو آگیا۔ شراب فوارے کی طرح اسکے مُنہ سے نکل کر اُس کے کپڑوں پر بکھر گئی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر بنواری بے اختیار ہنسنے لگا۔

انہیں الجھن میں گرفتار انجنا ابھی تک اپنے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ آج کے واقع نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ کہ ایک دن اس کی زندگی ایسے چوراہے پر آکھڑی ہوگی۔ کہ اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے گا۔ ایک طرف بہو کا فرض تھا۔ تو دوسری طرف کمل کے جذبات کا پاس۔ ایک طرف بنواری کا خوف تھا۔ تو دوسری طرف اُس زندگی کا خوف جو ہر گھڑی ایک اندھی اور گہری کھائی میں گرتی جا رہی تھی۔ اِس گھر کی ذمہ داریاں اپنے سر پہ لے کر وہ زندگی بھر نہ اُبھر سکے گی۔ آج تو بابوجی نے اس کی عزت رکھ لی۔ لیکن کل جب وہ نہ ہوں گے تو دنیا والے اُس سے کیسا سلوک کریں گے۔ اس کا خیال آتے ہی وہ کانپ گئی۔

ایک فیصلہ جو بار بار اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو رہا تھا۔ وہ تھا اِس گھر کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دینا اس جال سے باہر نکل جانا جو اسے بری طرح جکڑے جا رہا تھا۔ بالآخر اسی فیصلے کے ماتحت وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھی اس نے ایک چھوٹے سے اٹیچی کیس میں اپنے پہننے کے دو چار کپڑے رکھے

زیورات اور دوسری چیزوں کو احتیاط سے الماری میں بند کر دیا۔ اور چابیوں کا گچھا لے کر پلنگ کے پاس آئی جس پر راجیو پڑا سو رہا تھا۔

راجیو کو دیکھتے ہی اُس کے دل میں ممتا امڈ آئی۔ وہ اس پر جھکی اور اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اُس کے بالوں کو سہلایا اور پھر کمبل سے ڈھانپ کر الگ ہو گئی۔

وہ اٹیچی کیس سنبھالے آہستہ آہستہ زینہ اتر رہی تھی صدر ہال کی دھندلی روشنی میں اسے ہر چیز صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ خاموش چیزیں اُسے اپنی طرف گھورتی نظر آئیں جیسے وہ اُس گھر سے کچھ چرا کر بھاگ رہی تھی وہ سانس روکے صدر ہال میں پہونچی۔ تالیوں کے گچھے کو اور بھی مضبوطی سے پکڑے ہوئے وہ چپ چاپ بابوجی کے کمرے کی طرف بڑھی۔

وہ نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انجلا نے ہمت کی اور اُن کی خوابگاہ میں داخل ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ اُن کے پلنگ کے قریب پہونچی اور تالیوں کا وہ گچھا ان کے تکیے کے پاس رکھ دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اسے محسوس ہوا جیسے اس گھر کی ساری ذمہ داریوں کا بوجھ اسکے سر سے اتر گیا ہو۔ پھر اس نے جھک کر بابوجی کے پیروں کو چھوا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ اندھیرے میں چلتی ہوئی وہ بیرونی پھاٹک تک پہنچ گئی لیکن جونہی اس نے پھاٹک کی اندرونی چٹخنی کھولنی چاہی۔ وہ ٹھٹھک گئی۔ دروازے پر ایک بڑا سا تالا لگا ہوا تھا اس نے تالے کو کھینچ کر دیکھا۔ وہ بند تھا یہ دیکھ کر اسکے پورے جسم پر خوف طاری ہو گیا۔ اس تالے نے اس کے تمام ارادوں کو پسپا کر دیا تھا۔

ابھی وہ گومگو کی حالت میں ہی کھڑی تھی کہ کسی آہٹ کو سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اور دھک سے رہ گئی۔ کسی نے

بابوجی کے کمرے کی بتی جلا دی تھی۔

اس نے اس چکاچوند روشنی میں دیکھا۔ بابوجی کمرے سے باہر نکل کمرے کے آمدے میں آ کھڑے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں چابیوں کا وہ گچھا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی انجنا کے ہاتھ سے اٹیچی کیس زمین پر جا گرا۔ اور وہ خود سر سے پاؤں تک پسینہ میں شرابور ہو گئی۔

"تم جا رہی ہو — بہو؟" لالہ جگن ناتھ نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں تو......" انجنا نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"تو اتنی رات گئے — چابیوں کا یہ گچھا میرے کمرے میں کیوں چھوڑ آئی تھیں —؟"

"تاکہ اب آپ کو میرے لیے زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔"

"میں تو کبھی پریشان نہیں تھا تمہارے لیے۔ یہ تو تمہارے من کی ہلچل ہے۔ جو تمہیں سکون نہیں لینے دیتی۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا — کیا کروں؟" وہ روہانسی ہو اٹھی۔

"وہی جو ہم دونوں نے طے کیا تھا۔"

بابوجی کی بات سن کر وہ ایک بار پھر چونک گئی۔ اور ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"ہاں — تمہیں پولکم بن کر رہنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں انجنا کی یادوں کو بھی دل سے نکال پھینکنا ہوگا۔"

"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے بابوجی — زندگی کے اتنے لمبے عرصے کو ایک دم کیسے بھلا دوں؟"

"ہر ناممکن بات ممکن ہو سکتی ہے — کل کیا تھا، اسے بھول جاؤ —

جو کل آرہا ہے ۔ وہ میرے سپرد کر دو ۔"

انجنا نے ان کے اس عجیب و غریب جواب کو غور سے سُنا اور اس سے بھی زیادہ غور سے اُن کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ جو آج پریشان نہ تھا اُن کے ہونٹوں پر پُراُمید مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ وہ انجنا کی اس حرکت پر بالکل خفا نہیں تھے۔ جیسے وہ اس کے دل کی کیفیت کو اُس سے بھی زیادہ سمجھتے تھے۔ وہ کچھ دیر اُس کی پتھرائی اور گونگی نظروں کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر بولے۔

"کیا سوچ رہی ہو۔ بہو! کل جب تمہیں سہارا چاہئے تھا۔ تو اسے اپنا گھر سمجھ لیا۔ اور آج جب اس گھر کو ایک بہو کی ضرورت ہے۔ تو تم گھبرا گئیں"

بابوجی کے الفاظ اس کے دل میں اتر گئے۔ وہ تڑپ اٹھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے جھک کر اپنا اٹیچی کیس اٹھایا۔ اور بوجھل قدموں سے اندر کی طرف جانے لگی۔ لالہ جگن ناتھ نے اسے روکا اور چابیوں کا وہ گچھا اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔

وعدہ کرو کہ جن ذمہ داریوں کو اپنایا ہے ان سے کبھی منہ نہیں موڑو گی۔"

انجنا نے بھیگی پلکوں سے وعدہ کیا۔ اس کے تھرتھراتے ہونٹ اور بھی نہ جانے کیا کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن ذہن نے ساتھ نہ دیا اس نے چابیوں کا گچھا زور سے مٹھی میں دبا لیا اور تیزی سے اندر چلی گئی۔ لالہ جگن ناتھ اس وقت تک اپنی جگہ پر کھڑے رہے جب تک وہ اپنے کمرے میں نہ پہنچ گئی۔

اب انجنا کی زندگی میں ایک اہم تبدیلی آگئی۔ اُس نے بابوجی کے کہنے کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا شروع کر دیا۔ کل تک وہ اپنے لیے جی رہی تھی۔ اور اب اس نے ڈپٹی صاحب کے گھرانے کے لیے جینا شروع کر دیا تھا وہ سچ مچ انجنا کو بھول کر پونم بننے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ دن رات بابوجی کی خدمت

کرتی گھر کی دیکھ بھال کرتی اور راجیو کی مسکراہٹوں کے لیے قربان ہو ہو جاتی۔
اس دوران میں ایک دو بار کمل آیا بھی۔ .... لیکن اس نے اس کا سامنا نہ کیا کمل نے اس سے ملنے کی کوشش بھی کی لیکن وہ ٹال گئی۔ اب وہ اس سے دور ہو جانا چاہتی تھی۔ لالہ جگن ناتھ اس میں آئی ہوئی اس تبدیلی کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے شاید یہ عورت کا سب سے بڑا امتحان تھا۔ جب وہ اپنے دل اور فرض کے دوراہے پر کھڑی ہو کر اچھائی اور برائی کا فیصلہ کرتی ہے۔

آج بھی حسب معمول جب وہ صبح کا ناشتہ لے کر بابوجی کے کمرے میں آئی تو وہ صبح کی ڈاک دیکھ رہے تھے۔ بہو کو دیکھتے ہی کہہ اٹھے۔

"لو۔ شیکھر کی ماں کا خط۔ ایک ہفتہ کی اور رخصت مانگی ہے۔"

"تو کیا۔ من لگ گیا ہوگا۔ رہنے دیجیے نا۔ گھر سے نکلنا کون سا آسان ہے۔"

"اس کا ڈر نہیں مجھے۔ ڈر تو دوسری بات کا ہے۔"

"کس بات کا؟"

"کہیں اس نے وہیں آشرم بنا کر سنیاس لے لیا تو میرا کیا ہوگا۔"

"تو آپ بھی سنیاس لے لیجیے گا۔" اس آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

سامنے دروازے میں کمل کھڑا تھا جس نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ اور اپنی رائے کا اظہار کر دیا تھا۔ انجنا جھینپ گئی۔ اور بابوجی کے لیے چائے بنانے لگی۔ کمل نے ڈپٹی صاحب کے سواگت کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آنٹی کے بنا آپ اداس ہو گئے ہیں شاید۔"

"کیا کروں۔ اردھانگنی جو ٹھہری !۔"

انجانے چائے کا پیالہ بابوجی کے سامنے رکھا اور اُن کے لئے انڈہ چھیلنے لگی۔ کمل نے اُس کی بے رُخی کو محسوس کیا۔ اور بولا۔

"ایک پیالہ چائے ہم بھی پئیں گے۔"

انجانے انڈے کو وہیں چھوڑ دیا اور اس کے لیے چائے بنانے لگی۔

کہو۔ کیسے ہیں تمہارے ڈیڈی۔؟ بالکل مطلب پرست ہو گیا ہے اب ہمارا دوست! مہینوں خط تک لکھنے کی فرصت نہیں ملتی اسے۔"

"انہیں کی خبر لے کر آیا تھا۔"

"خیریت تو ہے سب۔"

"بالکل خیریت۔ بس اپنی شامت آگئی۔"

"کیوں۔؟"

"وہ اگلے ہفتے یہاں آرہے ہیں۔"

"واہ۔ باپ کی آمد کو شامت کہتے ہیں۔"

"ان کی آمد کو نہیں۔" ان کے ارادوں کو۔ مجھے تو ابھی سے ڈر لگ رہا ہے۔"

"اوہ۔ کہیں تمہیں شادی بیاہ کے بندھن میں نہ جکڑ دیں۔"

اس نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اسی وقت اس نے محسوس کیا کہ انجنا اس کے قریب چائے کا پیالہ لیے کھڑی ہے۔ اُس نے پلٹ کر اس جھینپی ہوئی مورت کو دیکھا اور پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی بہو کی۔" اس نے لالہ جی سے سوال کیا۔

"کیوں۔؟"

"پہلے کبھی انہیں اس قدر اداس اور سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔"

"تمہیں دیکھتے ہی سنجیدہ ہو گئی ہے۔ اکیلے جو آئے ہو۔"

بابوجی کی اس بات پر دونوں چونک پڑے۔

"اس کی ہمجولی۔ شالو جو یہاں سے چلی گئی۔" انہوں نے بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔ اس پر کمل مسکرا دیا۔ اور ہلکے ہلکے گھونٹوں سے چائے پینے لگا۔

اتنے میں انجانا نے وہ انڈا چھیل دیا تھا اور نمک کالی مرچ کی شیشیوں کے ساتھ طشتری میں سجا کر انکے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ کمل کوئی اور بات کرتا۔ وہ بابوجی کے میلے کپڑے اٹھا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"بھوت آکر تو میرے گھر کو سورگ بنا دیا ہے۔ کمل۔"

"اپنے اپنے نصیب ہیں۔"

"اسی لیے کہتا ہوں بیٹا۔ اپنے نصیب بدل لو۔ شادی کر لو۔"

"ہاں چاچاجی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں بھی سوچتا ہوں کہ اپنی زندگی بدل دوں۔ گھر والوں کی خواہش پوری کر دوں۔"

"اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی؟۔ کہو کوئی لڑکی پسند آئی۔"

"ہوں۔"

"کون ہے۔؟"

"کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔"

"مجھ سے؟ ڈرتا تو تو اپنے ڈیڈی سے ہے۔ میں تو تمہارا چاچا ہونے کے ساتھ ساتھ دوست بھی ہوں۔"

"تو کہہ دوں چاچاجی۔؟"

"ہاں ہاں۔ کہو جھجک۔ مجھ سے نہیں کہو گے تو کیا اپنے باپ سے کہو گے۔ ہاں تو بتاؤ۔ کون ہے وہ لکشمی؟"

"آپ۔۔۔۔ کی بہو۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

"کمل ـــ !" لالہ جی چلا کر رہ گئے۔ انہیں محسوس ہوا کہ اس وقت بہو کمرے کے باہر کھڑی تھی۔

"ہاں چاچا جی ـــ یاد ہے ـــ ایک دن آپ نے خود ہی اپنے دل کی بات کہی تھی مجھ سے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ اس کا دوسرا بیاہ کرنا چاہتے ہیں"

"لیکن ..... میں نے میں نے ....." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

میرے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن اب میں نے سوچ لیا ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے۔ کہ یہ دیوی ہمیشہ کے لیے آپ کی بہو بنی رہے۔ آپ کی نظروں کے سامنے رہے۔ آپ کے راجیو کے سر کا سایہ بنی رہے۔"

انھوں نے غور سے کمل کی طرف دیکھا۔ کمل کی آنکھوں میں پیار امڈآیا تھا۔ دل میں چھپے پیار کے موتی اب پلکوں میں آ گئے تھے۔ جذبات کی رو میں بہہ کر اس نے اپنے دل کا راز اُن کے سامنے عیاں کر دیا تھا۔

تمہارے ڈیڈی اس رشتے کو منظور کریں گے کیا۔؟"

"انہیں منانا تو آپ کا کام ہے۔"

"اور بہو کو....؟"

وہ ایک پل کے لیے چپ ہو گیا۔ بابو جی کے اس سوال کا اُس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اسے خاموش دیکھ کر انہوں نے پھر اپنا سوال دوہرایا اس پر کمل نے رُکتے رُکتے صرف اتنا ہی کہا ـــ

"دل کو بس اتنا ہی وشواش ہے کہ وہ کبھی انکار نہیں کرے گی۔"

کچھ دیر بعد جب کمل بابو جی کے کمرے سے نکل کر کوٹھی کے صدر پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایکا ایک اس کے قدم رُک گئے۔ باغیچے کے ایک طرف لکڑی کے ایک ٹینک تلے انجنا تنہا بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ کمل

چند لمحوں تک وہاں کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ اُس کے پاس چلا آیا وہ اُس کی آمد سے بے خبر منہ دوسری طرف کیے جھیل کی طرف دیکھ رہی تھی کمل بھی چپکے سے اس کے قریب آ ٹھہرا اور جھیل کی جانب دیکھنے لگا جس کے کنارے سکول کے کچھ بچے پتنگ اڑا رہے تھے۔ انجنا ان بچوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جو نیلے آسمان میں ڈور کو ڈھیل دیتے ہوئے ایک دوسرے کی پتنگ کاٹنے کے درپے تھے۔

اچانک اُن میں سے ایک پتنگ کٹ گئی۔ اور ہوا میں قلابازیاں کھاتی ہوئی ان کے باغیچے میں آ گری۔ اُس پتنگ کو دیکھ کر وہ ایکایک اپنی جگہ سے اٹھی اور اسی اثنا میں اُسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا کمل کو قریب پا کر وہ تھرتھراتے ہونٹوں سے بول اٹھی۔

"آپ ــــ!"

"یہاں بیٹھی کیا سوچ رہی تھیں؟"

"سوچ رہی تھی ــــ میری زندگی بھی اِس کٹی پتنگ سے کتنی ملتی جلتی ہے"

"وہ کیسے ــــ!"

"ڈور سے کٹ جانے کے بعد اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جو گئی۔"

"یا اپنے دیوتا سے ملنے کے لیے اس نے ان سب کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آزاد ہو گئی۔"

"لیکن ہوا کے تیز جھونکوں کا کب تک مقابلہ کر سکے گی۔ وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔"

"اس سے پہلے ہی کوئی اسے اچک لے گا ــــ دیکھو تو پونم۔ اُس پتنگ کو مالی کے لڑکے نے اٹھا لیا ہے۔ وہ اس کے لیے نئی ڈور لائے گا۔

اُسے پھر سے آسمان کی بلندیوں تک پہنچائے گا۔"
انجنا نے نگاہیں اٹھا کر اُس پتنگ کو دیکھا۔ جسے مالی کے لڑکے نے ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔ اور اُسے لیے ہوئے جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تاکہ اس پر اُن لڑکوں کی نگاہ نہ پڑ جائے۔ لڑکا جب نظروں سے اوجھل ہو گیا تو انجنا نے نگاہیں پھیر لیں۔

"جانتی ہو پونم — آج میں نے بابوجی سے دل کی بات کہہ دی ہے۔"

"کیا —؟"

"اس مالی کے بیٹے کی طرح میں بھی تمہیں نئی ڈور سے باندھوں گا۔ ایک نیا جیون دوں گا۔ اپنا بنا کر —"

"کمل ... ." وہ بس اتنا کہہ سکی۔

"اور انہوں نے میری بات ماننے کا وعدہ کر لیا ہے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"ایسا ہی ہے۔ بلکہ انہوں نے جب مجھ سے یہ کہا کہ کیا پونم مانے گی۔ تو جانتی ہو میں نے کیا کہا —؟"

"کیا —؟"

"دل کو بس اتنا ہی وشواش ہے کہ وہ کبھی انکار نہیں کرے گی۔"
کمل کی اس بات پر جیسے اسے یقین نہ آیا۔ اُس نے رُخ بدل لیا۔ اور اندر کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھائے —

"پونم —"
اس کے قدم کمل کی اس پکار پر رُک گئے اور اس کے کان اس کی بات سننے کے لیے چوکنے ہو گئے۔

"وعدہ کرو۔ تم کبھی انکار نہ کرو گی۔"

"میری زندگی کا فیصلہ اب بابوجی کے ہاتھ ہے۔"

"وہ تو کر چکے۔"

"کیا۔؟"

"تمہاری دوسری شادی۔؟"

اس جملے نے اس کے دل کو چیر کر رکھ دیا۔ وہ دوسری شادی کے نام سے ہی کراہ اٹھی۔ اُس نے ایک گہری نظر کمل پر ڈالی اور بنا کچھ کہے سنے وہاں سے چلی گئی۔

(۱۹)

"واہ۔ کیا سوچا ہے! ۔ لگتا ہے۔ تم سٹھیا گئے ہو جگن ناتھ۔"

"نہیں نہیں تم سٹھیا گئے ہو وشنو پرشاد ۔۔۔ میں تو تمہارے بیٹے کی زندگی بنانے کی سوچ رہا تھا۔"

"جواب نہیں تمہارا ۔۔۔ ایک بیوہ اور وہ بھی تمہارے پوتے کی ماں۔ اُسے میرے بیٹے کے گلے مڑھ کر مجھ پر احسان کرنے جا رہے ہو۔"

"وہ ایک دیوی ہے۔ گھر کی لکشمی ہے۔"

"تو اُسے اپنے گھر میں ہی سجا کر دِن رات اس کی پوجا کیا کرو ۔۔۔ مجھے نہیں چاہیئے ایسی دیوی ۔ ایسی لکشمی۔"

"واقعی تم موٹی عقل کے آدمی ہو۔"

"موٹی عقل کا ہوں تبھی تو تندرست ہوں ۔۔۔ تمہاری طرح زندگی کی

"باریکیوں کے بارے میں سوچنے لگوں تو دو دن میں ہی چارپائی پکڑ لوں"
وشنو پرشاد نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ اور غصے سے نتھنے پھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ جگن ناتھ نے دوست کے دل و دماغ میں برپا ہیجان کو محسوس کیا۔ اور برابر کے میز سے دوا کی ایک شیشی میں سے دو گولیاں نکال کر اُسے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"لو۔ یہ گولیاں — منہ میں رکھ لو۔ ابھی تمہارا سارا غصہ اور دماغ کی ساری گرمی پی جائیں گی۔"

"مذاق نہ کرو جگن ناتھ"

"اچھا نہیں کرتا — اب کہو۔"

"کہنے کو تم نے چھوڑا ہی کیا ہے — سوچا تھا تم سے دل کی باتیں کرونگا تو کچھ تسلی کچھ اطمینان ملے گا....."

"اطمینان چاہتے ہو تو بیٹے کا گھر بسا دو۔"

"تم نے گھر بسانے کی بات تھوڑے کی ہے — تم تو کمل کی زندگی کو دیمک لگانے کا مشورہ دے رہے ہو....."

تبھی انجنا کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے تھی۔ وشنو پرشاد بات کرتے کرتے چونک گئے۔ اور وُہ حسن کی اس زندہ تصویر کی طرف دیکھنے لگے۔ انجنا نے ٹرے ان لوگوں کے سامنے رکھ دی اور ہاتھ جوڑ کر انہیں نمسکار کیا۔

"یہ ہیں۔ اپنے کمل کے ڈیڈی — پاؤں چھوؤ۔ ان کے بیٹا۔"
انجنا نے جب بابو جی کا اشارہ پا کر وشنو پرشاد کے پاؤں چھوئے۔ تو وہ ہڑبڑا سے گئے۔ اُن کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔ وہ

بنّ نے اس طرح اس کی طرف دیکھتے رہ گئے جیسے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہو۔

"میرے بہت پرانے دوست ہیں۔ اور بھائی بند بھی۔"

انجنا طشتری میں سے ایک سیب اٹھا کر اُسے چھری سے کاٹنے لگی۔ اور پھر اس کی قاشیں ان کے سامنے رکھ کر جب وہ جانے لگی تو لالہ جگن ناتھ نے اس سے کہا۔"

"پونم بیٹا۔ یہ چائے نہیں پیتے ۔ ان کے لیے گرم دودھ بھجوا دینا۔ اور دو چار ٹکڑے میٹھے کے۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر چلی گئی۔ وشنو پرشاد نے جواب تک اپنے دوست کی بات سُن کر غصے کو ضبط کر رہا تھا انجنا پر سے نظریں ہٹا کر جگن ناتھ کی طرف دیکھا۔

"کیوں ۔ چکرا گیا دماغ میری بہو کو دیکھ کر ۔ ایسی سوشیل اور سندر لڑکی ہے۔"

"ارے جب اس کے ہنسنے کے دن تھے ۔ تو اسے گھر میں نہ گھسنے دیا۔ اور آج جب اُس کے جیون میں آگ لگ گئی ہے تو اُس پر ترس کھا کر اس کی تعریفیں کر رہے ہو۔"

"ہاں وشنو۔ یہی دکھ مجھے دن رات گھُو کھلا کئے جا رہا ہے۔ اور اسی لئے میں نے اس کی زندگی میں پھر سے بہار لانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"وہ کیسے ۔ ؟" وشنو پرشاد نے سیب کے ٹکڑے کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"اسے تمہارے گھر کا سنگار بنا کر۔"

"جب اس کو گرہن لگ گیا۔ تو اسے میرے حوالے کرنا چاہتے ہو۔"

"نہیں وشنو۔ ایسا نہ کہو۔ وہ گنگا جل کی طرح پوتر اور چاندنی کی طرح اُجلی ہے۔ وہ میرے پوتے کی ماں نہیں ہے۔"

یہ سنتے ہی وشنو پرشاد کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کا دوست بڑھاپے میں عقل کھو بیٹھا ہے۔

"کیا بک رہے ہو۔ یار؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ وشنو! یہ اُس کی زندگی کا راز ہے جسے میرے سوا تیسرا کوئی نہیں جانتا۔"

"تو تم نے جھوٹ بولنا بھی شروع کر دیا ہے"۔

"نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔ میری پونم مر چکی ہے۔ یہ اُس کی سہیلی انجنا ہے۔ جو میرے پوتے کو اس گھر میں پہنچانے چلی آئی تھی۔"

"لیکن پہلے تو تم نے ایسا کبھی نہیں کہا۔"

"پہلے میں بھی کہاں جانتا تھا۔! یہ بھید تو اس نے مجھ سے بھی چھپائے رکھا۔"

"کیوں۔؟"

"اُسے ایک سہارے کی تلاش تھی۔ جہاں وہ اپنی جوانی کو چھپا کر رکھ سکتی اور اسی لیے وہ بیوہ بن کر میرے گھر میں پڑی رہی۔"

"یہ سب کچھ کیا کمل کو بھی معلوم ہے۔؟"

"نہیں۔ وہ اسے اب تک شیکھر ہی کی بیوہ سمجھتا ہے۔ اس پر بھی اسے اپنا جیون ساتھی بنانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"یہ کون ہے۔ کہاں سے آئی ہے۔ کس خاندان سے تعلق ہے اِس کا؟ یہ سب تو معلوم ہو گیا ہو گا تمہیں۔"

"بس شمرافت کا ایک موتی ہے۔ جسے مٹی میں ملنے سے بچانا ہوگا"

"لیکن بنا کچھ جانے بوجھے میں کیسے کچھ کر سکتا ہوں۔ جگن ناتھ۔"

"بہو کا کہنا ہے کہ تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ اُس کے خاندان کو بھی جانتے ہو۔"

"اسے جانتا ہوں۔" اس نے تعجب سے کہا اور اپنے حافظے پر زور دینے لگا۔ تو کیا اسی لئے اسے دیکھ کر وہ بھونچکا سا رہ گیا تھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"لیکن وہ ہے کون؟"

"تمہارے مرحوم دوست راج کشن کی بھانجی۔" انجنا۔!"

"جگن ناتھ۔!" وہ چلا اٹھا۔ راج کشن کا نام سنتے ہی جیسے اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا۔ جب اس نے اصرار کر کے اپنے کمل کا رشتہ اُس گھرانے میں طے کیا تھا لیکن جہاں سے ذلیل ہو کر کمل کی بارات لوٹ آئی تھی۔ اور اس کے بعد وہ اپنے رشتہ داروں کے سامنے گردن نہ اٹھا سکا۔"

غصے سے اس کا جسم ایک بار پھر پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اُس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ دانت کچکچا کر بولا۔

"تم چاہتے ہو۔ کہ میں اُس خاندان سے پھر رشتہ قائم کر لوں۔ جس نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔"

"میں یہی چاہتا ہوں۔"

"لیکن کیوں۔۔۔؟"

"اس لئے کہ بھگوان کو یہی منظور ہے۔ اگر بھگوان ان کے بندھن

نہیں توڑ سکا تو ہم کون ہوتے ہیں۔ میلوں کا فاصلہ طے کر کے وہ ہیرا پھر اسی گھر کا سنگار بننے آیا ہے۔ اسے اپنا لو وشنو پرشاد ۔ پرانی باتیں بھول جاؤ۔ بھول جاؤ کہ وہ کون ہے یہ رشتہ تم میرے خاندان سے قائم کر رہے ہو۔ میری بہو نہیں، بیٹی لے کر!"

تبھی انجنا طشتری میں دودھ کا گلاس لئے داخل ہوئی۔ لالہ جگن ناتھ نے جھٹ سے اپنے آنسو پونچھ لیے اور ہونٹوں پہ زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے گلاس لیتے ہوئے وشنو پرشاد کے سامنے رکھ دیا۔ وشنو پرشاد جو ابھی تک اپنے آپ میں نہیں تھا، گہری نظروں سے انجنا کی طرف دیکھنے لگا جسے بہت دن پہلے اُس نے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے چنا تھا۔

لالہ جگن ناتھ نے اس کی گڑی نگاہوں کو انجنا پر سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "یہ کیا بہو۔ میں نے تو صرف میٹھا لانے کے لیے کہا تھا۔ تم نمکین بھی لے آئیں۔"

"کیا معلوم۔ انہیں آج کیا پسند ہو۔ اسی لئے دونوں لے آئی۔" انجنا جو وشنو پرشاد کی نظروں سے پہلے ہی گھبرا رہی تھی اور بھی گھبرا گئی۔

اور پھر بابوجی کی دوا کی شیشی اُن کے قریب رکھتے ہوئی بولی۔

"شام کو گولیاں لینا نہ بھول لیئے گا۔"

"تم کہیں جا رہی ہو کیا۔؟"

"جی ہاں ـــ مندر!"

اور انجنا باہر جانے کے لیے مڑی وشنو پرشاد اس وقت تک اس کی طرف دیکھتے رہے جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ زندگی ان سے اتنا بڑا مذاق کرے گی، اس کا انہیں یقین نہیں آرہا تھا۔

"کیوں وشنو — کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میری تو عقل کام نہیں کرتی —"

"تو دوسروں کی عقل سے کام لو — ایسی بہو اس جنم میں تو نہیں ملے گی۔"

"لیکن کمل کیا کہے گا؟"

"جس کے تصور سے اسے نفرت ہے، اسی کے وجود سے وہ پیار کرتا ہے۔"

"لیکن جب اس کے وشنو اس کو دھکا لگے گا تو . . . . ؟"

اسی لیے تو کہتا ہوں — اسے میری بیٹی سمجھ کر رفتہ کر لو۔ راز راز ہی بنا رہے گا۔"

"دنیا والوں کو کیا جواب دوں گا۔"

"ان کی پرواہ مت کرو — نہ تو کل وہ تمہارے شریک تھے۔ اور نہ آج تمہاری خوشیوں کے حصہ دار بنے گیں۔"

"انجنا کا کیا کہنا ہے؟"

"کچھ نہیں — وہ تو اپنے آپ کو اس گھر کے لیے ارپن کر چکی ہے اس کی خوشیوں کے بارے میں تو ہم دونوں کو سوچنا ہے۔"

"لیکن تمہیں اس نے یہ سب کچھ بتایا کیسے؟"

"اس نے نہیں — بلکہ اس کے خط نے بتایا جو اس نے تمہارے بیٹے کے نام لکھا تھا — اس کے ساتھ ہی انجنا کا وہ خط لا کر جگن ناتھ نے وشنو پرشاد کے سامنے رکھ دیا۔ وشنو پرشاد اسے اٹھا کر پڑھنے لگے خط پڑھنے کے ساتھ ہی ان کے چہرے کی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ آخر پورا خط پڑھ کر انہوں نے جگن ناتھ کو واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کمل کو اس کا علم ہے؟"

"نہیں — خط اس کو ملنے سے پہلے ہی میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔"

وشنو پرشاد چپ ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گئے اور اسی نیم خیالی میں دودھ کا گلاس اٹھا کر گھونٹ گھونٹ پینے لگے۔

"زندگی بھر کوئی پن کا کام نہیں کیا ہم نے وشنو۔"

وشنو پرشاد نے جگن ناتھ کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"آؤ۔ یہ پن کما لیں۔ دو بچھڑی آتماؤں کا ملن کرا دیں۔"

"بات تو پتے کی کہتے ہو دوست — لیکن ایک بات سے ڈرتا ہوں۔"

"کس بات سے؟"

"کہیں کمل کو اصلیت کا پتہ چل گیا تو پھر سے ان دونوں کی زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"اس کے بارے میں میں نے پہلے ہی سوچ لیا ہے۔"

"کیا —؟"

"یہ میں تمہیں شادی کی رات بتا دوں گا۔"

وشنو پرشاد خاموش ہو گئے۔ وہ جانتے تھے کہ لالہ جگن ناتھ کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی غیر معمولی بات چھپی رہتی ہے۔ اس نے دودھ کے دو تین لمبے لمبے گھونٹ بھرے۔ جگن ناتھ نے میٹھے کی طشتری اٹھائی اور اسے پیش کرتے ہوئے بولا —

"لو دوست — اسی بات پر منہ میٹھا کر لو۔"

وشنو پرشاد نے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنے دوست کے منہ میں دے دیا اور دوسرا خود کھانے لگا۔

تبھی لالہ جگن ناتھ نے دیکھا کہ رمیّا کھڑکی میں کھڑی اُن کی طرف دیکھ رہی ہے نظریں ملتے ہی وہ جھینپ گئی۔ اور جلدی جلدی برآمدے میں ٹنگے کپڑوں کو سمیٹنے لگی۔ لالہ جگن ناتھ اُسے دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے سنجیدہ ہو گئے۔ انہیں اس بات کا اندیشہ ہوا۔ کہیں رمیّا نے اُن کی باتیں تو نہیں سن لیں انہوں نے پکار کر کہا۔

"رمیّا! یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کپڑے سمیٹ رہی ہوں بابوجی"

"راجیو کہاں ہے۔؟"

"بڑے کمرے میں کھیل رہا ہے۔"

"جاؤ — پہلے اُسے سنبھالو —"

وہ ان کے اس بے وقت کے غصے کو بھانپ گئی اور جلدی سے کپڑے سمیٹتی ہوئی اندر چلی گئی۔ لالہ جگن ناتھ نے دیکھا کہ اس دوران میں وشنو پرشاد نے مٹھائی کی پوری طشتری صاف کر دی تھی۔

دو گھنٹے بعد جب انجنا مندر سے لوٹی تو لالہ جی کے دوست جا چکے تھے۔ لالہ جی اپنے کمرے میں بیٹھے کتاب پڑھ رہے تھے۔ انجنا نے بڑھ کر اُن کو دیوی کا پرشاد دیا۔ اور پھر کھڑکیوں کے پردے گرانے لگی کیونکہ ہوا کے تیز جھونکے کمرے میں آ رہے تھے۔

"آپ کے مہمان چلے گئے — بابوجی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ بہو — ابھی تھوڑے ہی دیر پہلے گیا ہے"

وہ چپ ہو گئی۔ اور کھڑکی سے ہٹ کر ان کا بستر ٹھیک کرنے

لگی ۔ معاً جگن ناتھ نے پکارا۔

"بہو ۔!"

"جی ۔ بابوجی ۔"

"آج تم یوں اجڑی صورت بنائے آنکے سامنے آ ڈگی ۔ اس کی مجھے امید نہ تھی۔"

"دیبا میں نے جان بوجھ کر کیا تھا بابوجی ۔"

"وہ کیوں ۔؟"

"پہلے پہل انہوں نے ہی مجھے ہوسٹل میں ماموں کے ساتھ دیکھا تھا۔ ڈر رہی تھی کہیں پہچان نہ جائیں ۔"

"وہ تو پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا کہ تم وہی لڑکی ہو ۔"

ان کی یہ بات سنتے ہی وہ دھک سے رہ گئی ۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے ۔ بڑی مشکل سے وہ بستر کی چادر ٹھیک کر سکی لالہ جگن ناتھ نے اُس کی دلی کیفیت کو سمجھتے ہوئے کہا ۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ۔ میں نے بات بنا دی تھی ۔

"وہ کیسے ؟ ۔"

"جیسے بھی ہوا اُسے یقین دلا دیا کہ اُسے دھوکہ ہوا ہے ۔"

اس پر وہ چپ ہوگئی ۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے بستر پہ تکیے جما دیئے اور ان سے بولی ۔

"آپ بستر پر آئیں گے ۔ ابھی ۔!"

"نہیں کچھ دیر اور بیٹھوں گا ۔"

ابھی بستر سنوار کر جانے لگی تو لالہ جی نے اسے پھر روک لیا اور بولے ۔

"تمہاری غیر حاضری میں ہم نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔ ایک انوکھا فیصلہ"
"کیا۔۔۔؟" وہ چونک اٹھی۔
"کمل اور تمہارے بیاہ کا فیصلہ"۔
وہ یہ سنتے ہی سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ اور شرم سے منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اس کے پاؤں زمین فرش میں گڑ گئے ہوں۔
"کیا خیال ہے تمہارا۔۔؟"
"یہ سوچنا بھی اب پاپ ہے۔"
"کسی کے جذبات کو کچلنا بھی تو پاپ ہے"۔
"وہ تو میرا پرائشچت ہے۔۔ میری اگنی پرکھشا ہے۔"
"نہیں بیٹی۔۔ تم نہیں جانتیں کہ میرے خاندان کے آخری وارث کو گھر پہنچا کر تم نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ تم نے اپنی ایک سہیلی کے وعدے پر اتنا بڑا تیاگ کیا ہے تو میں کیسے اپنا وعدہ بھول سکتا ہوں۔۔ میرا بھی تو کوئی فرض ہے۔"
انجنا نے بھیگی پلکوں سے بابوجی کی طرف دیکھا۔ لمحہ بھر کے لیے رک کر وہ پھر بولے۔
"ہاں بیٹی۔ میں نے اپنے دل سے تمہاری ٹوٹی ہوئی اس ڈور کو پھر سے جوڑنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ بندھن جو بھگوان نہ توڑ سکا میں انہیں جوڑنے کا وسیلہ بننا چاہتا ہوں۔"
انجنا کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو گرنے لگے۔ انہوں نے اشارے سے اُسے قریب بلایا وہ ایک طرح سے لڑکھڑاتی ہوئی اُن کی طرف بڑھی اور اُن کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ لالہ جگن ناتھ نے اسکے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اب یہ غم کے آنسو پونچھ ڈالو بیٹی ۔ تمہاری ارادھنا پوری ہو گئی۔ برسوں پہلے سمے کی ڈور جو کٹ گئی تھی ۔ اب وہ پھر بندھنے جا رہی ہے"۔

"لیکن وہ اصلیت ...."

"بھول جاؤ اس اصلیت کو میں تمہیں بیاہ رہا ہوں۔ اپنی بیٹی سمجھ کر اور تم مجھ سے وعدہ کرو کہ جب تک میں اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتا تم یہ راز کسی کو نہیں بتاؤ گی۔"

انجنا نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر اپنے آنسو پونچھتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی ۔ اُس کی کنواری اور گونگی آنکھوں میں پھر سے وہ چمک آ گئی ۔ اس کی اندھیری راہوں میں نہ جانے کتنے ستارے یکبارگی جگمگا اٹھے ۔ وہ ایک طرح سے بھاگتی ہوئی زینہ طے کر کے اپنے کمرے میں جا پہنچی سامنے قالین پر راجیو کھیل رہا تھا۔ انجنا نے لپک کر اُسے بانہوں میں اٹھا لیا۔ اور اُسے پاگلوں کی طرح چومنے لگی۔ پھر اس نے اس کے پیٹ میں گدگدی کی جس سے راجیو زور زور سے ہنسنے لگا۔ آج سے اس نے پہلے کبھی ماں کی یہ کیفیت نہ دیکھی تھی۔

اچانک رمیا کو دیکھ کر وہ جھینپ گئی ۔ اُس نے اپنے ڈھلکے آنچل کو سنوارا اور رمیا کی طرف دیکھنے لگی جو راجیو کا دودھ بنا کر اندر داخل ہو رہی تھی ۔ رمیا کے ہاتھ سے دودھ کی بوتل لے کر اس نے کہا۔

"جا تو اور کام کر میں پلا دیتی ہوں ۔"

"بی بی جی"۔ انجنا کی طرف ایک ٹک دیکھتے ہوئے رمیا نے کہا۔

"کیا ہے ۔ ؟" اس نے بے رخی سے پوچھا۔

"بابو جی سے آپ نے کہا"

"کیا ہے؟"

"پیشگی تنخواہ کے لیے۔ آج پھر ماں کا خط آیا ہے۔"

"اوہ۔ رمیا تیرا ابھی جواب نہیں۔ ایک بار کہا نا — وہ نہیں مانیں گے۔"

"آپ کہہ تو دیکھیے۔"

"اچھا بابا۔ جا کام کر — وہ نہ مانے تو میں دے دوں گی۔"

رمیا یہ سُن کر خوش ہو گئی۔ اور ناچتی ہوئی سی باہر چلی گئی۔ مالکن کا ایسا موڈ آج سے پہلے اُس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ اچھلتی کودتی باغیچے تک چلی گئی اور نیک میں رکھے ہوئے راجو کے کھلونے سنبھالنے لگی جو شام کو کھیلتے وقت وہیں چھوڑ آیا تھا۔

اچانک اندھیرے میں وہ انگارے کی چمک دیکھ کر کانپ گئی — کچھ فاصلے پر باغیچے کی حد کے باہر کوئی بیٹھا سگرٹ پی رہا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسکی طرف دیکھنے لگی۔ جو اب ہونٹوں کی سیٹی بجا کر اسے اپنے پاس بلا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں سے وہ کھلونے گر گئے اور وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔ جیسے ہی اندھیرے میں اُس آدمی کے دانت چمکے — وہ اُسے پہچان گئی۔ وہ بنواری تھا۔ جو نہ جانے کب سے لوہے کی باڑ کا سہارا لئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

رمیا نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور جب کوئی نظر نہ آیا تو وہ اس کی طرف بڑھی۔ اُس نے سگرٹ کے ادھ جلے ٹکڑے کو پتھر پر مسل کر بجھا دیا اور بولا۔

"جانتی ہو کب سے — تمہارے انتظار میں کھڑا ہوں؟"

"کب سے؟"

"پورا ایک گھنٹہ ہو گیا؟"
"تمہیں کیسے پتہ چلا ــــ میں یہاں آؤں گی۔"
"یوں ہی اندازے سے۔"
"اور اگر میں نہ آتی ــــ تو؟"
"رات بھر یونہی کھڑا رہتا۔" بنواری نے مسکرا کر کہا اور پھر جیب سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال کر بولا "یہ لو۔ دھانی چوڑیاں۔"
"ارے میں نے تو مذاق کیا تھا!"
"تو مذاق اب سچ ہو گیا۔"
بنواری نے وہ پیکٹ کھول کر چوڑیوں کو انگلیوں میں لہرایا۔ رمیا نے للچائی نظروں سے اس اندھیرے میں ان کی چمک دیکھی اور انہیں بنواری سے جھپٹ لیا۔ اور ایک چوڑی کو اپنی پتلیوں کے سامنے نچانے لگی۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ وہ چوڑیاں اپنے بازو میں اتارنا شروع کر دیں۔
"تمہاری بی بی کہاں ہے ــــ اس وقت؟"
"اپنے کمرے میں۔ بچے سے کھیل رہی ہیں۔"
"شاید اسے بچے سے بہت پیار ہے۔" بنواری نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"تھا ــــ لیکن اب نہیں رہا۔"
"کیوں ــــ؟"
"اس کا پیار بٹ گیا ہے۔"
"وہ کیسے؟"
"آج کل بچے سے زیادہ وہ کمل بابو کو چاہنے لگی ہیں۔"
"جھوٹ! بھلا وہ اسے کیوں چاہنے لگی۔ وہ تو مجھ سے پیار کرتی ہے۔"

"بابو — عورت ذات کا کیا بھروسہ۔ جس نے دو پیار کے بول کہے اُسی کی ہو گئی۔ مجھ ہی کو لو نا — جس کا نمک کھایا ہے اُسی کے بھید دینے چلی آتی ہوں تمہیں۔"

"کوئی نئی خبر —"

"سنو گے — تو تن بدن میں آگ لگ جائے گی۔"

"اری اب کہہ بھی نا۔"

"اتنی بڑی خبر اور مفت میں کہہ دوں۔"

"یہ چوڑیاں جو لایا ہوں۔"

"یہ تو تحفہ لائے ہو۔ بابو — اپنی مرضی سے۔"

"اور اب — پھر؟"

"ہاتھ پہ کچھ رکھو تو خوش خبری سناؤں۔"

بنواری اُس کی للچائی ہوئی نظروں کو غور سے دیکھا۔ اور پھر دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پہ رکھ دیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی دس کا نوٹ اپنی چولی میں رکھتے ہوئے اپنا منہ اس کے کانوں کے قریب لے جا کر دھیمی آواز میں بولی۔

"سنا ہے — کمل بابو اور بی بی جی کا بیاہ ہونے والا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے —" وہ تلملا اٹھا۔

"بالکل سچ ہے — میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے کمل کے ڈیڈی سے کہا تھا۔"

"لیکن بیوہ کی شادی — ناممکن۔"

"بابو اگر تم بیوہ سے چھپ چھپ کر پیار کرنے آ جاتے ہو، تو وہ شادی

کیوں نہیں کر سکتی۔"

"بھی اندر سے کسی نے زمّیا کو پکارا۔ اس پکار پر وہ ہڑبڑا اٹھی۔

"اوئی مر گئی — بی بی جی! بابو جی کے دودھ کا وقت ہو گیا۔ یہ کہتے ہی وہ وہاں سے اندر کی طرف بھاگ گئی۔ بنواری نے سر اٹھا کر انجنا کی خوابگاہ کی طرف دیکھا جس کی کھڑکی پر پڑے ہوئے پردے میں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ اور پھر دانت پیستا ہوا واپس چلا گیا۔ بنواری جب ہوٹل کے کمرے میں پہونچا تو ڈاکٹر شبنم کا معائنہ کر رہا تھا۔ شبنم کو پچھلے کئی روز سے شدید بخار تھا۔ ڈاکٹر نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ معمولی نزلے کا کیس ہے جلدی دو ایک روز میں ٹھیک ہو جائے گا۔

"بنواری نے کہا۔ ڈاکٹر پچھلے دو روز سے یہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سوئی۔"

"سونا چاہتی ہوں — لیکن نیند نہیں آتی ڈاکٹر۔" شبنم نے رک رک کر کہا۔

ڈاکٹر نے اس کی نبض کو دوبارہ دیکھا اور کاغذ کے ایک پرزے پر نسخہ لکھتے ہوئے بولا "یہ نیند کی دوا ہے — چوبیس گھنٹے میں صرف ایک گولی — دوسری گولی بنا مجھ سے پوچھے نہ دی جائے۔"

اور نسخہ دے کر ڈاکٹر چلا گیا۔ بنواری نسخے کو ہاتھ میں لیے اس کرسی پر بیٹھ گیا جس پر اس سے پہلے ڈاکٹر بیٹھا تھا اور چپ چاپ شبنم کے بال سہلانے لگا۔

"کیا بات ہے — بنواری؟"

"کچھ نہیں۔"

"اتنے خاموش کیوں ہو؟ کیا پھر انجو سے جھڑپ ہو گئی؟"

"نہیں شبو! — اب تو جھڑپ اپنے آپ سے ہو رہی ہے بنواری

اور اس کے ضمیر کی ۔"

"تو کیوں نہیں وہ راستہ چھوڑ دیتے جس پر چلنے سے تمہارا ضمیر تمہیں کوستا ہے"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے شبو!"

اور یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ سامنے کی الماری سے شراب کی بوتل نکالی کارک ہٹایا اور بوتل سے منہ لگا کر چند گھونٹ حلق میں انڈیل لیے۔ پھر اس نے ایک تمسخر آمیز نظر شبنم پر ڈالی اور وہ نسخہ لیے کمرے سے باہر نکل گیا۔

(۲۰)

"اوئی ۔۔۔ دیا!۔"

رسوئی گھر میں داخل ہوتے ہی رمیا کے منہ سے ایک پھسپھسی سی چیخ نکل گئی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس اندھیرے کونے میں دیکھنے لگی جس میں کھڑے بنواری کی آنکھیں جنگلی بھیڑیے کی طرح چمک رہی تھیں اب وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"کیا بات ہے رمیا؟ آج کچھ غصے میں نظر آتی ہو۔ میم صاحب نے ڈانٹ دیا ہے کیا؟"

"میری جوتی ڈانٹ کھاتی ہے۔ اب کے تنخواہ نہ بڑھائی تو دیکھ لوگی" وہ بڑبڑائی۔

"کیا کرو گی ۔؟"

"دس گھر اور ہیں ۔ ہاتھ جوڑ کر لے جائیں گے ۔" اس نے پیشانی پر آئے ہوئے پسینے کو اپنے آنچل سے صاف کیا اور چولہے میں آگ تیز کرتی

ہوئی بولی "چولہا جلائے تو رمیا۔ بچہ کھلائے تو رمیا۔ جھاڑ پونچھ کرے تو رمیا۔ اور تنخواہ صرف چالیس روپے۔ چھی۔"

"تو کیوں دیمک لگاتی ہے پگلی اپنی جوانی کو ــــ گھر کا کام کر کے۔"

بنواری کی بات سن کر وہ یکبار گی چونکی اور پھر اس کی بھوکی نگاہوں کی طرف دیکھنے لگی۔ جو اس کے ابھرے جوبن اور گداز بدن کو چھید رہے ڈال رہی تھیں اُس کے خشک ہونٹوں پر اُس کی زبان ناگن کے پھن کی طرح حرکت کر رہی تھی۔ وہ ذرا گھبرا گئی اور اس نے سمیٹ کر اپنے سینے کو آنچل سے ڈھک لیا غصے کی وجہ سے بنواری کو اس وقت وہاں دیکھ کر وہ یہ پوچھنا ہی بھول گئی تھی۔ کہ وہ وہاں کیوں آیا تھا۔؟

لیکن اس سے پہلے کہ اب وہ اس سے پوچھتی۔ وہ اس کے اور قریب آگیا۔ اور جیب سے اُس نے ایک پیکیٹ نکال کر رمیا کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ کیا ہے؟" رمیا نے پوچھا

"دھانی چنریاں ــــ تیرے لیے۔" بنواری نے پیکٹ کھول کر چنریا نکالی اور اسے اپنے بازو پر پھیلا کر اس کی نظروں کے سامنے کر دیا

رمیا اپنی گھبراہٹ اور غصہ بھول کر چنریا کی باریک دھاریوں کو دیکھنے لگی۔ ستاروں سے جڑی ریشمی چنریا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ اُس نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اور کوئی ٹھکانہ نہ پا کر اُس کی ملائم سلوٹوں پر انگلیاں پھیرتی ہوئی بولی ــــ

"تم یہ سب کیوں کرتے ہو ــــ میرے لیے بنواری۔"

"اپنا دل رکھنے کے لیے ــــ تم جو اتنا کرتی ہو میرے لیے۔"

"میں ــــ میں کیا کرتی ہوں؟" اُس نے وہ چنریا اپنے ہاتھوں میں تھام لی۔

"وہ اس گھر میں آئے دیتی ہو ۔ جس سے ایک نظر تمہاری مالکن کو دیکھ لیتا ہوں ۔"

"بنواری ۔" اس نے چولہے پر دودھ کا برتن رکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں ۔"

"تم اس کو اتنا پیار کرتے ہو۔ لیکن وہ تم سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہے؟"

"تو نہیں سمجھے گی اس پیار کو! سماج سے ڈرتی ہے تمہاری مالکن۔"

"ڈرتی تو کمل بابو سے کیوں پریم کرتی۔"

رمیّا کی یہ بات سنتے ہی وہ سنجیدہ ہو گیا اور لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں کی چمک بجھ گئی۔ تبھی مالکن کی پکار سنائی دی۔ رمیّا نے جلدی سے گلاس صاف کر کے چولہے کے پاس رکھا اور دودھ کے ابال کی طرف دیکھنے لگی۔ ادھر بنواری ڈر کر کواڑ کے پیچھے چھپ گیا۔ رمیّا اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"گھبراؤ نہیں ۔ وہ یہاں نہیں آئے گی۔"

"کیوں ۔؟"

"بابو جی بیمار ہیں۔ وہ ان کے پاس بیٹھی ہے۔"

"کیوں! کیا ہوا ہے ۔ انہیں۔"

"دو دن پہلے اچانک کرسی پر بیٹھے بیٹھے گر پڑے تھے۔ ڈاکٹر کہتا تھا ۔ دل کا دورہ پڑا تھا۔"

"اب کیا حال ہے؟"

"بستر پہ پڑے آرام کر رہے ہیں۔ تبھی تو کام بڑھ گیا ہے۔ ابھی بچے کو سلایا ابھی بڈھے کو دودھ دینا ہے۔" وہ پھر سے تیور بدل بیٹھی۔

رمیا نے گلاس میں دودھ ڈالا۔ اور اُسے دوسرے برتن میں بار بار الٹ پلٹ کر ٹھنڈا کرنے لگی۔ اسے ایسا کرتے دیکھ کر بنواری نے کہا،

"جواب نہیں تمہارا — پہلے گرم کرتی ہو اور پھر ٹھنڈا"

"یہی دنیا کا دستور ہے" یہ کہتے ہوئے اُس نے رُخ بدلا اور بغل والے سٹور روم میں سے شکر لانے کے لیے بڑھی۔ بنواری جو اسی تاک میں کھڑا تھا فوراً کواڑ کے پیچھے سے نکلا اور جیب میں سے دوا کی ایک شیشی نکالی جس میں دس بارہ گولیاں تھیں۔ اُس نے فوراً وہ گولیاں دودھ کے گلاس میں ڈال دیں اور خالی شیشی کو کھڑکی کے باہر پھینک دیا۔

رمیا شکر لے کر لوٹ آئی۔ اُس نے شکر کا ایک چمچ دودھ میں ملایا اور گلاس کو طشتری میں رکھتے ہوئے بولی — "میں چلی —"

"تو میں جاؤں —"

"اور کرو گے بھی کیا — آج تو وہ تمہارے ساتھ بات بھی نہ کرے گی۔"

"وہ کیوں؟"

"کہا نا — بابو جی بیمار ہیں۔"

"ہوں — تو کوئی بات نہیں — کل مل لوں گا۔" یہ کہتے ہوئے بنواری کھڑکی سے کود گیا۔ رمیا کی سمجھ میں اُس کا آنا اور پھر اس طرح چلے جانا نہ آیا جو ہوا اس نے ایک ادا سے اُس کی دی ہوئی چوڑیاں کی طرف دیکھا اور دودھ گلاس لیئے ہوئے بابو جی کے کمرے کی جانب روانہ ہو گئی۔

لالہ جی کو دل کا دورہ پڑے آج دو روز ہو گئے تھے۔ سینے کا درد تو سنبھل گیا تھا لیکن ڈاکٹر کے مشورے کے بموجب انہیں حرکت کرنے کی مناہی تھی انجنا دن رات انہیں کی خدمت میں لگی رہتی تھی۔ اپنی ساس

کی عدم موجودگی میں اُس کی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں۔ اِس دوران میں کمل بھی ان کے ہاں نہ آسکا تھا۔ وہ اپنے پتا جی کے ہمراہ بریلی گیا ہوا تھا۔ کسی رشتہ دار کی شادی پر۔

رمیّا جب دودھ کا گلاس لئے اندر داخل ہوئی تو لالہ جی بستر پر لیٹے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انجنا چپ چاپ پاس بیٹھی راجیو کا سویٹر بن رہی تھی ــــ رمیّا کو دیکھتے ہی اُس نے اشارہ کیا اور وہ دودھ کا گلاس میز پر رکھ کر چلی گئی۔ لالہ جی بولے ــــ "کہا نا ــــ دودھ نہیں چاہیئے۔"

"صبح سے آپ نے کچھ نہیں لیا ــــ خالی پیٹ رات بھر نیند نہ آئے گی۔"

"تم بھی ڈاکٹروں کی باتوں میں آگئیں۔"

"ان کا کہا مانتی تو آپ کو پڑھنے بھی نہ دیتی۔"

"وہ پاگل ہیں۔ زندگی کے درد کو دل کا دورہ سمجھ بیٹھے۔"

وہ چپ ہوگئی۔ اور اُن کو سہارا دے کر ان کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ جما دیا وہ بہو کی تیمارداری پر بے حد خوش تھے۔ جب وہ دودھ کا گلاس اٹھانے لگی تو وہ کہہ اُٹھے۔ "ابھی رُک جاؤ۔ ذرا ٹھنڈا ہو جائے تو لے لوں گا۔"

انجنا نے دودھ کا گلاس واپس رکھ دیا۔ اور ان کے ہاتھوں سے کتاب چھین لی۔ وہ اس کی اس ادا پر مسکرا کر رہ گئے تھے۔ پھر یہ سوچ کر ان کے دل میں کسک سی ہوئی کہ وہ عنقریب اس جیسی خدمت گار بہو سے محروم ہو جائیں گے۔

"آپ برا مان گئے ــــ؟" انجنا نے کہا۔

"وہ کیوں؟" ان کا دل امڈ آیا۔

"آپ کے ہاتھوں سے یہ کتاب جو چھین لی۔"

"وہ ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ لے آئے۔ اور انجنا کی طرف ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولے ـــ

"کتاب چھن گئی۔ اس کا رنج نہیں لیکن جب میرے ہاتھوں سے کوئی سرسوتی جیسی بیٹی چھین کر لے جائے گا ـــ تو کیا ہوگا ـــ میرا۔؟"

انجنا نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔ وہ ان کی اس کسک کا احساس کر چکی تھی۔ جھجکتے ہوئے بولی ـــ

"یہ آپ نے کیسے سوچا کر بیاہ کے بعد میں آپ کو بھلا بیٹھوں گی ـــ آپ نے تو مجھے ماں باپ دونوں کا پیار دیا ہے۔ میں اس پیار کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔"

"ہاں انجنا ـــ! تمہارے چلے جانے سے یہ رشتہ تھوڑے ہی ختم ہو جائے گا میں بھی کیا سوچنے لگا تم اپنے پتی کے گھر بس جاؤ گی ـــ تو میں سمجھوں گا میری بگیا میں پھر سے پھول کھل اٹھے۔"

لالہ جی کی بات سن کر انجنا کی آنکھیں پُر نم ہو گئیں لیکن آنسوؤں کو اندر ہی اندر پیتے ہوئے اس نے گھڑی میں وقت دیکھا اور دوائی کی ایک گولی ان کو دے دی۔ گولی کو گلے میں اتارنے کے بعد لالہ جی بولے ـــ "بہو!"

"جی ـــ!"

اب لالہ جی نے ایک رجسٹرڈ لفافے میں سے چند سرکاری قسم کے کاغذات نکال کر اسے دیئے اور انہیں احتیاط سے اپنے پاس رکھ لینے کو کہا۔ انجنا نے وہ کاغذات لے لیے اور لالہ جی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی

"کچھ دن پہلے میں نے وصیت کر دی تھی۔ یہ اسی کے کاغذات ہیں۔"

"لیکن ـــ"

"انہیں احتیاط سے اپنے پاس رکھ لو۔" لالہ جی نے خالی لفافہ بھی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لو لفافہ، اسی میں رکھ لو۔ میں نے اپنی تمام جائداد راجیو کے نام لکھ دی ہے تم اس کی کارجین رہو گی۔"

انجنا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ لفافہ تھام لیا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ وہ اس بارے میں کچھ کہہ بھی تو نہ سکتی تھی۔ اس کی سنجیدگی اور اکھڑے پن کو محسوس کرتے ہوئے وہ بولے۔

"تمہیں برا تو نہیں لگا — انجنا!"

"جی — کیا —!" وہ چونک گئی۔

"میرا یہ سب کچھ راجیو کے نام کر دینا۔"

"اس پر تو اسی کا حق ہے — میں کیوں برا ماننے لگی۔" انجنا نے ہونٹوں پر زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ اور تپائی پر پڑی بے ترتیب چیزوں کو درست کرنے لگی تبھی ادھورا سوئیٹر اٹھاتے وقت ہڑبڑاہٹ میں اس کی سلائیاں نکل گئیں۔ وہ گرے ہوئے گھروں میں سلائیاں ڈالنے لگی۔

"کل تمہارا بیاہ ہو جائے گا۔" لالہ جی لیٹے لیٹے پھر بولے۔

"تم زندگی کی رنگینیوں میں کھو جاؤ گی تمہاری اجڑی ہوئی دنیا میں پھر سے بہار آ جائے گی۔ اور بھگوان نے چاہا تو جلد ہی تمہاری گود بھی بھر جائے گی تب ....."

وہ ساکت ہو گئی اور جھینپی ہوئی نظروں سے بابو جی کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کہتے کہتے رک گئے تھے۔ سانس کی رفتار کو قابو میں کرتے ہوئے وہ پھر بولے — "تب کبھی اس معصوم کو نہ بھول جانا۔ اس خاندان

کی آخری نشانی کی ذمہ داریاں تم کو بوجھ نہ لگنے لگیں۔ تم اپنی سہیلی کو دیئے اپنے وچن سے منہ نہ موڑ لو۔ اسی لیے یہ وصیت کر دی ہے۔ تاکہ یہ جائداد ہمیشہ تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی رہے۔"

یہ کہتے کہتے ان کا سانس پھر اکھڑ گیا۔ سینے کا بوجھ تو اتر گیا لیکن اپنی جگہ ایک تلملاہٹ سی چھوڑ گیا۔ وہ ہاتھ کی سلائی چھوڑ ان کی طرف جھکی اور آہستہ آہستہ ان کی پیٹھ سہلانے لگی۔ پھر اس نے اپنی ذمہ داری کو نبھانے اور راجیو کی زندگی کا سہارا بننے کی قسم کھائی۔ اس نے اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے بابوجی کو یقین دلایا۔ کہ وہ کبھی بھی یہ نہیں بھولے گی کہ وہ اس گھرانے کی بہو اور راجیو کی ماں ہے

لالہ جی نے کچھ اور بھی کہنا چاہا۔ لیکن انجنا نے زیادہ بولنے سے منع کر دیا۔ اس نے بات کا رخ بدل دیا اور دودھ کا گلاس اٹھا کر ان کے آگے کر دیا۔ اس بار لالہ جی انکار نہ کر سکے اور ہلکے ہلکے گھونٹوں سے پورا گلاس پی گئے۔

انجنا نے کھڑکیوں کے پردے گرا دیئے چھت کی روشنی بند کر دی۔ اور دھندلی روشنی کا چھوٹا بلب جلا دیا تاکہ کمرے میں بالکل اندھیرا نہ ہو جائے اس کے بعد اس نے بابوجی کے تکیے سیدھے کر دیئے اور ایکبار پھر ان کی پیٹھ کو آہستہ آہستہ سہلانے لگی۔ کچھ دیر میں ہی ان کی آنکھ لگ گئی۔ انجنا وصیت نامہ اور راجیو کا سویٹر ہاتھ میں لیئے کمرے سے باہر چلی آئی۔ اس نے احتیاط سے باہر کے کواڑ کو ڈھکیل کر بند کر دیا۔ تاکہ خنک ہوا کمرے کی گرمی کو نرم نہ کر دے۔ پھر جب وہ زینہ طے کر کے اپنی خوابگاہ کی طرف جا رہی تھی۔ تو اس کے دل کو ایک عجیب سا سکون تھا۔ رمیا ابھی تک رسوئی گھر میں کام کر رہی تھی۔ انجنا نے رک کر اسے پکارا اور جب وہ باہر آئی تو اس سے کہا "رمیا میرا کھانا تیار ہے۔"

"جی — بی بی جی!"

"ذرا اودیہ بھی لے آنا۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ رمیا نے بھنبھنا کر ناک سکوڑی اور جا کر انجنا کا کھانا پروسنے لگی۔

آدھی رات بیت گئی۔ انجنا بستر پر لیٹی برابر سونے کی کوشش کر رہی تھی لیکن نیند جیسے اس کی آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔ راجیو اُس کے سینے سے لگا سو رہا تھا۔ اس کے گلے میں لٹکی ہوئی سونے کی مالا اُس کی انگلیوں کی گرفت میں تھی جس سے وہ کھیلتے کھیلتے سو گیا تھا۔ وہ آنے والی زندگی کے تصور میں ڈوبی نہ جانے کیا کیا عجیب باتیں سوچے جا رہی تھی۔ آج اُسے اُن اندھیروں سے ڈر نہ لگ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ چند دنوں میں ہی وہ اندھیرے چھٹ جانے والے تھے۔ اور وہ اُجالوں میں نکھر کر کندن بن جانے والی تھی!

اب ان اندھیروں سے کسی کو ڈر لگ رہا تھا، تو شبنم کو۔ جو ہوٹل کے کمرے میں تنہا پڑی تڑپ رہی تھی۔ حرارت تو کم ہو گئی تھی لیکن بدن میں چھپی آگ اُسے بے چین کئے ہوئے تھی۔ کیونکہ بنواری ابھی تک واپس نہ لوٹا تھا دو روز پہلے انہوں نے وہ ہوٹل چھوڑ کر آبادی سے ذرا دور ایک نئے ہوٹل میں جگہ لے لی تھی۔ شبنم کو بنواری کی یہ بات پسند تو نہ آئی تھی۔ لیکن وہ مجبوراً اُس ہوٹل میں اٹھ آئی تھی۔

شبنم اسی بے قراری کی حالت میں اپنے بستر پر اٹھ کھڑی ہوئی اور بتی جلا کر نیند کی گولیوں والی شیشی تلاش کرنے لگی۔ اسی الجھن اور تلملاہٹ میں اس نے کمرے کی کئی اشیا الٹ پلٹ دیں۔ لیکن وہ شیشی نہ ملی۔ وہ جھنجلا اٹھی اور کھڑکی کے پاس رکھی ہوئی صراحی کی طرف بڑھی۔ اُس نے وہ صراحی تھام کر منہ سے لگا لی۔ اپنے سینے کی بھڑکتی آگ کو قدرے کم کرنے کے لیے

غٹا غٹ پانی پینے لگی۔

پانی پیتے پیتے ایکا ایک وہ رک گئی۔ اور اس نے کھڑکی کے پردے کو ہٹا کر تسلی کرنی چاہی کہ جو کچھ اس نے دیکھا تھا صحیح تھا یا دھوکا۔ وہ دھوکا نہیں تھا۔ ہوٹل کے بیرونی حصے میں ہنواری موجود تھا۔ اور باغیچے کی سیڑھیوں پر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چند لمحے تک کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ اور پھر گاؤن کوٹ سے بدن کو ڈھانپ کر باہر نکل گئی۔

ہنواری غمگین اور اکیلا بیٹھا رات کی سیاہی میں گھور رہا تھا۔ شبنم چپکے سے اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ ایک دم لرز گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو شبنم نے کہا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں ــــ" اس نے بے رخی سے جواب دیا۔

"واہ ــــ تمہارے لیے کچھ نہیں ــــ اور وہاں میں گھنٹوں سے تڑپ رہی ہوں۔"

"تڑپ تو میں رہا ہوں ــــ تمہیں کیا غم ہے! ــ جاؤ سو جاؤ۔" اس نے تلخی سے کہا اور سیڑھیوں پر جمی گرد کو انگلیوں سے چھیڑ کر اپنی دلی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔

"لیکن مجھے نیند نہیں آتی ــــ تم جانتے ہو ــ تمہاری شبنم تمہارے بنا ایک پل بھی چین سے نہیں ہو سکتی۔ اُسے نیند کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں۔" وہ اس کی بغل میں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی اور اپنا سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا ــــ ہنواری جیسے اب ان اداؤں سے زیادہ لگاؤ نہ رہا تھا۔ اُسے الگ کرتے ہوئے بولا ــــ

"جاؤ ــ دو چار گولیاں کھا لو۔"

"نہ جانے وہ تھیلی کہاں رکھ دی ہے بہت ڈھونڈا ملتی ہی نہیں۔"

شبنم کے منہ سے نیند کی گولیوں کا ذکر سن کر بنواری کے دل کی دھڑکن ایک پل کے لیے رک سی گئی۔ شبنم نے اپنے بازوؤں کو اس کی گردن کے گرد ڈال دیا۔ اور نازو انداز سے اس پر جھکتی ہوئی بولی —— "آؤ چلو۔ کب تک اس رات کی خاموشی میں بیٹھے رہو گے۔"

بنواری نے ایک ہی جھٹکے سے اُسے الگ کر دیا۔ ایک گہری نظر اس کے جسم پر ڈالی اور بغیر کوئی جواب دیے اپنا کوٹ جسم پر ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شبنم نے اُسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کی پرواہ کیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کی ایسی بے رُخی دیکھ کر شبنم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

بنواری اپنے کمرے میں پہنچا —— اُسے یہ ہوٹل پسند تھا کیونکہ یہ آبادی سے دور تھا۔ اور اکثر ویران رہتا تھا۔ اندر پہنچتے ہی اس کی نظر کمرے میں ادھر اُدھر بکھری ہوئی چیزوں پر پڑی ان بے ترتیب چیزوں کو دیکھ کر وہ شبنم کے دل کی پریشانی کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔

اس نے اپنی پریشانیوں کو کم کرنے کے لیے الماری سے شراب کی بوتل نکالی دو چار گھونٹ بوتل میں بقایا تھے۔ اس نے کارک کھولا اور بوتل کو منہ لگا کر وہ شراب حلق میں اتار لی۔ خالی بوتل کو جوں ہی اس نے ایک طرف پھینکا شبنم اندر داخل ہوئی اور اس کے اس انداز کو دیکھ کر بولی۔۔

"عورت کی زندگی بھی بس اسی بوتل کی طرح ہے۔ بھری تھی۔ تو تمہارے ہونٹوں کے قریب تھی۔ خالی ہوئی تو ایک طرف پھینک دی۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" وہ جھنجلا کر بولا۔ اور اپنے کپڑے اتارنے

کے لیے قمیض کے بٹن کھولے۔

"لیکن اس بوتل کو یوں آسانی سے نہ پھینک سکو گے۔ بنواری!"

"وہ کیوں ۔۔؟"

"اب اس پر تمہارے نام کا لیبل لگ چکا ہے۔"

شبنم کی بات کو بخوبی سمجھتے ہوئے بھی اس نے کوئی جواب نہ دیا، اور وہاں سے ہٹ کر باتھ روم کی طرف جانے کو قدم بڑھائے۔ شبنم نے راستہ روک لیا۔ اور اپنی بانہوں کو دوبارہ اس کے گلے میں ڈال دیا۔ اب وہ اُسے الگ کرنے سے گھبرانے لگا۔ اُسے محسوس ہوا۔ جیسے کسی نے اسے لوہے کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ لیا ہو۔ اور اس میں اب بھاگ جانے کی طاقت نہ رہی ہو۔

"مجھے پریشان نہ کرو ۔۔۔ شبو!"

"میں تو تمہاری پریشانیوں کو بانٹنے آئی ہوں۔ چاہو تو آزما کر دیکھ لو۔ ایک ہی اشارے پر مر مٹوں گی۔"

"سچ ۔۔۔!" بنواری نے اس کے بالوں کو انگلیوں میں الجھا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ شبنم نے آنکھیں جھپکا کر اپنی بات کا اُسے یقین دلایا اس پر بنواری اپنی سنجیدگی کو مسکراہٹ میں بدلتے ہوئے بولا "تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔ مچھلی جال میں پھنس چکی ہے۔"

"کون ۔۔۔ انجو؟"

"ہوں ۔۔۔ چاہوں تو اُس کی تمام جاگیر اپنے قبضے میں کر لوں۔"

"وہ کیسے ۔۔؟"

"آہستہ بولو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں سب کچھ سمجھا دوں گا۔"

"پھر بھی ...." اس کے الفاظ وہیں رک گئے۔ بنواری نے بڑھ کر اس کے منہ کو ہتھیلی سے بند کر دیا۔ اور اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ چپ ہو گئی۔

اور ٹکر ٹکر اسکی طرف دیکھنے لگی۔

"شبنم ـــ" بنواری بولا۔

"ہوں ـــ!"

"بھوک، لگی ہے۔"

"لیکن اس وقت کھانے کو کیا ملے گا"؟

"کوشش کرو ـــ ہوٹل والے تو تمہارے اشاروں پر ناچتے ہیں"۔ اس نے شبنم کے سلگتے ہوئے ہونٹوں پر پیار سے اپنی انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا دی اور شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اچانک اُسے نہ جانے کیا سوجھا کہ اس نے دانتوں سے بنواری کی انگلی کاٹ لی۔ وُہ درد سے کراہ کر رہ گیا۔ شبنم اس کی اس حالت پر بے ساختہ ہنس دی۔ وہ بھیڑیا جو کچھ دیر پہلے اسپر غرا رہا تھا۔ اب پالتو کتے کی طرح دم ہلانے لگا تھا۔ شبنم کو اپنی جیت پر گدگداہٹ سی ہوئی۔ اور وہ اس کے لیے کچھ کھانے کا بندوبست کرنے باہر چلی گئی۔

(۲۱)

انجنا جب مندر سے لوٹی تو سب سے پہلے رتنا سے اس کا سامنا ہوا۔ جو راجیو کو لیے باغیچے کی مخملیں گھاس پہ بیٹھی اُسے گیند کھلا رہی

تھی۔ راجیو نے اُسے دیکھا تو گیند لیے اس کی طرف بھاگا۔ انجنا نے جھک کر اس کے گالوں کا بوسہ لیا اور رمّیا سے بولی۔

"بڑے صاحب — جاگے کیا۔؟"

"ابھی نہیں بی بی جی۔"

انجنا نے مندر کا پرشاد بچے کے منہ کو لگایا اور پھر رمّیا کو دیکھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ راجیو اور رمّیا پھر سے گیند کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔ انجنا جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ آج اسے مندر سے آنے میں دیر ہو گئی تھی۔ کہیں بابو جی اُس پر بگڑ نہ بیٹھیں۔ ابھی تک انہیں صبح کی چائے تک نہیں دی گئی۔ وہ ان سب باتوں کو سوچتی ہوئی رسوئی گھر کی طرف ہو لی۔

صبح کی چائے لیے جب وہ بابو جی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ تو وہ ابھی تک سو رہے تھے۔ کمرے میں پردوں سے چھن چھن کر آتی ہوئی سورج کی کرنوں نے برقی لیمپ کی روشنی کو مدھم کر دیا تھا۔ جو رات سے ابھی تک جل رہا تھا۔

انجنا نے چائے کی کشتی میز پر رکھ دی۔ اور آہستہ سے بولی —

"بابو جی — چائے۔"

وہ خاموش رہے۔ انجنا نے سوچا شاید رات دیر سے سونے کی وجہ سے ابھی تک نیند نہیں کھلی۔ اس نے اپنی بات ذرا بلند آواز سے دہرائی اور کھڑکی تک چلی گئی۔ جوں ہی اُس نے کھڑکیوں کے پردے کھینچے بابو جی کی خاموشی کے احساس سے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ جلدی سے پلٹ کر تپائی کے پاس آ گئی اور ان کے پیالے میں چائے انڈیلنے لگی۔

ایکا یک اس کے ہاتھ کپکپا کر رہ گئے۔ چائے دانی ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ وہ غور سے ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ جو خلاف معمول سپید

اور بے رونق تھا۔ وہ اتنی گہری نیند سو رہے تھے۔ جیسے انہیں یہ نیند مدت کے بعد نصیب ہوئی ہو۔ انجنا کے دل میں کھلبلی سی مچ گئی۔ وہ چلتے چلتے چھوڑ کو ان کے بستر کے قریب چلی آئی۔ اس نے پہلے آہستہ سے اور پھر بلند آواز سے پکارا۔ لیکن وہ جوں کے توں سوتے رہے انجنا اور زیادہ ضبط نہ کر سکی۔ اس کے دل کی "خوفزدہ دھڑکن نے اس کے سانسوں کو اپنے شکنجے میں کس لیا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا ہاتھ ان کے کندھے پر رکھا اور آہستہ سے انہیں جھنجوڑا۔

اس حرکت کے ساتھ ہی ان کی گردن تکیے کا سہارا چھوڑ کر ایک طرف ڈھلک گئی اور "بابوجی" کہہ کر انجنا کے منہ سے ایک گھٹی سی چیخ نکل گئی پھر ایکا ایک وہ چپ ہو گئی۔ اس نے اپنا سانس روک لیا۔ اور غور سے ان کے زرد چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے دیکھ کر اب اسے خوف آنے لگا۔ اس نے تیزی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور گھبراہٹ کے عالم میں کمرے کے اندر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ بابوجی اسے یوں منجدھار میں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

وہ تیزی سے ان کھڑکیوں کی طرف بڑھی۔ جن میں سے اجالے کی کرنیں کمرے میں روشنی بھر رہی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی دو پردے دوبارہ کھینچ دیئے اور کمرے کو اندھیرا کر دیا۔ برقی لیمپ کی دھندلی روشنی پھر ابھر آئی اس نے اس دھندلی روشنی میں بابوجی کی لاش کو دوبارہ دیکھا۔ اور فرط غم سے منہ پھیر لیا پھر اس نے بڑھ کر لیمپ بجھانا چاہا۔ لیکن ہمت نہ ہوئی۔ وہ عجیب کشمکش میں گرفتار رہی بہکی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

بال جی ہردوار میں ہیں۔ کمل بھی نینی تال سے باہر گیا ہوا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں جسے وہ اس دردناک خبر سے آگاہ کر سکے۔ یہ سب کچھ ان کی

عدم موجودگی میں ہوا۔ یہ سوچ کر تو اس کی سانسیں ٹوٹ گئیں۔ کسی نے اگر اس پر شک کر لیا۔ تو وہ ان کو کیا جواب دے گی۔ سینکڑوں باتیں اس کے دماغ میں آئیں اور اس کی نس نس کو جھنجھنا کر چلی گئیں۔ وہ اس صورت حال میں کیا کرے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

اچانک اسے ڈاکٹر کا خیال آیا۔ اس نے لپک کر ٹیلیفون اٹھایا۔ اور نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ ڈاکٹر صاحب۔ بابوجی ....." وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں ہاں۔ کہو! کیا ہوا بابوجی کو۔؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔ وہ ہاتھوں میں ریسیور تھامے چپ کھڑی رہی۔ اس نے سوچا وہ ڈاکٹر کو بلا کر خود ہی اپنی جان پر آفت لانے کا سبب بن رہی ہے۔ "ہیلو۔ ہیلو!" ڈاکٹر برابر ٹیلیفون پر پکار رہا تھا۔ لیکن انجنا اس کا جواب دینے کی ہمت کھو بیٹھی تھی۔ اس نے جھٹ سے ٹیلیفون بند کر دیا۔ اور وحشتناک نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

دور باغیچے میں راجیو ابھی تک کھیل رہا تھا۔ اس کے چہچہانے کی آواز ابھی تک اُن خاموشیوں کو کاٹ رہی تھی جنہوں نے اس وقت انجنا کو گھیر رکھا تھا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اس کی بدنصیبی کے سائے پھر سے اُسے خاک میں ملانے پر تل گئے تھے۔ وہ اسی تذبذب میں گھری دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ اور اپنی بدبختی پر رونے لگی۔

تبھی رمیّا کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ وہ شاید کسی کام سے اُسی جانب بڑھتی آ رہی تھی۔ انجنا کے نیم مُردہ بدن میں برق سی لہرا اٹھی۔ اور

وہ چائے کی کشتی اٹھا کر صدر ہال میں آگئی۔

رمیّا اکیلی نہ تھی۔ اس کے ہمراہ کوئی اور بھی تھا۔ وہ اجنبی تھا جسے آج سے پہلے انجنا نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے آنے والے کو دیکھنے لگی۔

"بابوجی سے ملنے آئے ہیں۔" رمیّا نے کہا۔

"آپ...."

"ان کا دوست ہوں۔ کسی کام سے حاضر ہوا ہوں۔"

انجنا نے ہاتھ کی ٹرے رمیّا کو دے دی۔ اور اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔ وہ ابھی تک آنے والے کو بھانپ رہی تھی۔

"گھر پر تو ہیں ڈپٹی صاحب۔ !" اس نے پوچھا۔

"جی۔ ہیں تو۔ لیکن ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر نے ملنے سے منع کر رکھا ہے۔"

"میں تو ایک بہت ضروری کام سے آیا تھا۔ ذرا انہیں اطلاع تو کر دیجئے۔"

"ابھی ممکن نہ ہوگا۔ وہ سو رہے ہیں۔ جگانا مناسب نہیں۔"

"اوہ۔ کوئی بات نہیں۔ میں ان کے جاگنے تک انتظار کر لوں گا۔" وہ یہ کہتے ہوئے آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی یہ ضد دیکھ کر انجنا کی گھبراہٹ بڑھ گئی۔ پھر بھی اس نے ہمت سے کام لیا۔ اور بولی ۔۔۔

"آپ چائے لیں گے یا کافی۔۔" ؟

"کچھ نہیں۔ شکریہ !"

وہ چپ ہو گئی۔ آنے والا اس کی گھبراہٹ کا اندازہ لگاتا رہا۔ اور کچھ وقفے کے بعد بولا۔

"آپ ان کی بہو ہیں نا ۔۔۔"
"جی ۔۔۔!"
"میں تیواڑی ہوں ۔۔ اُن کا ایک پرانا خادم۔"
"لیکن پہلے تو میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔"
"ہاں ۔ آپ تب آئیں ۔ جب میں لکھنؤ میں تھا ۔ ریلوے پولیس میں ۔۔۔ اب پھر سے مینی تال آ گیا ہوں۔"

پولیس کا نام سنتے ہی اُس کے پاؤں تلے کی زمین سرک گئی ۔ ایک اجنبی اور وہ بھی پولیس والا ۔ ایسے موقع پر تو اس کی زندگی خطرناک سے خطرناک کروٹ لے سکتی ہے ۔ یہ سوچتے ہی وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی ۔

"تو کیا آپ پولیس میں ملازم ہیں؟" اُس نے دل کا خوف کم کرنے کے لیے تصدیق کرنا چاہی ۔

"جی ہاں ۔۔۔ پہلے ریلوے پولیس میں تھا ۔ اور اب سی آئی ڈی ہوں ۔ شیکھر تو بس پانچ چھ برس ہی چھوٹا تھا مجھ سے ۔"

انجنا کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا وہ اُس کی نگاہوں کا زیادہ دیر تک سامنا نہ کر سکی ۔ اور رُخ بدل کر کام میں لگ گئی ۔ وہ صندل کی بے ترتیب چیزوں کو ٹھیک سے رکھنے لگی ۔ وہ وہاں سے چلے جانے کی ہمت نہ رکھتی تھی ۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں دوستی کا دم بھرتے ہوئے سی آئی ڈی انسپکٹر بابوجی کے کمرے میں نہ چلا جائے ۔

"آپ کا نام ۔ پونم ہے نا؟" تیواڑی نے اچانک سوال کر دیا ۔
"جی ۔۔۔!"
"آج ایک انوکھا کیس آیا ہے اپنے پاس ۔"

"کیا کیس ہے ؟"

"کسی نے ڈپٹی صاحب کے گھرانے پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔"

"کون ہے وہ ؟" وہ چونک اٹھی!

تیواڑی نے دیکھا اس کی پیشانی پر گھبراہٹ سے پسینے کے قطرے آجمع ہوئے تھے۔ وہ چند لمحوں تک اس کی اکھڑی اکھڑی نظروں کو بھانپتا رہا۔

"یوں تو اس کیس کا واسطہ آپ سے ہی ہے۔ لیکن ڈپٹی صاحب کی اجازت کے بغیر میں آپ سے کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"ایسی کیا بات ہے۔ پھر بھی ممکن ہے ایسے موقع پر یہ بات ان سے نہ کہی ہو۔ وہ دل کے مریض ہیں۔" رک رک کر انجلا نے کہا۔ "اور پھر آپ جانتے ہی ہیں ایسی ویسی کوئی بات سن کر ان کی بیماری بڑھ بھی سکتی ہے۔"

"گھر پہ ماں جی ہیں کیا ۔۔۔ ؟"

"نہیں ۔۔۔ وہ ہردوار گئی ہوئی ہیں۔ بس ایک دو روز میں آجائیں گی۔"

"اور کوئی ۔۔۔۔۔"

"میں ہوں ۔۔۔ دو تین نوکر ہیں۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ کو میرے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے پولیس سٹیشن چلنا ہوگا۔"

"کیوں ۔۔۔ ؟" وہ چونک اٹھی۔

"ایک عورت کو پہچاننے کے لیے ۔۔۔"

"کون ہے وہ ۔۔۔ ؟"

"وہ اپنے آپ کو اس گھرانے کی بہو بتلاتی ہے ۔۔۔ پونم ۔۔۔ شیکھر کی بیوہ ۔۔۔ اور آپ کے بچے کی ماں۔"

"یہ جھوٹ ہے ــــ" وہ بے ساختہ چلائی۔

"میں کب کہتا ہوں یہ سچ ہے لیکن قانون ہے پولیس کو کبھی کبھی جھوٹے آدمیوں کی بات بھی سننا پڑتی ہے"

"لیکن آپ تو جانتے ہیں ــ بابوجی بیمار ہیں"

"اسی لیے تو ایسا کہہ رہا ہوں وہ چار سوالوں کا جواب دیتے ہی چلی آئیے گی۔ میں نہیں چاہوں گا۔ کہ ڈپٹی صاحب کو ایسی حالت میں تکلیف دی جائے"

"ایسا ممکن نہیں ہے انسپکٹر صاحب ــ کیا یہ سوال جواب ایک دو روز بعد نہیں ہو سکتے ؟" انجنا نے بڑے ملتجیانہ انداز سے کہا۔

انسپکٹر کا دل پگھل گیا۔ اس نے انجنا کی بات مان لی کہ وہ اس کیس کو دو چار روز بعد لے لے گا۔ ممکن ہے تب تک ڈپٹی صاحب بھی تندرست ہو جائیں۔ یہ کہتے ہی وہ جانے کو اٹھا۔ اس کا رویہ دیکھ کر انجنا کی جان میں جان آئی۔ اور وقتی طور پر وہ یہ بھول گئی کہ اس سے کچھ ہی فاصلے پر ڈپٹی صاحب کی لاش پڑی تھی۔

تھوڑی نے آداب کہہ کر باہر جانے کو قدم اٹھائے لیکن فوراً ہی رک گیا اس نے صدر دروازے سے شہر کے مشہور ڈاکٹر ٹنڈن کو اندر آتے دیکھ لیا تھا۔

ڈاکٹر نے اندر آتے ہی انجنا سے پوچھا ــ

"کیوں ــ کیا ہوا بابوجی کو ــ ؟"

"وہ ــ وہ ــ یوں ہی ان کی طبیعت اچانک بگڑ گئی"

"تم نے ٹیلیفون پر بات ادھوری چھوڑ دی ــ میں تو ڈر گیا تھا" ڈاکٹر ٹنڈن نے یہ کہا اور تیزی سے مریض کے کمرے کی جانب بڑھے۔ انجنا جو ایک عجیب مخمصے میں پھنس چکی تھی۔ انہیں روک نہ سکی۔ اس نے اچٹتی نگاہوں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا جس کے باہر کی طرف بڑھتے ہوئے قدم ڈاکٹر کی

بات پر پھر رک گئے تھے۔ انجنا نے رخ بدلا اور انسپکٹر کی مشکوک نگاہوں سے بچتے ہوئے فوراً "وہ ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

ڈاکٹر نندن نے لالہ جگن ناتھ کا معائنہ کرنے سے پہلے انجنا سے کھڑکی کے پردے کھینچنے کو کہا۔ لالہ جی جوں کے توں چت لیٹے تھے ان کے چہرے کی رنگت اور پھٹی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہی ڈاکٹر ٹھٹکا اور پھر ہاتھ میں نبض لیتے ہی وہ کہہ اٹھے!

"ہوں ... یہ تو چل بسے"

"نہیں ..." ایک چیخ نما آواز دیواروں سے ٹکرائی اور اس کی زبان لڑکھڑا کر رہ گئی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں نے انسپکٹر تیواڑی کو ایک بار پھر دیکھا۔ جواب اُسے گہری شک آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کانپ گئی اور رخ بدل کر لالہ جی کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ نے کہا تھا ... ڈیڈی صاحب بیمار ہیں۔" تیواڑی نے اس کی گھبراہٹ کا اندازہ لگاتے ہوئے سوال کیا۔

"جی۔ اسی لیے میں نے ڈاکٹر ..."

"... کو فون کیا۔ اور بات ادھوری رہ گئی۔" تیواڑی نے بات مکمل کی ...

"یس انسپکٹر ... ممکن ہے فون کرتے کرتے ان کی حالت زیادہ بگڑ گئی ہو۔" ڈاکٹر نے مداخلت کی۔

"ہاں ڈاکٹر ... پہلے تو مجھے تشویش نہ ہوا ... اور جب میں آپ کو فون کرنے کے لیے بڑھی۔ تو ان کی پھٹی ہوئی نظریں دیکھ کر گھبرا گئی اور ٹیلیفون میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔"

تیواڑی پر انجنا کی اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا وہ بدستور اس کی بانپتی ہوئی کیفیت کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی خاموشی نے انجنا کے دل کا خوف بڑھا دیا اس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ کیا کرے۔ ڈاکٹر ٹمنڈن نے ذرا رک کر ڈپٹی صاحب کی کھلی پلکوں کو ہاتھوں سے بند کر دیا۔

"ڈاکٹر ۔۔"

"بس ۔۔ انسپکٹر!"

"مہربانی کر کے آپ لوگ اس کمرے سے باہر چلے جائیں۔ پوسٹ مارٹم کے بغیر کسی فیصلے پر پہونچنا ممکن نہ ہوگا۔ اٹ از اے پولیس کیس۔

یہ سنتے ہی دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے اور پھر انجنا ڈاکٹر کے ہمراہ کمرے سے باہر آگئی۔ انسپکٹر تیواڑی نے پولیس چوکی سے ٹیلیفون ملایا۔ اور اس واقعے کی رپورٹ کر دی۔ اس نے داروغہ انچارج سے دو سپاہی بھیجوانے کی درخواست کی۔

تھوڑی دیر میں ہی یہ بات گرد و نواح کے تمام گھروں میں پھیل گئی۔ پولیس چوکی سے نائب انسپکٹر بمعہ دو سپاہیوں کے حاضر ہو گیا تیواڑی نے ڈپٹی صاحب کے کمرے کے باہر پہرہ لگا دیا۔ اور نائب انسپکٹر کو لاش کے پوسٹ مارٹم کے بارے میں ہدایت کر دی گھر کے تمام نوکروں اور دوسرے لوگوں کو اندر آنے کی مناہی کر دی گئی۔

انسپکٹر تیواڑی اپنے کام سے فارغ ہو کر انجنا کے قریب آیا۔ اور اس کے زرد اور مردہ چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مسز تیکھر!"

"جی ۔۔۔" وہ چونکی!

"آپ کو ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا" پولیس سٹیشن۔
"لیکن ...... گھر پر ......" اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔
"میں مجبور ہوں۔ کیس اب اور بھی ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ لیکن آپ گھبرائیے نہیں۔ ضروری پوچھ تاچھ کے بعد آپ کو فوراً واپس بھجوا دیا جائے گا۔"
"لیکن گھر پر کوئی نہیں۔ ماں جی کو خبر کرنی ہوگی"!
"گھبرائیے نہیں سب کام ہو جائے گا۔"
انجنا اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ اور مجبوراً اُسے پولیس انسپکٹر کے ہمراہ جانا پڑا۔ رمیا بھاگ کر اس کا دوشالہ لے آئی۔ انجنا نے اُسے راجیو کو پرے لے جانے کے لیے کہا۔ اور کندھوں پر دوشالہ ڈال کر وہ تیواڑی کے ہمراہ چل پڑی۔
جب وہ پولیس انسپکٹر کی جیپ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئی تو اس وقت اُس پاس کے لوگوں نے پھاٹک کے باہر جمگھٹ لگا دیا تھا جتنی زبانیں اتنی باتیں ـــ ہر کوئی اُس بیوہ کو شک کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
جب وہ انسپکٹر کے ہمراہ پولیس چوکی میں داخل ہوئی تو وہاں وہ عورت موجود تھی۔ جس نے اس گھرانے کی بہو ہونے کا دعوے کیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ حیران رہ گئی۔ اس کے سامنے سفید ساڑھی میں ملبوس شبنم بیٹھی تھی۔ اس کا نام انجنا کی زبان پر آتے آتے رک گیا۔ وہ پولیس چوکی کا ماحول دیکھ کر اور بھی پریشان ہو گئی تھی۔ لہٰذا خاموش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"آپ انہیں جانتی ہیں ـــ کیا؟" تیواڑی نے سوال کیا۔
"نہیں۔"

"ان کا کہنا ہے۔ یہ پونم ہیں۔ ڈپٹی صاحب کی بیوہ بہو۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"تو سچ کیا ہے۔ انجو؟" شبنم نے شوخ ادا سے پوچھا۔

انجنا اس کے سوال پر گھبرا گئی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا کہ پولیس والوں کے سامنے کیا کہے۔ اللہ کیا نہ کہے۔

"انسپکٹر صاحب۔۔۔۔۔ یہ جھوٹ کہہ رہی ہے۔" اپنی تھرتھراتی آواز میں وہ اتنا ہی کہہ سکی اور بڑی بے بس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"آپ نے پہلے کبھی اس عورت کو دیکھا ہے؟" تیواڑی نے پھر سوال کیا۔

"نہیں۔"

"تو پھر یہ آپ کا اصلی نام کیسے جانتی ہے؟"

"میرا نام پونم ہے۔ میں شیکھر کی بیوہ ہوں۔ ڈپٹی صاحب کی بہو۔"

"تو وہ بچہ کس کا ہے۔؟"

تیواڑی کے اس سوال پر وہ لمحہ بھر کے لیے چونکی۔ اور پھر شبنم کی طرف نفرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "وہ میرا بچہ ہے۔ راجیو"

"اس کا کہنا ہے کہ وہ بچہ اس کا ہے تم اس سے چھین کر لے آئی ہو۔"

"نہیں۔ کہا نا۔ انسپکٹر صاحب۔ یہ جھوٹ ہے۔ یہ فریب ہے۔ یہ عورت مکار ہے۔ مجھے کسی جال میں پھنسانا چاہتی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا۔ کہ یہ عورت مکار ہے؟"

انسپکٹر کا یہ سوال سن کر وہ جھینپ گئی۔ اور ایک اچٹتی سی نظر شبنم پر ڈالی جو اس کے جواب کی منتظر تھی۔

انجنا نے جب چند لمحوں کے لیے کوئی جواب نہ دیا۔ تو تیواڑی نے

دوبارہ سوال کیا۔

"ہاں کہو — یہ کون ہے؟ تمہیں سب سے پہلے کہاں ملی — تم سے کیا رشتہ ہے اس کا۔۔۔۔!"

○ اس پر بھی انجنا خاموش رہی اور پھر ایک اور آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"ہاں انجو —! کہہ دونا — تمہیں یہ سب سے پہلے کہاں ملی؟" یہ آواز بنواری کی تھی۔ جو یہ کہتے کہتے اندر آگیا۔ وہ اُسے دیکھ کر پانی پانی ہو گئی۔ بنواری نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"ہاں انجو — کہہ دونا — تمہیں یہ سب سے پہلے کہاں ملی؟"

"انسپکٹر صاحب —" وہ تلملا اٹھی۔

"یس میڈم —"

"یہ کون آدمی ہے — اور اسے یہ پوچھنے کا کیا حق ہے؟"

"یہ ایک سرکاری گواہ ہے۔ پولیس کو سچائی سے آگاہ کرنے والا۔"

"تو پھر اس سے ہی پوچھ لیجئے کہ یہ مکار عورت کون ہے؟" وہ جھنجلا کر بولی۔

"ڈپٹی صاحب کی بہو — اور راجیو کی ماں — بنواری نے تیکھے انداز میں کہا۔

"نہیں — یہ بکواس ہے۔"

"انجو! — میری بات مانو — پولیس والوں سے جھوٹ کہا۔ تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے سچ سچ کہہ دو — کہ تم کون ہو میں کون ہوں — اور اس عورت کا اس خاندان سے کیا رشتہ ہے۔"

انجنا نے نفرت سے بنواری کی طرف دیکھا۔ جو شاید اُسے ان سب کے

سامنے ذلیل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے ماضی کو عریاں کرکے اُس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ وہ ابھی یہ طے نہ کر پائی تھی کہ کیا جواب دے کہ بنواری نے ان لوگوں سے کہنا شروع کر دیا۔

"حضور ــــ اس کا اصلی نام انجنا ہے۔ پونم نہیں۔"

"تم اسے کب سے جانتے ہو؟"

"اپنی بیوی کو جاننے کے لیے کیا وقت کا بیان کرنا ضروری ہے؟"

بیوی کے لفظ پر انجنا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنے کو بڑھی۔ لیکن تیواڑی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارا کر دیا۔

"تو انجنا تمہاری بیوی ہے۔!"

"جی ــــ لیکن کسی بچے کی ماں نہیں۔ میرا اور اس کا اکثر اسی بات پر جھگڑا رہتا تھا ــــ اسے بچوں سے پیار تھا۔ اور میں اُسے دو برس میں بچہ نہ دے سکا۔ ــــ اور اسی لیئے اسے مجھ سے نفرت سی ہو گئی...."

"کیا تم اس عورت کو جانتے ہو؟" تیواڑی نے شبنم کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں ــــ یہ پونم ہے ڈپٹی صاحب کی بیوہ ــــ!"

"تمہیں کیسے پتہ ؟"

"کاشی ایکسپریس میں ہم سب اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ جب اُس گاڑی کا حادثہ ہوا ــــ ہم سب بچھڑ گئے ــــ پونم گھائل ہو گئی۔ اس کا بچہ اس سے الگ ہو گیا۔ میں نے سوچا میری انجو مر گئی۔"

"پھر ــــ؟"

"کچھ مہینوں کے بعد جب میں اس عورت کی مدد کرتا ہوا اسے سسرال تک لایا ــــ تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میری انجو زندہ ہے جہاں مجھے

اس بات کی خوشی ہوئی ۔ کہ میری بیوی اس سنسار میں موجود ہے ۔ وہاں اس بات کا رنج بھی ہوا ۔ کہ وہ اس گھرانے میں پونم بنی دن گذار رہی ہے۔"

"یہ سب جھوٹ ہے ۔ انسپکٹر صاحب سب جھوٹ ہے۔ نہ تو یہ میرا پتی ہے ۔۔۔ اور نہ ہی میں اس کی بیوی ۔۔۔ نہ ہی یہ پونم ہے اور نہ ہی میں اس گھرانے کی بہو ہوں ۔۔۔ پونم مر چکی ہے۔"

"تم پھر تم کون ہو ۔؟"

"انجنا ۔۔۔ اس کی ایک سہیلی۔"

"اور وہ بچہ ۔۔۔!"

"اس کی امانت ہے ۔۔۔ جسے میں نے ماں کا پیار دیا۔"

"او آئی ۔ سی ۔۔۔ تو یہ بات سچ ہے ۔ کہ اس عورت کا اس گھرانے سے کوئی تعلق نہیں ۔ اور اصلی پونم مر چکی ہے۔"

"جی ۔۔۔!"

"اور یہ بھی سچ ہے ۔ کہ تم اصلی بہو نہیں ہو ۔ اور نہ ہی یہ تمہارا پتی ہے ؟"

"جی . . . . ."

"تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں ۔۔۔ مس انجنا دیوی ۔ آپ نے ایسا کیوں کیا ۔؟"

"کیا مطلب . . . . .؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ایک گھرانے کی نقلی بہو بن کر آپ نے ڈپٹی صاحب اور قانون کو دھوکا دینے کی جو کوشش کی ہے تو آخر کس لیے . . . . .؟"

لیکن اس سے پہلے کہ انجنا اس کی بات کا جواب دیتی تیواڑی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"بنواری نے اس دوران میں آپ سے ملنے اور آپ کو سمجھانے کی بارہا کوشش کی ——— لیکن آپ نے اسے ہمیشہ دھکے دلوا کر گھر سے باہر نکال دیا۔ یہاں تک کہ اس پر کتے چھوڑ دیتے ——— اسے پہچاننے سے صاف انکار کر دیا۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ شیکھر کی بیوہ کا روپ بدل کر اس خاندان کی تمام جائداد ہڑپ کرنا چاہتی تھیں۔

"نہیں ——— نہیں ——— نہیں یہ سب جھوٹ ہے ——— میرا کوئی بھی نہیں اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں ——— یہ مکار ہے ——— دھوکے باز ہے ——— جو میری زندگی کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا ہے ——— "

انجنا یہ کہتے کہتے ہانپ گئی۔ اُس کا سانس اکھڑ گیا۔ اور مزید کچھ کہنے سے پہلے وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑی۔

ایک سپاہی نے بڑھ کر اُسے سنبھالا۔ تیواڑی نے شبنم اور بنواری کو ایک طرف کر دیا۔ اور اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ بنواری اور شبنم ذرا الگ ہٹ کر اپنے دل کی گناہ آلود دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگے۔

انجنا کو جب ہوش آیا۔ تو تیواڑی نے سہارا دے کر اُسے کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ ادھ موئی سی حالت میں ان سب کی طرف دیکھنے لگی۔ تیواڑی نے اس موقع پر اور کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور اُسے کچھ دیر وہیں آرام کرنے کی اجازت دے دی۔

"آپ لوگ باہر جا سکتے ہیں۔" تیواڑی نے بنواری اور شبنم کی طرف

دیکھ کر کہا۔ وہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹے تو سنواری نے پوچھا۔!

"تو میں جاؤں۔ حضور ؟"

"نہیں۔ آپ لوگ باہر انتظار کیجئے۔"

دونوں چپ چاپ باہر چلے گئے۔ تیواڑی نے ایک اچٹتی سی نظر انجنا کے چہرے پر ڈالی جو بالکل زرد پڑ چکا تھا نقاہت اور گھبراہٹ سے اس کی پلکیں بوجھل ہو چکی تھیں۔ وہ اسے چھوڑ کر اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ اور دوسری فائیلوں کا مطالعہ کرنے لگا۔

پولیس افسر کی حیثیت سے ابھی تک وہ اس پہیلی کو سلجھا نہ سکا تھا۔ ڈپٹی صاحب کی اصلی بہو مر چکی ہے۔ یہ بات ابھی تک نقلی بہو نے راز میں کیوں رکھی۔ اور کس ارادے سے وہ اس خاندان کی بہو بنی رہی ؟ ان سب باتوں کو سمجھنے کے لیے شاید کافی چھان بین کی ضرورت تھی۔ ممکن ہے۔ ڈپٹی صاحب کی موت کا باعث بھی۔ یہ انجنا ہی ہو!۔

اس خیال کے آتے ہی اس نے انجنا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ گھبراہٹ، نقاہت اور کسی اندرونی درد کی وجہ سے اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔

(۲۲)

کمل اور اس کے پتاجی جب ڈپٹی صاحب کے آخری درشنوں کو پہونچے۔ تو ان کی چتا جل کر راکھ ہو چکی تھی۔ راکھ کے اس ڈھیر کو دیکھتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جس شخص کو کل وہ ہنستا

بوتا حکومت کرتا چھوڑ گئے تھے آج وہ ایک سپنا سا بن کر رہ گیا تھا۔

کمل نے اُن کی بیوی شانتی دیوی کو سہارا دیا اور چتا سے کچھ دور لے گیا۔ اس کے پتا وشنو پرشاد وہیں کھڑے راکھ کے اس ڈھیر کو دیکھتے رہے۔ دوست کی موت نے ان کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہو۔

کمل نے چتا کے گرد کھڑے دوسرے لوگوں کو دیکھا۔ ان میں بنواری اور شبنم بھی تھے جس نے اس گھرانے کی اصلی بہو ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ شبنم جب شانتی دیوی کے قریب گئی تو شانتی دیوی نے نفرت سے منہ موڑ لیا۔ شبنم نے رونی صورت بنا کر پکارا۔ "ماں جی!"

"ہٹ جاؤ میرے سامنے سے ۔ میری کوئی بہو نہیں ۔۔۔ میرا کوئی بیٹا نہیں تم لوگوں نے مل کر میرا سہاگ لوٹ لیا۔"

شبنم ان کا یہ رویہ دیکھ کر ڈر گئی۔ کمل نے اُن سب کو وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ اور ماں کو اپنے پتاجی کے ہمراہ بھجوا دیا۔ سب رشتہ دار اور جان پہچان والے آہستہ آہستہ چلے گئے۔ انسپکٹر تیواڑی بھی اسی ہجوم میں موجود تھا۔ کمل کو دیکھتے ہی اس کے قریب چلا آیا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے کمل! کاش کہ تم۔ یہاں ہوتے۔"

"انسپکٹر ۔۔۔ یہ سب کچھ اتنی جلد ہو جائے گا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا"

"بھگوان کے کاموں میں کس کا دخل ہے ۔۔۔ ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔"

کمل پر اس کی تسلی کا اثر کچھ نہ ہوا۔ اس نے ایک نگاہ چتا کی راکھ پر ڈالی اور دوسری ان لوگوں پر جو پل بھر میں زندگی بھر کے ناتے توڑ کر لالہ جی سے دور چلے جا رہے تھے۔ اُسے اس بات کا شدید غم تھا کہ وہ لالہ جی کے آخری وقت پر ان کے قریب نہ تھا۔

"انسپکٹر ـــ" وہ درد بھری آواز میں بولا۔

"ہاں کمل !"

"کیا یہ سچ ہے ـــ کہ ان کی موت زہر دینے سے ہوئی ہے"۔

"بالکل سچ ڈاکٹر کی رپورٹ یہی بتاتی ہے۔"

"اور کیا یہ بھی سچ ہے کہ اس میں پونم کا ہاتھ ہے"

"بالکل ! اور اب تو وہ یہ بھی قبول کر چکی ہے۔ کہ وہ پونم نہیں انجنا ہے اور بچہ بھی اس کا نہیں ہے"!

"اس دوسری عورت کے بارے میں اس کا کیا کہنا ہے ؟"

"ایک یہی پوائنٹ ہے جہاں وہ سچ نہیں کہہ رہی۔ اس کا بیان ہے۔ کہ اصلی پونم مر چکی ہے ـــ وہ اس کی سہیلی تھی ـــ اور اس عورت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں"!

"اور اس خون کے بارے میں وہ کیا کہتی ہے۔"

"صاف انکار کرتی ہے"

"آپ کی کیا رائے ہے ؟۔"

"دل تو نہیں مانتا ـــ لیکن ثبوت سب اسی کے خلاف جاتے ہیں"

"وہ کیسے ـ ؟"

"نوکرانی کا بیان ـــ اس کا میرے سامنے جھوٹ بولنا ـــ اور یہ

مانتا کہ رات کو سونے سے پہلے اسی نے انہیں دودھ دیا تھا۔"

"اس میں رمیّا کا بھی تو ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"رمیّا۔ اوہ۔ ان کی نوکرانی وہ بھلا کیوں ایسا کرنے لگی۔؟"

"پھر تو آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ پونم —— نہیں انجنا نے ایسا کیوں کیا؟۔"

"ڈپٹی صاحب کی جائیداد کے لیے۔"

"لیکن جائیداد کا وارث تو ان کا پوتا ہے۔"

"جی ہاں لیکن اُن کی وصیت کے مطابق انجنا اس کی نگار جین ہے۔"

"لیکن وہ ایسی نہیں ہو سکتی انسپکٹر۔"

لالچ کبھی کبھی دیوتاؤں کو بھی شیطان بنا دیتا ہے۔"

نیوارڈی کی بات سن کر کمل چپ ہو گیا۔ وہ پولیس والوں سے بحث تو نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کا دل ابھی تک یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ وہ ایسے مہربان آدمی کا خون کر سکتی ہے۔ جس نے اسے باپ کا پیار دیا۔ اُسے بیوہ سمجھ کر اس کی خوشیوں کو لوٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ عزت دی۔ مرتبہ دیا۔

انسپکٹر جب الوداعی سلام کر کے جانے لگا تو کمل نے اُسے روک لیا اور پوچھا ——

"تو اب کیا فیصلہ ہو رہا ہے —— اس کی تقدیر کا۔"

"بات گھر کی بہو تک رہتی —— تو میں ہی نپٹ لیتا۔ لیکن اس خون کے بعد تو یہ کیس سیشن میں ہی چل سکتا ہے۔"

"انسپکٹر ——"

"ہوں — !"

"کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک بار میں اس سے مل سکوں ؟"

"کیوں نہیں —— تم چاہو — تو ابھی میرے ساتھ چل سکتے ہو۔"

کمل نے تشکر آمیز نظروں سے تیواڑی کی طرف دیکھا۔ اور اس کے ہمراہ ہو لیا۔

انجنا حوالات کی کوٹھڑی میں تنہا بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں کا پانی مر چکا تھا لیکن دل ابھی تک رو رہا تھا۔ اس نے اپنے محسن اس دیوتا کے آخری درشنوں کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن اِس کلنک کے بعد وہ لوگوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔

اس وقت شام ڈھل رہی تھی اور جوں جوں اس کال کوٹھڑی کی دیواروں سے سیاہی کی چادر پھیلتی ہوئی اس کے قریب آ رہی تھی۔ اس کا دل خوف سے گھٹا جا رہا تھا۔

اچانک قدموں کی آہٹ سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ کوئی اس کال کوٹھڑی کی جانب بڑھا آ رہا تھا۔ شام کے دھندلکے میں اس کی نگاہیں اُن دیواروں سے ہٹ کر آہنی سلاخوں سے ٹکرائیں۔ جہاں ابھی ابھی کوئی آ کر رکا تھا —

چھت کی مدھم بتی روشن ہوئی اور اس نے کمل کو وہاں کھڑا دیکھا کمل گہری نظروں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ خاموش تھا لیکن انجنا کے ہونٹوں کی تھرتھراہٹ اُسے بے بسی کا افسانہ سنا رہی تھی کمل دو قدم آگے بڑھا اور جیل کی سلاخوں کو پکڑتے ہوئے بولا —

"زندگی دو دن میں ہی اتنی بدل جائے گی — وشواش نہیں ہوتا۔"

"میں نردوش ہوں — کمل ۔"

"ہاں دوش تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے تمہیں اپنی بہو مان لیا۔ اور میں بھی تو تمہیں پونم ہی سمجھتا رہا ۔"

کمل کی طنزیہ بات سن کر جیسے اس کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ لیکن جیسے تیسے جبر کرکے وہ چپ چاپ کھڑی رہی۔

"اتنا بڑا دھوکا ! آخر تمہیں — یہ ناٹک کھیلنے کی ضرورت کیا تھی؟"

"میری مجبوری — !"

"ایسی مجبوری ! جس نے ایک شریف انسان کو زہر دے کر موت کی نیند سلا دیا۔"

"نہیں — نہیں — کمل ! مجھ پر وشواش کرو زہر میں نے نہیں دیا۔"

"تو اور کس نے دیا؟"

"میں کچھ نہیں جانتی — بس اتنا جانتی ہوں کہ یہ پاپ میں نے نہیں کیا —"

"پاپ اور پن کا فاصلہ تو تم نے اُسی دِن ختم کر دیا۔ جب تم اس گھرانے میں، بہروپ بدل کر داخل ہوئیں تھیں —"

"وہ تو ایک وچن تھا — جو میں نبھا رہی تھی —"

"جھوٹ اور فریب کا سہارا لے کر —" وہ غصے سے جھنجلا کر بولا۔

"ہاں —"

"کیوں — ؟"

"میں اپنے ماضی کو ہمیشہ کے لیے مٹا ڈالنا چاہتی تھی —" یہ کہتے کہتے

اس نے رُخ بدلا اور ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک بار تو جی میں آئی۔ کہ اپنی زندگی کا راز اس پر عیاں کر دے ــــ لیکن کمل کی آنکھوں میں نفرت کے شرارے دیکھ کر اس میں جرارت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ یہ بھی وہ نہ چاہتی تھی۔ کہ کل جس کے خیال سے محض اسے شدید نفرت تھی ــــ آج اس کا وجود دیکھ کر کہیں اُس کی زندگی کوئی بھیانک کروٹ نہ لے ڈالے۔

وہ ابھی تک اُسے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اور اب شاید اس کے ماضی کو جاننے کے لیے بیقرار ہو گیا تھا ــــ وہ بنواری اور اس کے رشتہ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس کے سوالات سے ڈر رہی تھی ــــ اس سے پہلے کہ وہ غلیظ اور گناہ آلود سوالات کی بوچھاڑ کر دے وہ خود ہی اُس سے کہنے لگی ــــ

"کمل! جس کنول کو پانے کے لیے میں دن رات کیچڑ میں لتھڑتی رہی۔ جب وہ میرے قریب آیا ــــ تو لہروں کے ریلے نے اُسے پھر مجھ سے دور کر دیا ــــ اب تو دل کے سارے کنول بجھ گئے ہیں ــــ ساری امیدیں ٹوٹ چکی ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ میں تمہیں ہمیشہ کے لیے کھو چکی ہوں ــــ ...." یہ کہتے کہتے اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ اور اس کی آنکھوں سے پانی برسنے لگا۔

"انجنا" ــــ کمل نے آہنی سلاخوں کا سہارا چھوڑ دیا۔ اور اس کی برستی آنکھوں میں نفرت سے جھانک کر بولا ــــ

"کبھی عورت کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو تاج محل بن جاتا ہے ــــ اور کبھی دریا بھی بہہ جائیں تو کچھ اثر نہیں ہوتا۔"

کمل نے بے رُخی سے اپنے کندھے کو جھٹکا اور منہ موڑ کر جانے لگا۔

تبھی انجنا نے اسے پکارا اور وہ رک گیا۔

"کیا ابھی کچھ اور کہنے کو باقی ہے؟" کمل نے غصے سے پوچھا!

"بس ایک بھیک مانگنا چاہتی ہوں ___ وچن دو کہ۔ نراش نہ کرو گے"

"کیا کہنا ہے ___ تمہیں ___؟"

"بابو جی کو میں نے زہر نہیں دیا ___ یہ کلنک جو مجھ پر لگا ہے اسے کسی طرح مٹا دو ___

"میں بد نصیب ضرور ہوں ___ لیکن عورت ذات پر کلنک نہیں ہوں"!

کمل نے ترچھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور بنا کچھ جواب دیئے وہاں سے چل دیا ___ اور انجنا ایک زخمی ہرنی کی طرح ان آہنی سلاخوں سے ٹکرا کر رہ گئی۔

کمل جب کوٹھی پر پہونچا ___ تو شام گہری ہو چکی تھی۔ اس کے پتا اور شانتی دیوی لالہ جی کے غم میں ڈوبے اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ رتیا راجیو کو لیئے بیرونی برآمدے میں کھڑی تھی۔ جو بار بار ایک ہی رٹ لگائے جا رہا تھا کہ "ممی کہاں ہے۔" کمل کو جب ماں جی نے یہ بتایا۔ کہ راجیو صبح سے بھوکا ہے۔ اور اس نے دودھ پینے سے انکار کر دیا ہے۔ تو اس کے دل کو ٹھیس لگی۔ اور تو کچھ نہ سوجھا، بس رتیا سے راجیو کو باغیچے میں لے جانے کے لیے کہہ دیا۔

"ملاقات ہوئی کیا ___؟" وشنو پرشاد نے اچانک سوال کر دیا۔ کمل نے سر اٹھا کر پہلے ان کی طرف دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا کہتی تھی۔؟"

"بس ایک ہی رٹ لگا رہی تھی کہ میں نے یہ پاپ نہیں کیا۔ میرے ماتھے سے یہ کلنک مٹا دو۔"

"تم نے کچھ سوچا اس بارے میں۔"

"نہیں — اور سوچا بھی کیا جا سکتا ہے۔ سارے ثبوت اس کے خلاف جاتے ہیں۔ سچائی کو اس نے خود جھوٹ کے پردے میں چھپا کر اپنے آپ کو گناہ گار ثابت کر دیا ہے۔"

"لیکن ہمیں سب سوچنا ہی ہوگا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی — وہ بے قصور ہے۔"

"یہ ایکا ایک آپ کو اس سے ہمدردی کیوں ہونے لگی؟" کمل نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس لیے کہ وہ ہمارے گھرانے کی عزت ہے۔"

باپ کی یہ بات سن کر بیٹے نے اور بھی تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ پھر بولے۔

"یہ بھول جاؤ کہ اس نے کیا کیا؟ — یہ سوچو کہ اس نے کیا نہیں کیا تمہیں پانے کے لیے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہ راز — جو ڈپٹی صاحب نے چند روز پہلے مجھے بتایا تھا۔ انجانے ہی لڑکی ہے کمل! جو کبھی میری بہو بننے والی تھی۔ جسے بیاہ کر تو اپنے گھر لانے والا تھا۔ جس کے چلے جانے سے ہماری رسوائی ہوئی تھی۔"

"یہ سن کر جیسے کمل کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ انہوں نے بیٹے کو

دوبارہ یقین دلایا کہ وہ سب کچھ جانتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اُسے بہو بنانا منظور کر لیا تھا۔ ڈپٹی صاحب نے اُسے دوبارہ بسانے کا بچن دے رکھا تھا۔"

ہونی کا یہ انوکھا کھیل کچھ دیر کے لیے کمل کی سمجھ میں نہ آیا۔

وشنو پرشاد نے جب بیٹے کو الجھن میں پڑے دیکھا تو اس کے شبہ کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے اپرنا کا وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا۔ جو کبھی اس نے کمل کو لکھا تھا۔ کمل پریشان نگاہوں سے وہ خط پڑھنے لگا اور پھر رفتہ رفتہ اپرنا کی تمام زندگی اس پر عیاں ہو گئی خط پڑھ کر وہ عجیب بہکی بہکی نظروں سے اپرنا اور شانتی دیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں کمل — یہ سب کچھ اس نے تمہیں لکھ دیا تھا۔ لیکن خط ڈپٹی صاحب کے ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے اسے تم تک نہ پہنچنے دیا۔"

"کیوں —"

"کہیں حقیقت جان کر تم اس کی کٹھن تپسیا کو نہ ٹھکرا دو۔ یہ عبادت تھی اس کی تمہیں پانے کے لیے۔"

کمل خط کو دوبارہ پڑھنے لگا۔ اور وشنو پرشاد اسے یقین دلانے لگے کہ وہ لڑکی کل کی بھول سنوارنے کے لیے آج کا گناہ نہیں کر سکتی۔ شانتی دیوی نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہا کہ اس خط کی بنیاد پر اس بیچاری کی مدد کی جائے۔ اسے بنواری اور اس عورت کے چنگل سے چھٹکارا ملنا ہی چاہئے۔ اور پھر اگر یہ ثابت نہ ہو سکا کہ ان کی بہو مر چکی ہے — تو وہ عورت اس گھر کی ساری جائیداد کی مالک بن بیٹھے گی۔

کمل کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ اس نے خط کو مٹھی میں بھینچ لیا اور ایک

طرف پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ انجنا کے کہے ہوئے الفاظ بار بار اس کے کانوں سے ٹکرانے لگے۔

"بابوجی کو زہر میں نے نہیں دیا ـــ یہ کلنک جو مجھ پر لگا ہے اسے کسی طرح مٹا دو ـــ یہ کلنک جو مجھ پر لگا ہے اسے کسی طرح مٹا دو ـــ"

اچانک راجیو نے اس کے یہ خیالات منتشر کر دیے وہ بھاگتا ہوا اندر آیا اور سیدھا اس کی گود میں جا چھپا۔ شاید رمیّا اور وہ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ رمیّا بھی بھاگی بھاگی اندر آئی اور پھر ٹھٹھک کر بولی ـــ

"بابوجی ـــ بابوجی ـــ اس کے ہاتھوں سے لے لیجئے ـــ"

"کیا ـــ؟"

"وہ کانچ کی شیشی منہ میں لگ جائے گی۔"

کمل نے پیار سے راجیو کو اپنے بس میں کیا۔ اور اس کی گرفت سے کانچ کی وہ شیشی لے لی جس سے وہ کھیل رہا تھا۔ یہ وہی شیشی تھی جو بنواری نے گولیاں دودھ میں ملانے کے بعد کھڑکی سے باہر پھینک دی تھی۔ اُسے ہاتھ میں لے کر کمل کو کچھ شبہ ہوا ـــ اور وہ اس پر لگے ہوئے لیبل کی عبارت کو غور سے پڑھنے لگا۔ پھر ترچھی نگاہوں سے رمیّا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملی ـــ؟"

"رسوئی گھر کے باہر ـــ"

"کون لایا تھا اسے ـــ؟ اس میں کیا تھا۔؟"

"میں کیا جانوں، بابوجی"

"رمیّا! جب چھوٹی مالکن رسوئی گھر سے دودھ لے کر نکلی تھی ـــ تو یہ شیشی کہاں تھی ـــ؟"

"مجھے نہیں معلوم بابوجی۔ لیکن دودھ تو میں لائی تھی رسوئی گھر سے۔"
"تو بابوجی کو دودھ کس نے دیا تھا"
"بی بی جی نے ۔"
"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تم رسوئی گھر سے دودھ لے کر گئیں تو دودھ لے جانے سے پہلے تم نے اس شیشی کا زہر دودھ میں ملا دیا۔"
"نہیں — بابوجی — نہیں — میں نے تو اسے دیکھا تک نہیں۔ رام قسم میں نے ایسا نہیں کیا ہے ؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔
"دوسرا کون تھا — تمہارے پاس . . . ."
"بنواری —" وہ اسی بوکھلاہٹ میں کہہ گئی۔
کمل نے اس کی کانپتی ہوئی آواز کو محسوس کیا۔ اور بنواری کا نام سنتے ہی چپ ہو گیا۔ اس کے پتاجی اور شانتی دیوی بھی اس کے قریب چلے آئے۔
"وہ یہاں کیا کر رہا تھا — ؟ اب کے وشنو پرشاد نے سوال کیا
"جی — جی — وہ میرے لیے بھائی چھریا لے کر آیا تھا بس اور — تو تم لوگوں کی پرانی پہچان ہے۔"
"نہیں بابوجی — وہ تو بی بی جی کے درشنوں کو آتا تھا"
"بکواس بند کرو — سچ سچ بتاؤ — یہ دوا اس دودھ میں کس نے ملائی تھی؟" کمل نے رمیا کو چوٹی سے پکڑ لیا۔ اور اسے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ وہ چلانے لگی کہ اس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں۔ اور پھر وہ قسمیں کھانے لگی — کمل نے ناامید ہو کر اسے چھوڑ دیا۔ اور وہ راجیو کو لے کر باہر چلی گئی۔

"اس میں ضرور نبواری کا ہاتھ ہے کمل!" وشنو پرشاد نے کہا
"ہاں بیٹے — اگر وہ نردوش بچ سکتی ہے — تو تمہارا یہ اپکار میں کبھی نہ بھولوں گی —" شانتی دیوی نے گڑگڑا کر کہا —
کمل نے جو ابھی تک کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان کی طرف خاموش نگاہوں سے دیکھا پھر اس نے احتیاط سے وہ شیشی اپنے کوٹ کے جیب میں رکھ لی اور باہر نکل گیا۔ وشنو پرشاد اور شانتی دیوی اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔

کمل وہاں سے سیدھا راکیش کی دکان پر پہنچا — وہ کاؤنٹر پر کھڑا کسی گاہک کو دوائیاں دے رہا تھا۔ کمل نے اسے "ہیلو" کہا اور دوسرے کونے میں جا کھڑا ہوا۔ راکیش گاہک سے فارغ ہوتے ہی کمل کے پاس آ گیا اور مسکرا کر بولا —
"آج کیسے راستہ بھول پڑے —؟"
"ایک دوا کی ضرورت تھی —" اس نے وہ شیشی جیب سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔
راکیش نے لیبل پڑھتے ہی کہا۔
"یہ تو نیند کے لیے ہے"۔
"ہاں دوست آج کل نیند نہیں آتی۔"
"لیکن یہ دوا تو ڈاکٹر کے نسخے کے بغیر نہیں دی جا سکتی۔"
"ارے ایسا بھی کیا — میں کوئی اجنبی تو نہیں ہوں۔"
"لیکن دوستی کے لیے قانون کیسے توڑا جا سکتا ہے۔ یہ دوا کوئی

عام نہیں ہے۔ ڈاکٹری نسخہ کے بغیر بیچنا جرم ہے۔"

"کیا اس دوا سے کسی کی موت بھی ہو سکتی ہے۔۔؟"

"کیوں نہیں ۔۔۔ اگر کوئی دس بارہ گولیاں ایک ساتھ لے لے۔ لیکن۔۔۔۔"

"ایک بات سنو راکیش۔"

"کیا ۔۔۔؟"

"ڈپٹی صاحب کی موت انہیں گولیوں سے ہوئی ہے۔"

"اوہ! تو کیا یہ بھی سچ ہے کہ یہ کام ان کی بہو نے کیا ہے؟"

"ہاں ۔۔ اور وہ واقعی انجو ہی تھی۔ تمہاری کلاس فیلو۔ جسے تم اس روز پہچان گئے تھے۔ لیکن وہ گول کر گئی تھی۔"

"واہ بھی کیوں ۔۔۔ آج تک دھوکا نہیں کھایا۔ یار نے ۔۔۔ کہاں ہے وہ؟"

"پولیس کی حراست میں ۔۔۔"

"کیوں ۔۔۔۔ ہ کالج کے دنوں میں تو وہ بڑی سیدھی سادھی لڑکی تھی۔"

یہ کہنے کے بعد وہ اندر سے کالج کا گروپ فوٹو نکال لایا۔ اور اس میں کھڑی وہ لڑکی دکھلانے لگا۔ جو دو برس پہلے کی انجنا تھی۔ کمل نے غور سے اس گروپ فوٹو کو دیکھا ۔۔۔ اور سبھی چہروں پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

"پونم نام کی کوئی لڑکی بھی پڑھتی تھی تمہارے ساتھ ۔۔۔؟"

"نہیں ۔۔۔ وہ ہم سے ایک برس جونیر تھی ۔۔۔ لیکن شادی کے بعد اس نے کالج چھوڑ دیا تھا۔"

لمحہ بھر کے لیے کمل خاموش رہا۔ پھر گروپ فوٹو کی طرف دیکھ بولا ـــــ

"تم نے کالج کب چھوڑا؟"

"تھرڈ ایئر میں ـــــ بی اے نہ کر سکا"

"اور انجنا ـــــ"

"وہ تو کالج کی ہونہار لڑکیوں میں سے تھی ـــــ اور شاید بی اے کیا تھا۔ اس لئے؟" کمل نے فوراً بات کا رخ بدل دیا اور گولیوں کی خالی شیشی کو ہاتھ میں نچاتے ہوئے بولا ـــــ "ہاں تو راکیش ـــــ ڈپٹی صاحب کی موت انہیں گولیوں سے ہوئی ہے۔"

"تو کیا اب تمہارا ارادہ ہے ـــــ میرا مطلب ہے یہ گولیاں کھانے کا!"

"نہیں ـــــ میں تو یہ جاننے کے لیے یہاں آیا ہوں کہ اگر یہ دوا نسخے کے بغیر نہیں مل سکتی تو انجنا اسے تمہاری دکان سے کیسے لے گئی۔؟"

"کون کہتا ہے کہ وہ لے گئی۔ اسے تو میری دکان کی شکل دیکھے بھی ایک مہینہ ہو گیا ہے۔"

"تو پھر کون لے جا سکتا ہے؟"

"کوئی بھی ـــــ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ شیشی دیکھ کر میں گاہک کو پہچان جاؤں۔"

"لیکن اپنے ریکارڈ سے نسخہ تو نکال سکتے ہو تم ـــــ"

اس سے کیا ہوگا؟"

"شاید ایک بے گناہ کی زندگی بچ جائے۔"

"یعنی انجو کی ـــــ وہ بے گناہ ہے کیا ـــــ؟"

"ہاں ـــــ اگر تم ثابت کردو کہ دوا کی یہ شیشی تم سے کون لے گیا تھا۔

"لیکن تاریخ — دن..."

"یہی کوئی آٹھ دس دن پہلے۔"

راکیش نے جھٹ سے ریکارڈ کی فائیل اٹھائی اور اس میں سے نسخے چھانٹنے لگا۔ یہ دوا کم بکتی تھی۔ اس لیے نسخہ ڈھونڈنے میں دیر نہ لگی۔ کچھ روز پہلے کا نسخہ اُس کے ہاتھ میں آگیا۔ جسے فوراً کمل نے اُس سے جھپٹ لیا۔ اور غور سے پڑھنے لگا۔ نسخہ شبنم کے نام کا تھا۔ اور اسے ڈاکٹر کاشی ناتھ نے لکھا تھا۔ کمل نے ڈاکٹر کاشی ناتھ کا پتہ پڑھا — اور وہ نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہا — راکیش نے منع کرتے ہوئے کہا —

"کمل — تم صرف پتہ نوٹ کر لو۔ نسخہ دے دو تاکہ ڈاکٹر گواہ بننے سے انکار نہ کر دے۔"

راکیش کی بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے نسخہ لوٹا دیا اور اس سے اجازت لے کر اپنی مہم پر نکل کھڑا ہوا۔

وہاں سے سیدھا وہ ڈاکٹر کاشی ناتھ کے ہاں گیا۔ جو شہر کی گنجان اور پرانی آبادی میں رہتا تھا۔ چھوٹی گلیاں عبور کرتا ہوا وہ اس کے مکان تک جا پہنچا۔ ڈھلان سے اوپر جاتے ہی گلی کی نکڑ میں اس کا دواخانہ تھا۔ وہ اس کے باہر رک گیا اور غور سے اس تختی کو پڑھنے لگا جس پر ڈاکٹر کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے شام کے اندھیرے میں اس زینے کو دیکھا جو مکان کی پہلی منزل تک جاتا تھا۔ ڈاکٹر کاشی ناتھ کا دواخانہ اسی منزل پر تھا۔ وہ وہاں گلی کے نکڑ میں کھڑا دل ہی دل میں کوئی بہانہ سوچنے لگا جس سے مشورے کے لیے اوپر جا سکے۔

معاً گلی کی ڈھلان پر ایک سٹریٹ لیمپ کے سہارے ہنواری کو

کھڑا دیکھ کر وہ چونک گیا اور پھر جلدی سے اس نے اپنے آپ کو اندھیرے میں چھپا لیا۔ بنواری بے چینی سے کسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اور اسی بے قراری میں سگریٹ پر سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔ اور بار بار اسی طرف دیکھ رہا تھا جدھر کمل چھپا کھڑا تھا۔

اچانک بنواری دواخانے کے زینے کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس نے ہونٹوں میں دبائے ہوئے سگریٹ کو ایک نالی میں پھینک دیا۔ اور اپنی بے چینیوں کو سمیٹے اس زینے تک چلا آیا جس سے شبنم نیچے آ رہی تھی۔ کمل اور بھی سمٹ کر کھڑا ہو گیا اور ان دونوں کی طرف گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔ جو کسی نامعلوم پریشانی میں مبتلا تھے۔

"کیوں — کیا ہوا —" بنواری نے قریب آتے ہی پوچھا۔

"ڈاکٹر نے انکار کر دیا ہے"۔

"لیکن تم نے....."

"سب کچھ کہا — لیکن وہ پیسے کے لیے اپنے اصول توڑنے کو تیار نہیں۔"

شبنم نے سنجیدگی سے کہا اور گلی کی پتھریلی ڈھلان پر بڑھنے لگی۔ شبنم کی یہ بات سن کر بنواری کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ غصے میں بڑبڑاتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

کمل اندھیرے کونے سے باہر نکلا اور زینے کے پاس کھڑے ہو کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا جو ایک دوسرے کے لیے اجنبی سے بنے ہوئے تیز تیز قدموں سے ڈھلان پر چلے جا رہے تھے۔ ان کی بات چیت نے کمل کو شبہ میں ڈال دیا تھا۔ وہ دیر تک کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ تو اس نے بھی رخ بدلا اور کچھ سوچ کر

زینہ چڑھ گیا۔

ڈاکٹر کاشی ناتھ دوخانہ بند کرنے جا رہا تھا کہ نو وارد کو اندر آتے دیکھ کر رک گیا۔ "آئیے آئیے" اس نے کہا۔

کمل نے ایک کرسی کا سہارا لیتے ہوئے کہا ڈاکٹر۔

"آئی نیڈ یور ہیلپ" (مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے)

"یس! وٹ آئی کین ڈو فار یو" (فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟)

"مجھے ایک نسخہ چاہئے ــــ ان گولیوں کے لیے ــــ" اس نے جیب میں سے وہ خالی شیشی نکال کر دکھائی۔ "یہ تو نیند کے لیے ہیں"

"جی ہاں ــــ آج کل مجھے نیند نہیں آتی ــــ"

"لیکن یہ گولیاں لینا کوئی اچھی عادت نہیں ہے ــــ اور پھر جب تک میں آپ کا بلڈ ٹیسٹ نہ لے لوں ــــ یہ گولیاں نہیں دی جا سکتیں"

"کیا ان کے استعمال میں کوئی خطرہ ہے؟"

"خطرہ ہی نہیں ــــ زندگی کا خطرہ ہے ــــ اگر آٹھ دس اکٹھی لے لی جائیں۔ تو آدمی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے"

"آپ نے ٹھیک کہا ڈاکٹر ــــ ڈپٹی صاحب کی موت انہیں گولیوں سے ہوئی ہے۔"

"کیا ــــ لالہ جگن ناتھ کی ــــ؟"

"جی ــــ اور یہ وہی شیشی ہے جو ان کے گھر میں پائی گئی ہے۔"

"لیکن آپ ــــ" ڈاکٹر نے مشکوک نظروں سے کمل کی طرف دیکھا۔

"گھبرائیے نہیں ــــ میں کوئی پولیس کا آدمی نہیں ہوں اسی علاقے

"کا ایک فارسٹ آفیسر ہوں — کمل نام ہے میرا۔"

"لیکن اس سلسلے میں میں کیا کر سکتا ہوں —؟"

"میری مدد —"

"وہ کیسے......؟"

"یہ بتا کر کہ شبنم کون ہے.....؟"

"شبنم....." ڈاکٹر الجھن میں پڑ گیا۔

"وہ عورت — جو ابھی ابھی آپ کے دواخانہ سے گئی ہے۔"

"میرے لیے تو وہ بس ایک مریضہ ہے۔"

"کیسی مریضہ میرا مطلب ہے کیا بیماری ہے اُسے؟"

"SORRY — میں ایک ڈاکٹر ہوں — اور کسی مریض کے بارے میں اس طرح کی باتیں بتانا مناسب نہیں سمجھتا!۔"

"ٹھیک ہے لیکن یہ بھی سوچئے کہ آپ کی تھوڑی سی مدد کسی کو پھانسی کے پھندے سے چھڑا سکتی ہے۔"

"لیکن اس کی بیماری سے ڈپٹی صاحب کی موت کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے — کیونکہ اسی دوا سے ان کی موت ہوئی ہے جسے آپ نے اس مریضہ کے لیے تجویز کیا تھا۔ اور جسے بارہ ستمبر کو آپ کے نسخے پر نیشنل میڈیکل سٹورز سے خریدا گیا۔ اسی شیشی کا نمبر اُس نسخے پر درج ہے۔"

ڈاکٹر کاشی ناتھ خاموش ہو گیا اور بڑے غور سے کمل کے چہرے کو پڑھنے لگا۔ جو حقیقت جاننے کے لیے بیقرار تھا اور سی آئی ڈی افسر

کی طرح پوچھ تاچھ کر رکھ رہا تھا۔ جب ڈاکٹر کافی دیر تک کچھ نہ بولا تو کمل نے اسے انجنا کی گرفتاری کی پوری روئیداد سنائی۔ اور جیسے ہی اس نے جذبات میں بہہ کر انجنا کی زندگی کی بھیک مانگی اور یہ بتایا کہ اب شبنم اس گھرانے کی بیوہ بہو ہونے کا دعوہ کر رہی ہے۔ ڈاکٹر سٹ پٹا گیا۔ اور چلا کر بولا۔

"نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"کیوں ـــ؟ کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"میرا مطلب ہے وہ.... وہ اس گھرانے کی بیوہ بہو کیسے ہو سکتی ہے!"

"یہی تو مجھے ثابت کرنا ہے کہ وہ ان کے بیٹے کی بیوہ نہیں ہے۔ وہ تو ایک برس پہلے گاڑی کے حادثہ میں مر چکی ہے۔"

"OH I SEE ـــ پھر تو یہ کام بہت ہی آسان ہے۔"

"کیسے ـــ؟"

"لیکن مسٹر کمل کہیں ایسا تو نہیں ہوگا! کہ آپ کی مدد کرتے کرتے میں چکر میں پھنس جاؤں ـــ"

"ہرگز نہیں ـــ یہ تو ایک انسانی فرض ہے۔"

"اس عورت کا ڈپٹی صاحب کی موت سے کیا تعلق ہے یہ تو میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں وہ بیوہ نہیں ہے۔"

"وہ کیسے ـــ؟"

"وہ ماں بننے والی ہے ـــ"

"ڈاکٹر...." وہ یہ سن کر ایک دم چونک اٹھا اور پھر ڈاکٹر کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا ـــ

"وہ شاید اسی لیے یہاں آئی تھی۔"

"علاج کے لیے نہیں ۔۔۔ بلکہ اُس بچے کو ختم کرنے کے لیے۔"

"لیکن آپ نے یہ پاپ کرنے سے انکار کر دیا۔"

"یس ۔۔۔ یو آر رائٹ" ہاں آپ ٹھیک سمجھے۔ "لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ ؟"

"آپ کی شرافت کا اندازہ لگا کر۔" کمل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اور نمستے کر کے باہر جانے لگا ۔۔۔ پھر جاتے جاتے رک کر بولا۔ "ڈاکٹر ۔۔۔!" ڈاکٹر نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ کو یہی بات پولیس والوں سے کہنی پڑی ۔۔۔ تو کیا آپ کہہ دیں گے ؟"

"کیوں نہیں ۔۔۔ یہ تو میرا فرض ہے۔"

ڈاکٹر کی بات سن کر کمل کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ اور وہ احترام سے سر جھکا کر دواخانے سے باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر کاشی ناتھ نے بڑھ کر اُس کھڑکی کا سہارا لیا جو گلی کی طرف کھلتی تھی۔ کواڑ بند کرنے سے پہلے اس نے دیکھا کمل دوڑتا ہوا ڈھلان اتر رہا تھا۔

(۲۳)

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ لیکن شبنم اور بنواری کی آنکھوں میں نیند نہیں آرہی تھی۔ بنواری آج بے تحاشا شراب

پی رہا تھا۔ اور وہ ساقی بنی اسے جام پر جام دے رہی تھی۔ بنواری نے کبھی اس کو بھی پلانا چاہی لیکن وہ برابر انکار کرتی رہی۔

"ڈرتی ہو کیا۔۔؟" بنواری نے ہچکی لی اور اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلی پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو۔۔ ڈر کس بات کا؟"

"کہیں پی لی تو کوئی نقصان نہ پہونچ جائے، بنواری نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔۔

"ارے نہیں ۔۔۔ ڈر تو بس ایک بات کا ہے کہ کہیں تم دغا نہ دے جاؤ۔۔"

"وہ کیوں ۔۔؟"

"پولیس والوں کے سامنے انجو کو اپنی بیوی جو مان لیا ہے تم نے۔"

"رہی نا اناڑی کی اناڑی۔۔ ارے مانا ہی تو ہے۔۔ بیاہ تھوڑے رچا لیا ہے۔ بلکہ یہ کہو کہ میں نے ایک تیر سے دو نشانے باندھ لئے ہیں۔"

"وہ کیسے۔؟"

"جسے بیوی مانا ہے ۔۔۔ وہ تو زندگی بھر جیل میں سڑے گی۔ او جسے اپنی مانا ہے ۔۔۔ وہ بیوہ بن کر اتنی بڑی جائیداد کی مالک بن کر عیش کرے گی۔"

"اور کہیں یہ پتہ چل گیا کہ میں تمہارے بچہ کی۔۔۔۔"

"شی۔۔۔۔!"

اس نے فوراً گلاس رکھ کر شبنم کا منہ بند کر دیا اور دھیمی آواز میں بولا ۔۔۔ "آہستہ ۔۔۔ جانتی نہیں۔ دیواروں کے بھی کان

ہوتے ہیں ۔"

وہ ترچھی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اور وہ اس کی اس ادا پر مسکرا دیا

شبنم نے بڑھ کر گلاس میں اور شراب ڈال دی۔

"اتنی نہ پلاؤ ۔۔۔ شبو کہ بہک جاؤں ۔"

"بہک بھی جاؤ ۔۔۔ تو غم نہیں ۔"

"کیوں ؟"

آج تو پلاتے پلاتے میرا دل بھی بہک جانے کو چاہ رہا ہے ۔"

اس کی اس سادگی پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا ۔ شبنم نے بھی اس کا ساتھ دیا ۔ اور پھر وہ بے تحاشہ ہنسنے لگے ۔

مگر دونوں کی ہنسی رک گئی ۔ اور وہ بت سے بن کر اس آواز کو سننے لگے ۔ جس نے ان کے حسین لمحوں کو اچانک چھین لیا تھا ۔ کوئی آہستہ آہستہ کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا تھا ۔ دونوں نے پلٹ کر اس بند دروازے کی طرف دیکھا ۔ اور پھر ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے ۔ اتنی رات گئے بھلا ان سے ملنے کون آسکتا ہے !

دروازے پر پھر دستک ہوئی ۔ بنواری نے شراب سے بھرے گلاس کو ایک ہی سانس میں ختم کر دیا اور لپک کر دروازہ کھولنے کے لیے بڑھا ۔ شبنم خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی ۔

دروازہ کھلتے ہی بنواری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔ شبنم بھی اپنی جگہ پر اچھل پڑی ۔ دروازے کے باہر انجنا کھڑی تھی ۔ خاموش سنجیدہ ۔

"انجو — تم —" بنواری کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

انجنا چپ چاپ اندر چلی آئی۔ بنواری نے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں نظریں دوڑائیں۔ لیکن کسی کو قریب نہ دیکھ کر جھٹ سے کواڑ بند کر لیے۔ اب انجنا چپ چاپ کھڑی شبنم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

شبنم نے اپنے نیم برہنہ جسم کو ڈھانپنے کی ناکام کوشش کی۔ اور ٹکر ٹکر انجنا کی طرف دیکھنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں شبنم! میں تم سے کچھ چھیننے نہیں آئی — بلکہ تمہارا حق لوٹانے آئی ہوں —"

"لیکن تم تو پولیس کی حراست میں تھیں —" بنواری نے فوراً دخل انداز ہوتے ہوئے کہا —

"ہاں — لیکن اب انہوں نے چھوڑ دیا ہے مجھے"۔

"وہ کیسے —؟"

"اصلی قاتل پکڑا گیا ہے —"

"کون ہے وہ —؟" بنواری کے تھرتھراتے ہونٹ خشک ہو گئے۔ اور چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ وہ ایک لمحہ خاموش رہی۔ اور اس کے چہرے کی گھبراہٹ کا اندازہ لگاتے ہوئے بولی —

"رمیّا —"

"رمیّا" بنواری نے دہرایا۔ اور رومال سے پیشانی پر آئے ہوئے پسینے کو پونچھنے لگا"۔

"ہاں رمیّا — اسی نے وہ زہر بابوجی کے دودھ میں ملایا تھا۔ زہر کی خالی شیشی رسوئی گھر کے باہر پڑی ہوئی مل گئی ہے۔"

"او ـــ لیکن وہ بھلا کیوں زہر دینے لگی۔ آخر اس سے اسے کیا مل جاتا!"

"یہ جاننا تو پولیس والوں کا کام ہے ـــ ہاں انہیں شک ہے کہ زہر اس نے اکیلے نہیں دیا ـــ اس کا کوئی ساتھی بھی ہے ـــ"

"ہوگا ـــ مجھے اس سے کیا ـــ ؟"

لیکن رمبا نے تمہارا نام لیا ہے ـــ"

"یہ جھوٹ ہے ـــ" وہ بوکھلا اٹھا۔

"بھگوان کرے یہ جھوٹ ہو ـــ ہنواری" اور انجا نے بڑھ کر اس کے کندھے کا سہارا لے لیا۔ شبنم کو یہ رنگ ڈھنگ اچھا نہ لگا اب تک چپ چاپ بیٹھی وہ یہ دیکھ رہی تھی لیکن اب اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی۔ اور اسے ہنواری سے الگ کرتے ہوئے بولی ـــ

"آج اچانک تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہونے لگی"

"واہ ـــ مجھے ہی گھائل کر کے ـــ مجھی سے سوال کر رہی ہو کیوں ہوا ؟"

"دیکھو ـــ انجو اس طرح بننے سے کام نہ چلے گا۔ صاف صاف کہو یہاں کیوں آئی ہو۔"

"بابوجی کی جائیداد کا دعویٰ کر کے تو تم نے مجھے بے گھر کر دیا۔ کیا اب میرے ہنواری کو بھی مجھ سے چھیننا چاہتی ہو۔"

"انجو ـــ" ہنواری نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں ہنواری۔ یاد ہے ـــ ایک دن ـــ ایسی ہی اندھیری رات

کو تم نے اس کی وجہ سے مجھے ٹھکرا دیا تھا۔ لیکن آج۔۔۔۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"دل کی وہ بات جو آج تک نہ کہہ سکی ۔ آج جب ساری دنیا نے مجھے ٹھکرا دیا تو کیا تم مجھے اپنی باہوں کا سہارا نہ دو گے" وہ ڈبڈبائی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اور اس نے پھر آگے بڑھ کر اس کے بازو کا سہارا لیا۔ شبنم یہ دیکھ کر بھنا سی گئی۔ ادھر بنواری انجنا کا یہ رویہ دیکھ کر عجیب کشمکش میں پڑ گیا۔ انجنا پھر گڑگڑا کر بولی ۔

"بنواری ۔ پولیس کو شک ہے کہ یہ خون تم نے کیا ہے ۔ رمیتا نے اپنی جان بچانے کے لیے تمہارا نام لے دیا ہے ۔ وہ کہتی ہے کہ جس رات ڈپٹی صاحب کی موت ہوئی تم مجھ سے ملنے آئے تھے۔"

"یہ سب جھوٹ ہے ۔" وہ سٹ پٹا کر بولا ۔

"میں کب کہتی ہوں کہ یہ سچ ہے ۔ میں تو جانتی ہوں کہ تم اس رات مجھ سے نہیں ملے لیکن تمہارا یہاں رہنا اب خطرے سے خالی نہیں آؤ ہم دونوں یہاں سے بھاگ چلیں ۔"

"یہ اتنا آسان نہ ہو گا ۔ انجو! میرے ہوتے ہوئے تم بنواری کو چھو تک نہیں سکتیں ۔" اور شبنم زہریلی ناگن کی طرح بل کھا کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"یاد ہے شبنم ۔ ایک دن اسی طرح تم نے میرا سب کچھ چھین لیا تھا۔ اور اب ۔۔۔۔"

"اور اب تم میری محبت کو چھیننے آئی ہو۔"

"نہیں ۔ اپنا حق لینے آئی ہوں۔ اب تو ساری دنیا جانتی ہے کہ

یہ میرے پتی ہیں۔ اور تم ڈپٹی صاحب کی بہو ہو۔ اب تو قانون بھی میرا گواہ ہے۔"

"نہیں — یہ جھوٹ ہے — بنواری میرا ہے — میرا — اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ تم بھی نہیں —......"

"واہ شبنم واہ۔ تم نے اس گھرانے کی بہو ہونے کا دعویٰ کر کے میرا سب کچھ چھین لیا، اور میں نے اُف تک نہ کی۔ اور اب جب میں اپنا حق لینے آئی ہوں تو تم اس کی بھی مالک بن بیٹھیں۔"

"اس میں ضرور تمہاری کوئی چال ہے — کل تک تم اس سے نفرت کرتی تھیں اور آج اچانک پیار امڈ آیا تمہارے دل میں۔"

"اگر تم اچانک اتنی بڑی جائداد کی مالک بن سکتی ہو۔ تو کیا میں اسے نہیں اپنا سکتی — میں دیکھتی ہوں کون مجھے روکتا ہے۔ ان کی پتنی بننے سے۔"

اور یہ کہتے ہوئے انجنا نے بنواری کو اپنے قریب کھینچ لیا۔ اور اسی طرح کھینچتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ شبنم سے یہ سب برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے جھپٹ کر ان کا راستہ روک لیا۔ اور بولی — "نہیں۔ نہیں — میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ تم میری دُنیا میں آگ لگانے آئی ہو — بنواری اب کسی کا نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے ہونے والے بچے کا باپ ہے۔"

"شٹ اپ! بنواری زور سے چلایا اور کس کر اس کے گال پر ایک طمانچہ جڑ دیا۔ طمانچے کی آواز نے چند لمحوں کے لئے کمرے میں سکوت طاری کر دیا۔ اور ہر کسی نے کانپتی ہوئی نگاہوں سے ایک دوسرے

کی طرف دیکھا۔ بنواری شرمندگی اور غصے کی حالت میں اپنی انگلیوں کو دانتوں تلے دبا رہا تھا۔ انجنا نے نگاہوں میں حیرت لاتے ہوئے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا اور آہستہ سے پوچھا:

"کیا یہ سچ ہے —— بنواری؟"

بنواری نے ایک ترچھی نظر انجنا پر ڈالی۔ صوفے پر پڑا ہوا اپنا کوٹ اٹھایا اسے کندھے پر ڈالا۔ اور انجو کی بات کا جواب دینے کے بجائے غصے سے شانہ جھٹک کر باہر جانے کے لیئے دروازے کی طرف بڑھا۔ انجنا تو اس کی طرف دیکھتی ہوئی چپ چاپ کھڑی رہی، لیکن جونہی بنواری نے دروازہ کھولنا چاہا، شبنم نے تڑپ کر اسے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ لیکن بنواری نے پورے زور سے اسے پرے دھکیل کر دروازہ کھول دیا۔

مگر دروازہ کھلتے ہی وہ دھک سے رہ گیا۔ اس کے سامنے انسپکٹر تیواڑی —— کمل اور دو نائب پولیس انسپکٹر کھڑے تھے۔ بنواری نے کپکپاتی نظروں سے پہلے ان کی طرف اور پھر انجنا کی طرف دیکھا —— جو بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ آخر آج اس نے اس سے اپنی بے حرمتی کا بدلہ لے لیا تھا۔

"قانون سے بچ نکلنا اتنا آسان نہیں ہے بنواری ——" انسپکٹر تیواڑی نے کہا۔

"لیکن انسپکٹر ——"

"میں اپنی ذمہ داری کو بخوبی سمجھتا ہوں ——" اس نے پستول تان کر کہا "تمہیں میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔"

"لیکن کیوں — میں نے کیا جرم کیا ہے —؟"

"ڈپٹی جگن ناتھ کا قتل اور ان کی جائداد ہڑپنے کی سازش"، پھر انسپکٹر تیواڑی نے اپنے نائب کو اشارہ کیا اور وہ ہتھکڑی لیے ہوئے بنواری کی طرف بڑھا۔

شبنم جو بُت بنی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی بنواری کی تقدیر کا فیصلہ سن کر چپکے سے باتھ روم کی طرف جانے لگی۔ لیکن تیواڑی نے اسے وہیں روک دیا۔

"محترمہ — آپ بھی!"

"نہیں — نہیں — وہ چلا کر بھاگنے لگی — دو سپاہیوں نے لپک کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا — اور گھسیٹ کر بنواری کے برابر لا کھڑا کیا۔

"واہ — اتنی بے رخی! سنا ہے محبت کرنے والے قیامت تک ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ آپ تو صرف جیل سے ڈر گئیں" انسپکٹر نے مسکرا کر کہا۔

شبنم سٹ پٹا کر رہ گئی اور پھر تیواڑی کا اشارہ پا کر دونوں پولیس کے ہمراہ ہو لیے۔

ان کے جانے کے بعد جب انجنا ان کے پیچھے پیچھے جانے لگی تو ایک کونے میں کھڑے کمل کو دیکھ کر اس کے قدم رک گئے۔ اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اطمینان سے کھڑا سگریٹ سلگا رہا تھا وہ اس کے قریب جا کر آہستہ سے بولی:

"میرے پاس شبد نہیں ہیں جو آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔"

"کس بات کا؟"

"یہ جو آپ نے اتنا بڑا احسان کیا ہے مجھ پر۔"

"کیسا احسان؟"

"میرے ماتھے پر سے کلنک کا ٹیکا ہٹا کر۔ ورنہ دنیا والے مجھی کو بابوجی کی قاتل سمجھتے۔"

"انجو ....." وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔ اور انجنا اپنا چہرہ آنچل میں چھپائے پولیس والوں کے پیچھے چلی گئی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی پیچھے چلی جا رہی تھی اور کمل اپنی جگہ پر بت بنا کھڑا تھا۔

دوسرے دن بھی صبح کا سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر نہیں ابھرا تھا کہ کمل کی جیپ گاڑی پولیس سٹیشن کے باہر آ رکی۔ وہ نیچے اترا اور سیدھا انسپکٹر تیواڑی کے کمرے میں جا پہنچا۔

"گڈ مارننگ۔ انسپکٹر....." کمل نے کمرے میں داخل ہوتے ہی انسپکٹر سے کہا۔ جو صبح کی چائے پی رہا تھا۔

"آؤ۔ بیٹھو، آج صبح صبح کیسے؟"

"سوچا کل رات تو موقع نہیں ملا۔ اب شکریہ ادا کر آؤں۔"

"شکریہ تو ہم پولیس والوں کو کرنا چاہیئے تمہارا، جو اصلی مجرم پکڑنے میں ہماری مدد کی اور ایک بے گناہ کی زندگی کو بچا لیا۔"

"وہ تو میرا فرض تھا۔ انسپکٹر—" وہ چمک کر بولا اور پھر بات بدلتے ہوئے اس نے پوچھا— "انجنا کہاں ہے؟"

"اسے رہا کر دیا گیا ہے۔"

"کب —— ؟"

"تھوڑی دیر پہلے ——"

"تو اب کہاں گئی ہے وہ —؟"

"بتایا نہیں کچھ —— اتنا ضرور پوچھ رہی تھی کہ کاٹھ گودام کی بس کتنے بجے جاتی ہے —— ؟"

"او۔ آئی۔ سی۔" کمل فوراً کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور اجازت لیے بغیر ہی باہر نکل گیا۔ تیواڑی حیران سا اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

کمل اپنی جیپ گاڑی میں بیٹھا نینی جھیل کے کنارے کنارے انجنا کی تلاش میں جا رہا تھا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ وہ ضرور اُسے پالے گا۔ کچھ دیر کے بعد اسے دور اس سڑک کے بائیں کنارے ایک سفید سایہ سا بڑھتا ہوا نظر آیا۔ اس کا اندازہ غلط نہ تھا۔ وہ جوں جوں اس کے قریب آ رہا تھا اسے اس سایہ پر انجنا کے وجود کا یقین ہوتا جا رہا تھا۔ بالآخر قریب پہنچ کر اس نے گاڑی کے بریک لگائے۔

جیپ گاڑی کے بریک کی چیخ سن کر انجنا وہیں ٹھٹھک کر رک گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ چیخ اس کے سینے کا سارا درد سمیٹ کر باہر لے آئی ہو۔ اس نے پلٹ کر کمل کی طرف دیکھا جو اچھل کر جیپ گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا اور اب اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ انجنا نے منہ پھیر لیا اور جھیل کے اس پانی کی طرف دیکھنے لگی۔ جس پر صبح کی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں نے سرگم سی چھیڑ رکھی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو۔ انجو؟" کمل نے پاس آ کر سوال کیا۔

"یہ تو میں خود بھی نہیں جانتی" اس نے اسی طرح جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آخر کوئی منزل تو ہوگی"

"منزل تو میں کب کی کھو چکی ــــ"

"تو میری ایک بات مان لو"

"کیا ــــ ؟"

"کسی ایسے ساتھی کو ساتھ لے لو جو خود کھو گیا ہو"

انجنا نے پلٹ کر کمل کی طرف دیکھا اور چند لمحوں تک چپ چاپ دیکھتی رہی، آج کمل کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک تھی، ایک نیا انداز امڈ آیا تھا۔ ان میں جو آج سے پہلے انجنا نے کبھی محسوس کیا تھا۔

"کھڑی کیا سوچ رہی ہو۔ اس مسافر کا ہاتھ نہ تھامو گی۔ جسے تم نے ایک دن اپنے دوار پر دولہا کے روپ میں بلوایا تھا"

"کمل" وہ تھرتھراتی آواز میں پکار اٹھی۔

"ہاں انجو ــــ میں سب جان گیا ہوں ــــ جن بندھنوں کو خود بھگوان نہ توڑ سکا ہم انسان انھیں کیسے توڑ سکتے ہیں"

"لیکن یہ سب کچھ تم سے کہا کس نے ؟"

"تمہاری ان خاموش نگاہوں نے۔ تمہاری اس پرکھشا نے، اس ارادھنا نے جو ملن کی گھڑیوں کے لیے پل پل ترستی رہی"

"وہ ایک خواب تھا۔ جو کبھی میں نے دیکھا تھا"

"آج میں اس خواب کی تعبیر بن کر آیا ہوں ــــ آؤ۔ انجو۔ میرے قریب آؤ۔ اور اپنی غمگین اور اداس یادوں کو میرے سینے میں

اس طرح دفن کر دو کہ وہ پھر کبھی سر نہ اٹھا سکیں۔" اور یہ کہتے کہتے وہ اس کے بالکل قریب چلا گیا۔ انجنا جو ایک راستہ بھولے ہوئے راہی کی طرح کھڑی تھی، اس کی بات سن کر کھل گئی۔ اس کی آنکھوں میں چھپے ہوئے آنسو ستاروں کی طرح جھلملا اٹھے وہ بڑی بے باکی سے اس کی جانب بڑھی۔ اور کسی نامعلوم کشش کی زد میں آ کر اس نے اپنے آپ کو اس کی باہوں میں گرا دیا اور اپنا چہرہ اس کے سینے سے لگا کر بچوں کی طرح پھپھک پھپھک کر رونے لگی۔

دور شو مندر کی گھنٹیاں نینی تال کی پہاڑیوں میں گونج رہی تھیں۔ وہ لہراتی ہوئی گونج ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آ آ کر ان کے کانوں سے ٹکرانے لگی۔ کمل نے اس کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے سہلاتے ہوئے پوچھا —

"آج مندر چلو گی انجو!"

"نہیں — آج میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"میرا دیوتا اپنا سنگھاسن چھوڑ کر خود میرے من مندر میں آ بسا ہے۔ اب میں کیا کروں گی وہاں جا کر۔"

"کمل نے کس کر اسے اپنے سینے سے لگایا۔ اور پھر اسے سہارا دیکر جیپ گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

وادی میں ابھی تک مندر کی گھنٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

ہمارے کچھ چنیدہ ناول

نرملا	منشی پریم چند	۲/-
دل کی وادیاں سو گئیں	کرشن چندر	۲/-
ایک عورت ہزار دیوانے	" "	۲/-
مٹی کے صنم	" "	۱/-
ہانگ کانگ کی حسینہ	" "	۱/-
زرگاؤں کی رانی	" "	۱/-
دل کی دنیا	عصمت چغتائی	۱/-
بڑی بڑی آنکھیں	اوپندر ناتھ اشک	۲/-
کالے کوس	بلونت سنگھ	۲/-
ایک معمولی لڑکی	" "	۱/-
عورت اور آبشار	" "	۱/-
خوشبو کا خواب	اے حمید	۲/-
دھرتی ساگر اور سیپیاں	امرتا پریتم	۲/-
خلش	"	۱/-

لندن کی ایک رات	سجاد ظہیر	۱/-
شہید	ملک راج آنند	۱/-
جگنو اور ستارے	جیلانی بانو	۱/-
بند گلی	ہنس راج رہبر	۱/-
اُجلا آنچل	کرتار سنگھ دگل	۱/-
میلی چاندنی	گلشن نندہ	۱/-
بن بیاہی ماں	گوربخش سنگھ	۱/-
محبت یا ہوس	ٹالسٹائی	۱/-
یاد	پرل بک	۱/-
قصہ چہار درویش	میر امن دہلوی	۱/-
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	۱/-
فرانس کے عظیم ناول (انتخاب)		۱/-
روس کے عظیم ناول (" ")		
انگریزی کے عظیم ناول (" ")		

ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ
دلّی ۳۲